سرمایۂ ملّت کا نگہبان

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی الشیخ احمد فاروقی حنفی سرہندی قدس سرہ العزیز

کے سیرت و کردار اور تجدیدی افکار کا اجمالی تذکرہ

تصنیف لطیف

سراج العارفین حضرت علامہ

ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی قدس سرہ العزیز

سرمایۂ ملّت کا نگہبان

ناشر

تنظیم الاسلام پبلی کیشنز

مرکزی جامع مسجد نقشبندیہ 121-بی ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

Tanzeem-ul-Islam Publications

121-B Model Town Gujranwala, Pakistan
Ph:+92 55 3841160, Fax:055 3731933 Mob: 0333 7371472
URL: www.tanzeemulislam.org
E-mail: tanzeemulislam@yahoo.com tanzeemulislam@hotmail.com

باراول .... جنوری 2011 .... تعداد 2,200

ہدیہ .... 300 روپے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی الشیخ احمد فاروقی حنفی سرہندی قدس سرہ العزیز

کے سیرت و کردار اور تجدیدی افکار کا اجمالی تذکرہ

سرمایۂ ملت کا نگہبان

تصنیف لطیف

سراج العارفین حضرت علامہ

ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی قدس سرہ العزیز

تنظیم الاسلام پبلیکیشنز

121- بی ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ پاکستان 3841160-55-92+:☎

بسم الله الرحمن الرحیم
ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا ربنا ولا
تحمل علینا اصرا کما حملته علی الذین من قبلنا
ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به واعف عنا واغفر لنا
وارحمنا انت مولنا فانصرنا علی القوم
الکفرین
ربنا
تقبل منا انک انت السمیع العلیم
وتب علینا انک انت التواب الرحیم

اَللّٰھُمَّ
اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ
یَا غَفُوْرُ یَا غَفُوْرُ یَا غَفُوْرُ
اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ مِنْ جَمِیْعِ مَا کَرِہَ اللّٰہُ
سُبْحَانَهٗ قَوْلًا وَّفِعْلًا وَّخَاطِرًا وَّسَامِعًا وَّنَاظِرًا
وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ
صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

الاهداء

ارمغانِ نیاز بحضورِ ناز

قسیمِ نسبت نقشبندیہ امیرِ کاروانِ احراریہ

خواجۂ خواجگان خواجۂ بے رنگ

عارف باللہ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ احراری دہلوی

رحمۃ اللہ علیہ

جن کی نظرِ کیمیا اثر نے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی الشیخ احمد فاروقی حنفی سرہندی قدس سرہ العزیز

جیسا ہفت رنگ ہیرا تراشا

جس کی ضو باریوں سے اسلامی افکار اور روحانی اقدار ہمیشہ جگمگاتی رہیں گی

گر قبول افتد زہے عز و شرف

/

صناد محمد رفیق احمد مجددی

فہرست

پیش لفظ

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ امت محمدیہ کی وہ عبقری اور ہمہ صفت موصوف شخصیت ہیں کہ جن کی خدمات دینیہ اور مکتوبات قدسیہ، بلاشبہ ملت اسلامیہ کا عظیم سرمایہ ہیں۔ آپ ایسے پر آشوب دور میں جلوہ گر ہوئے جب ہر طرف سے احکامات الٰہیہ اور تعلیمات نبویہ ﷺ کے آفتاب عظمت کو خود ساختہ دین الٰہی نے گرہن زدہ کر رکھا تھا۔ قرآن وسنت کے نور کو بے نور کرنے کی سعی نامشکور میں جہاں کفر والحاد اور لادینیت نے پنجے گاڑ رکھے تھے وہاں لباس خضر میں نام نہاد مذہبی ناخداؤں کا بھی نمایاں کردار تھا۔ اسلام کی ناؤ بحر ظلمات میں ہچکولے کھا رہی تھی جو اسے سہارا دینے کی کوشش کرتا، فرمان شاہی اس پر عرصہ حیات تنگ کر دیتا اور وہ قابل گردن زدنی قرار پاتا غرضیکہ اسلام کی آفاقی تعلیمات کو شرک وبدعت اور کفر وضلالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں دھکیلا جا رہا تھا۔

فطرت اپنے مقاصد کی تکمیل وتعمیر خود کرتی ہے۔ مشیت ایزدی سے ایسی شخصیت منصۂ شہود پر آئی جو مصطفوی کردار اور فاروقی للکار سے مست وسرشار تھی جس نے متحدہ قومیت کے بت کو پاش پاش کر دیا یوں گلشن اسلام میں پھر سے بہار آ گئی۔ وللہ الحمد

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد اور مکتوبات قدسی آیات، آپ کی ایسی باقیات صالحات ہیں جنہوں نے عالم اسلام اور برصغیر کی تہذیب وسیاست پر نہایت گہرے اثرات مرتب کئے۔ آپ کے صاحبزادگان کی سیاسی بصیرت کی بدولت ہی

جہانگیر کے بعد اس کا بیٹا شاہ جہاں، برسر اقتدار آیا۔ سلطان اورنگ زیب جیسا صالح اور محی الاسلام بادشاہ بھی خانوادہ مجددیہ کا ہی تربیت یافتہ تھا۔ علامہ اقبال مرحوم نے جس کے متعلق کہا تھا

درمیانِ کارزارِ کفر و دیں
ترکشِ ما را خدنگِ آخریں

بحمدہ تعالیٰ آپ کی تعلیم وتحریک کے اثرات وبرکات آج بھی زندہ وپائندہ ہیں موجودہ پرفتن دور میں صیہونی یلغار اور طاغوتی للکار کی سرکوبی کیلئے آپ کے کردار وافکار برابر رہنمائی کرتے ہیں بشرطیکہ آپ کی انقلابی تعلیمات کو ملحوظ خاطر اور پیش نظر رکھا جائے۔

زیر نظر کتاب حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی افکار اور انقلابی تعلیمات پر مشتمل ہے۔ اس کے زیادہ تر مضامین ہمارے پیرومرشد سراج العارفین خواجہ ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر فرمودہ ہیں۔ البتہ بعض مسودات آپ کے تصرفات باطنیہ اور توجہات قدسیہ کے ہی مرہونِ منت ہیں جو آپ کے خوشہ چینوں نے مرتب کیے ہیں۔

ماشاء اللہ اس کتاب کی ترتیب وتدوین اور طباعت واشاعت کا شرف ابوالبیان ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اور تنظیم الاسلام گرافکس کے احباب کو نصیب ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو مشکور فرمائے۔

قارئین سے التماس ہے کہ دوران مطالعہ اگر کوئی علمی تحقیقی نقص پائیں تو دامن عفو میں جگہ دیتے ہوئے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کر دی جائے۔

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ

صاحبزادہ محمد رفیق احمد مجددی
سجادہ نشین [illegible]

خراجِ عقیدت

بحضور

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ

وَبَلَغَ اَمْرُ الشَّیْخِ اِلٰی اَنْ لَّا

یُحِبُّہٗ اِلَّا مُؤْمِنٌ تَقِیٌّ وَّلَا یُبْغِضُہٗ

اِلَّا فَاجِرٌ شَقِیٌّ

شیخ (حضرت امام ربانی قدس سرہٗ) کا معاملہ یہاں تک

پہنچ چکا ہے کہ متقی مومن ہی کو آپ سے محبت ہوگی

اور شقی فاجر ہی کو آپ سے عداوت

(حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) ماخوذ از رسالہ المقدمۃ السنیۃ
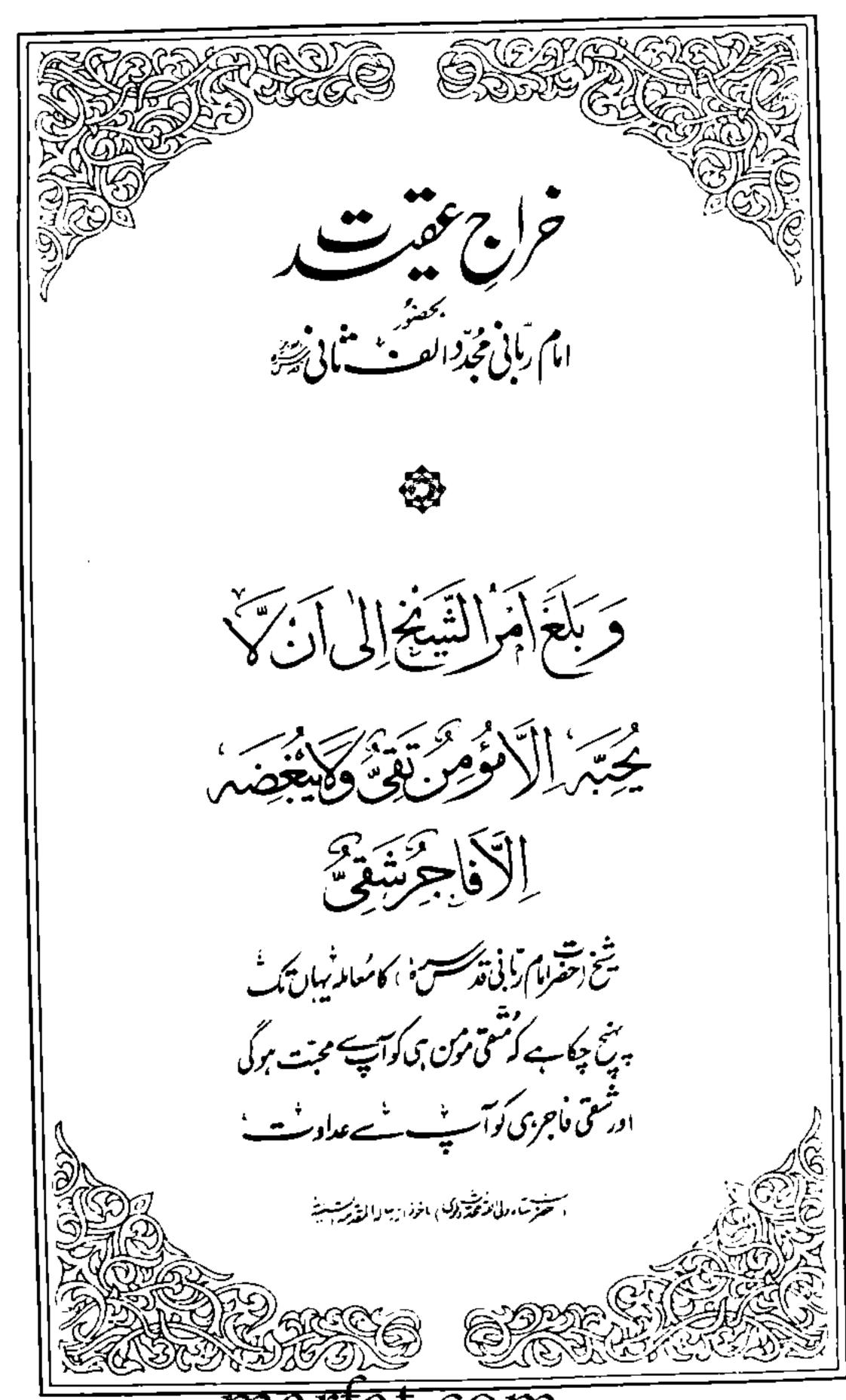
منقبت

بگو داستان ز احمد نقشبند
کہ داری دل از داغ مہرش سپند

گزشتہ بیک گام زیں نہ طبق
ز قدوسیان بردہ گوئے سبق

بہندوستان گرچہ دارد مقام
ببالائے ہفتم فلک ماندہ گام

مربع نشیں و مسدس سرا!
براہش جبیں سودہ ہفتم سما

نگیں گشتہ در حلقۂ اولیاء
چو در انبیاء خاتم الانبیاء

حضرت خواجہ عبدالاحد وحدت
بن حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی قدس سرہما

منقبت

اے خاکِ پاک روضۂ عبیری و عنبری کہ اہلِ جہاں زبوئے تو مدہوش گشتہ اند

ساقی فشاند بر تو خوش آبے کہ اہل دہر عاقل پیشت آمدہ مخمور رفتہ اند!

بہترے زخاکِ خلدِ تو داری کہ اہلِ ارض یک نفحۂ تو یافتہ بر چرخ رفتہ اند

نے نے تراز تربتِ یثرب سرشتہ اند پنہاں ز روم و شام بہ سرہند بشتہ اند

ایں خاکِ احمدی است بذاتِ احد نگر نے یک کہ صد ہزار ازیں خاک جستہ اند

اہلاً و مرحباً پے زوار تو بے! اقفالِ بُعد بر رُخِ اعدات بستہ اند

یا رب مکن خلاص ازیں خاک در مزا بدحال آں کساں کہ ازیں خاک رستہ اند

شیرے بخواب ناز بہ پہلوئے دو شبل یارب چہ راز ہا است کہ ازیں جا نہفتہ اند

تنہا غنی نہ مدح نغمۂ تو ساز کرد

کز و بیاں عرش ہمیں گونہ گفتہ اند

حضرت شاہ عبدالغنی محدث مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

عرضِ نیازِ اثیم بر مزارِ حضرت مجددِ عظیم رحمۃ اللہ علیہ

جنابِ حضرتِ شیخ احمد آں کہ شد سرہند — زفیضِ روضہ اش از روضۂ جناں خوشتر
مجددِ است بہ تحقیق الفِ ثانی را — بُود بہ رتبۂ قیّومی انسب و اجدر
مجدد آں کہ بہ تجدیدِ دین و شرع ورا — زغیب قوّتِ تائید نصرت است وظفر
بہ باغِ دہر ز بعدِ ہزار سال از وے — گرفتہ گلشنِ تجدید زینت و زیور
ز آسمانِ ولایت مہِ درخشاں شد — کہ مہر اوست بہ جانہائے تیرہ روشنگر
ہزار دستہ گل از گلشنِ درود و سلام — بہ بارگاہِ فلک جاہِ او بہ ہدیہ ببر
بہ پیش گاہِ حضورش بہ صد ہزار نیاز — رساں بہ عرض کہ اے برگزیدۂ داور
بلند کن علم اعتلائے مذہب و دیں — نما، زِ نعرۂ تکبیر گوش گردوں کر
ز نورِ مشعلِ دیں بر فروز راہِ یقیں — کہ روزِ روشنِ ما شد ز شام تیرہ تر
جہاں ز ظلمتِ فسق و فساد پُر گردید — بر از روضہ بہ اعتلائے دین بند کمر
بہ قمعِ بدعت و ظلم و فساد جہد نمائے — بہ سانِ عہدِ جہانگیر و دورۂ اکبر
جہانِ دیگرے از صدق و عدل آباد کن — چو عہدِ حضرتِ صدیق و حضرتِ عمر

زراہِ ظلمت و بدعت بشر نہ بیند خیر
کہ ہست سنتِ خیر البشر بہ خیرِ بشر

منت عبد السلام اثیم مجددی کابلی

منقبت

حاضر ہوا میں شیخِ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار!

علامہ محمد اقبال مرحوم
(بالِ جبریل)

منقبت

کیا نہادِ شکستۂ دیں کو آ کے پھر استوار تو نے
خزاں رسیدہ چمن کو پھر کر دیا سراپا بہار تو نے
زمین سربند کر لیا اپنا عرش رفعت وقار تو نے
سُلا کے آغوشِ عاطفت میں نقیب پروردگار تو نے
عجم کے ماحول کے سبب جو اسے مکدّر کیے ہوئے تھا
ردائے رُوحانیت کے دامن سے دھو دیا وہ غُبار تو نے
دِلوں کو پھر سے سکھائی تو نے ادائے بے باکیٔ محبت
کیا ہے صدیق اور حیدر کا آ کے زندہ شعار تو نے
ہوس کی ریشہ دوانیوں سے ردائے غیرت تھی پارہ پارہ
کیا رفو آ کے پھر فقیری کا دامنِ تار تار تو نے
اثر ذرا بھی نہ ہو سکا تجھ پہ سیلِ باطل کی یورشوں کا
جہاں کو بن کر دکھا دیا حق کا ساحلِ استوار تو نے
معاً فضائے بسیط میں اُڑ گئے دھوئیں دینِ اکبری کے
جو آ کے ہندوستاں میں پھونکا فسونِ باطل شکار تو نے
دکھایا ایماں کا اس طرح زور فقر و شاہی کے معرکے میں
بڑھا دیا ہے سریرِ شاہی سے بوریے کا وقار تو نے

عبائے شاہنشہی پہ خندہ زن ہوئی ہے گلیم بوذر
بہ یک نگہ محفلِ جہاں کے بدل دیئے کاروبار تُو نے
خرد کی بادِ سموم سے برگ و بار مُرجھا چلے تھے سارے
کیا ہے کشتِ یقیں کو سیراب آ کے ابرِ بہار تُو نے
رہے گا محفوظ حشر تک جو کہ دستِ باطل کی یورشوں سے
سرِ فقیری پہ آ کے رکھا وہ تاجِ پُر افتخار تُو نے
دلِ عجم کو کیا ہے مسحور نغمہ ہائے حجاز سے پھر
بڑے سلیقے سے چھیڑ کر بربطِ محبت کے تار تُو نے
تری نوائے جرس کی دُھن پر ہے گامزن ذوقِ رہ نوردی
عطا کیا ہے رہروِ طریقت کو شوقِ منزل شکار تُو نے
رفُو نہ اب کر سکے گی اس کو خرد کی حیلہ گری اَبد تک
کیا ہے دامانِ شرک و بدعت کو اس طرح تار تار تُو نے
خزینۂ لازوالِ حکمت ہیں تیرے مکتوب اے مجدد!
لکھے ہیں قرطاسِ علم پر کلکِ شوق سے شاہکار تُو نے
بڑے سکوں سے اس آشیاں بند شاخِ نخلِ مُراد پر اب
کیا ہے دامِ خرد سے فیضِ حزیں کو یوں رستگار تُو نے

خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سیّد فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ
وارث مسند آلومہار شریف سیالکوٹ

سراج العارفین، شہباز طریقت، شارح مکتوبات امام ربانی

حضرت علامہ ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ

مختصر تعارف

نگاہ بلند ، سخن دل نواز ، جاں پر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

سراج العارفین حضرت علامہ ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ ایک ہمہ صفت موصوف انسان تھے جن کا شمار عالم اسلام کے نابغہ روزگار علمائے شریعت، عرفائے طریقت اور خطبائے ملت میں ہوتا ہے۔ توحید الٰہی پر ایمان آپ کی بندگی کا اثاثہ اور عظمت رسالت پر ایقان آپ کی زندگی کا خاکہ تھا۔ آپ فقر غیور کے ترجمان اور عشق جسور کے نگہبان تھے۔ سادگی و پرکاری آپ کا مزاج اور بے خودی و ہوشیاری آپ کی معراج تھا۔ آپ رعنائی وزیبائی کا منبع اور دلبرائی و پارسائی کا مرقع تھے۔ آپ جمال و کمال کا حسین سنگم اور اخلاص وللّٰہیت کا عظیم مجسمہ تھے۔ آپ صوفیاء کے لئے سراپا ادب و نیاز، علماء کیلئے مروّت و ایثار اور عامۃ الناس کے لئے شفقت و پیار کی آبشار تھے۔

شریعت و طریقت کے جامع ہونے کی بدولت آپ نے لوگوں کے چہروں کو نور سنت سے مزین اور سالکوں کے دیدۂ و دل کو نور طریقت سے منور فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد از وصال بھی آپ کے آستانے پر رندوں کی دھوم اور عاشقوں کا ہجوم رہتا ہے۔

اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مردِ خلیق

قدرت نے آپ کی ذات ستودہ صفات کو گوناں گوں خوبیاں مرحمت فرمائی تھیں۔ بلاشبہ آپ شریعت کے عالم بھی تھے اور طریقت کے حامل بھی ...... سنت کے عامل بھی تھے اور شیخ کامل بھی ...... عاشق رسول اللہ بھی تھے اور مجاہد فی سبیل اللہ بھی ...... مایہ ناز خطیب بھی تھے اور بلند پایہ ادیب بھی ...... کتاب وسنت کے حامی بھی تھے اور شرک وبدعت کے ماحی بھی ...... مرد فقیر بھی تھے اور پیر روشن ضمیر بھی ...... غرضیکہ آپ حسن صورت اور حسن سیرت کا حسین امتزاج تھے۔

خاندانی پس منظر

کون جانتا تھا کہ خطہء کشمیر جنت نظیر میں حضرت مولانا لال دین رحمۃ اللہ علیہ کے گھر ۱۹۴۳ء بروز جمعۃ المبارک بوقت فجر پیدا ہونے والا یہ بچہ ایک دن روشن آفتاب بن کر چمکے گا اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار ونظریات کی ترجمانی کرتے ہوئے وہ عظیم کارنامہ سرانجام دے گا جسے گذشتہ چار صدیوں میں کوئی نہ کر سکا۔

o...... آپ کا خاندان ۱۹۴۷ء میں جب ہجرت کر کے پاکستان آیا تو ضلع جہلم تحصیل سرائے عالمگیر کے گاؤں ''اورنگ آباد'' میں قیام کیا۔

o...... آپ کے والد گرامی حضرت مولانا لال دین رحمۃ اللہ علیہ ایک عالم باعمل اور صوفی منش بزرگ تھے۔ والدہ مرحومہ درد دل رکھنے والی نہایت نیک سیرت اور پاکباز خاتون تھیں۔ والدین کی حسن تربیت اور آغوش ولایت نے آداب فرزندی سکھائے، اس طرح خودشناسی وخداشناسی اور خودآگہی وخدا آگاہی آپ کو ورثے میں ملی۔

یہ حق آ گاہی ، یہ خوش گوئی، یہ ذوق معرفت
یہ طریق دوستی ، خودداری و تمکنت
اس کے شاہد ہیں کہ ان کے والدین ابرار تھے
با خدا تھے اہل دل تھے صاحب اسرار تھے

○ ..... آپ کا سلسلہ نسب صحابی رسول، حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے جو نہایت حسین و جمیل شخصیت کے مالک تھے۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام جب کبھی لباس بشری میں بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوتے تو اکثر حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں متشکل ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے حسن و جمال کی جھلک آپ میں نمایاں نظر آتی تھی۔

ان کی ذرّیت کا ہر ذرہ نہ کیوں ہو آفتاب
سر زمین حسن سے نکلی ہے یہ کانِ جمال

تعلیمی زندگی

گھریلو مذہبی ماحول کی وجہ سے سکول کی تعلیم کے بعد جہلم، لاہور اور گوجرانوالہ کے مختلف دینی مدارس میں ممتاز اور جید علمائے کرام سے علوم دینیہ کا اکتساب کیا۔

○ ..... جامعہ نظامیہ لاہور سے تنظیم المدارس کے تحت الشہادۃ العالیہ (ایم اے عربی، اسلامیات) کا امتحان پاس کیا۔ علاوہ ازیں

○ شیخ القرآن حضرت علامہ محمد عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ قرآن پڑھا۔

○ امام اہلسنت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ (ملتان) سے سند حدیث حاصل کی۔

خطابت

عشق رسول میں ڈوبی ہوئی آواز، سخن دل نواز، محبت بھرا لہجہ و انداز، تجنیس الفاظ، مترادفات کی دل نشینی، استعارات آفرینی، مطالب کا سیلاب، اشارات و کنایات اور تلمیحات و محاورات کا وافر استعمال آپ کی خطابت کے دلنشین عناصر اور آپ کے عمیق مطالعہ کا بیّن ثبوت ہیں۔ جب آپ خطابت کے لؤلؤ ئے لالہ لٹاتے تو کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبان اور درد و سوز میں گندھا ہوا بیان یوں محسوس ہوتا

بات کرتا ہے کہ خوشبو کو بدن دیتا ہے
اس کا لہجہ تو کلیوں کو دہن دیتا ہے

o...... خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ (آلو مہار شریف) کی 25 سالہ صحبت و رفاقت اور تربیت و شفقت نے آپ کے دینی، روحانی، فکری، اور ادبی رجحانات میں مزید نکھار پیدا کیا جس سے میدان خطابت میں آپ کو عالمگیر شہرت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔

o...... آپ کی خطابت کی جولانی، شعلہ بیانی اور سلاست و روانی کو دیکھ کر شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ابوالبیان'' کا لقب عطا فرمایا جو آپ کے نام کا جزوِ لازم بن کر رہ گیا۔

دراصل آپ کی بے مثال اور شہرہ آفاق خطابت کے پیچھے اپنے مرشد و مربی حضرت خواجہ صوفی محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کی وہ تاثیرات ہیں جن کی بدولت موصوف کو بے پناہ شفقتوں سے یوں نوازا گیا کہ

''محمد سعید تجھ پر تقریر نازل ہوا کرے گی''

یہی وجہ ہے کہ آپ کے ہم عصر نامور علماء کرام اور مشائخ عظام آپ کی معراج

خطابت کے معترف تھے۔

عالمی ادارہ تنظیم الاسلام کا قیام

اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا عزم بالجزم کرتے ہوئے آپ نے فروری ۱۹۸۰ء میں عالمی ادارہ تنظیم الاسلام کی بنیاد رکھی جس کے تحت نوجوانوں کی علمی، فکری، نظریاتی تربیت اور روحانی ذوق کی آبیاری کے لئے عملی جدوجہد کا آغاز کیا۔ عالمی ادارہ تنظیم الاسلام کے قیام کا بنیادی مقصد تعلیمات کتاب وسنت کی ترویج واشاعت، غلبہء اسلام کیلئے مسلمانوں کو متحد ومنظم اوران کی علمی وعملی، فکری اور روحانی تربیت کرنا ہے تاکہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے نئے دور کا آغاز ہو سکے۔

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں ترے دور کا آغاز ہے

تحریکی سرگرمیاں

آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے تاہم پھر بھی آپ جمعیت علمائے پاکستان، جماعت اہلسنت اور دیگر کئی مذہبی وسیاسی تنظیموں میں نمایاں عہدوں پر تبلیغی وروحانی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

○ ... عرصہ تین سال تک آزاد کشمیر کی سب سے مؤثر دینی اور سیاسی تنظیم جمعیت علمائے جموں وکشمیر کی صدارت کے فرائض بھی انجام دیئے لیکن جلد ہی عملی سیاست سے کنارہ کش ہوگئے۔

سنی جہاد کونسل کا قیام

غلبہء اسلام، آزادیٔ کشمیر اور تکمیل پاکستان کے لئے آپ نے ایک ہزار علماء،

مشائخ کی موجودگی میں ۲ مارچ ۱۹۹۲ء کو راولپنڈی میں آل جموں وکشمیر سنی جہاد کونسل کی بنیاد رکھی جس کے پہلے کنوینر آپ ہی تھے۔ اور تا دم آخر شدت علالت کے باوجود پاکستان اور کشمیر میں اسلامی و روحانی معاشرے کی تشکیل وتعمیر کے لئے عملی جہاد میں مصروف رہے۔

دینی مدارس کا قیام

آپ نے ۱۹۸۲ء میں جی ٹی روڈ بالمقابل ریگل چائنہ گوجرانوالہ (بطرف لاہور) پانچ ایکڑ اراضی پر مشتمل مرکزی دارالعلوم اہل سنت و جماعت (جامعہ ریاض المدینہ) کی بنیاد رکھی اب یہ دارالعلوم المدینہ اسلامک یونیورسٹی کے نام سے علوم اسلامیہ وعصریہ کا حسین سنگم ہے۔

یہاں نہایت خوبصورت انداز میں تعلیمی نظام شروع فرمایا تو دیکھتے ہی دیکھتے تشنگان علم وحکمت اس مادر علمی کی طرف اُمڈ آئے۔ سینکڑوں طلباء زیور تعلیم سے آراستہ ہونے کیلئے شہر سے باہر اس دارالعلوم میں نہایت ذوق وشوق سے تشریف لاتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے۔ نہایت احسن انداز میں یہ علمی سلسلہ قائم ہوا مگر بعض جاہ پسند عناصر کیلئے یہ بات بڑی ناگوار تھی کہ دین متین کے اس نظام کی قیادت حضرت ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ فرمائیں؟۔ لہذا انہوں نے ہر سطح پر آپ کی زبردست مخالفت شروع کردی۔ چنانچہ بادل نخواستہ آپ اس نظام سے دست کش ہوگئے مگر معاندین کی پوری کوشش کے باوجود یہ تعلیمی نظام معطل ہی رہا بالآخر انہیں اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا کہ یہ نظام چلانا ہمارے بس کا روگ نہیں پھر سالہا سال کے تعطل کے بعد بحمدہٖ تعالیٰ یہ نظام اُنہیں دوبارہ آپ ہی کی زیر سرپرستی دینا پڑا۔ اب یہ دارالعلوم بڑے احسن انداز میں وارثانِ منبر ومحراب کی تعلیم وتربیت کے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔

o ... گوجرانوالہ ڈویژن میں اہل سنت کی عظیم دینی درس گاہ دارالعلوم نقشبندیہ امینیہ A بلاک ماڈل ٹاؤن کے بانی و مہتمم بھی آپ ہی ہیں۔

o ... کئی مرتبہ بیرونی ممالک (برطانیہ، آسٹریلیا، ملائیشیا، عراق، سعودی عرب، ہندوستان وغیرہ) میں تبلیغی و روحانی دورے بھی فرمائے۔

o ... ماشاء اللہ آٹھ مرتبہ حج بیت اللہ اور متعدد عمروں کی سعادت بھی آپ کے حصے آئی۔

تبلیغی کاوشیں

آپ نے دین اسلام کے بنیادی نظریات اور کتاب وسنت کی آفاقی تعلیمات سے عوام الناس کو روشناس کرانے کے لئے مجلس دین و دانش کے تحت مختلف دروس قرآن وحدیث وتصوف کا سلسلہ شروع فرمایا جن میں بالخصوص قرآنی سورتوں کا اجمالی تعارف اور مختلف قرآنی مضامین کی تعبیر وتشریح آپ کے موضوع سخن ہوتے تھے۔

o...... دروس احادیث میں خصوصاً شمائل ترمذی کچھ ایسے ایمان افروز اور دل کش انداز میں بیان فرماتے کہ سامعین پر رقت کی کیفیت طاری ہو جاتی۔

o...... تصوف وطریقت کے نہایت باریک، لطیف اور دقیق مسائل ومعارف پر شرح وبسط کے ساتھ کلام کرنے اور عامۃ الناس کے قلوب واذہان میں صحیح اسلامی تصوف کو اجاگر کرنے کی صلاحیت خصوصی طور پر قدرت نے آپ کو ودیعت فرمائی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب مستطاب کشف المحجوب کا مسلسل ۸ سال تک ہفتہ وار درس ارشاد فرماتے رہے۔

o ... حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی علوم ومعارف پر مشتمل آپ کی تصنیف لطیف ''مبدأ ومعاد'' احباب کو سبقاً پڑھایا۔

o ... نیز مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا تقریباً ربع صدی درس ارشاد فرمایا۔

روحانی نسبت

آپ کو درد وسوز اور تصوف وطریقت کی طرف میلان ورثہ میں ملا تھا۔ قدوۃ الکاملین حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر زبدۃ الفقراء حضرت خواجہ صوفی محمد علی نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ خاص آلومہار شریف سیالکوٹ) سے ملاقات ہوئی جو مادر زاد ولی اور بلند پایہ صاحب حال صوفی تھے۔ ان کی نگاہ ولایت نے پہلی ہی نظر میں اس جوہر قابل اور گوہر نایاب کو پہچان لیا اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت فرمالیا۔ پھر شیخ کامل کی روحانی توجہات نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کو منازل سلوک طے کروا کے نہ صرف خرقہ خلافت سے نوازا بلکہ ''شہباز طریقت'' کا لقب بھی عطا فرمایا۔

آپ کے شیخ کامل حضرت خواجہ صوفی محمد علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر روز قیامت خدا نے پوچھا اے محمد علی! دنیا سے کیا لائے ہو تو میں اپنے محمد سعید احمد کا ہاتھ پکڑ کر بارگاہِ ایزدی میں پیش کردوں گا۔

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

آپ کی اعلیٰ روحانی وعلمی استعداد کو دیکھتے ہوئے اندرون وبیرون ملک کے جلیل القدر مشائخ عظام نے جملہ سلاسل طریقت مثلاً نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، شاذلیہ وغیرھا کے فیوض وبرکات اور خرقہ ہائے خلافت واجازت سے نوازا۔ یوں آپ کی ذات بابرکات جملہ سلاسل طریقت کے فیوض وبرکات کی جامع وسنگم قرار پائی۔

جن مشائخ عظام نے آپ کو خرقۂ خلافت واجازت سے نوازا ان میں سے چند اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

- خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ
  (تاجدار آلو مہار شریف ضلع سیالکوٹ)
- شیخ المشائخ حضرت پیر محمد فضل شاہ مجددی رحمۃ اللہ علیہ
  (سجادہ نشین چورہ شریف ضلع اٹک)
- پیر طریقت حضرت خواجہ محمد غلام فرید شاہ مجددی رحمۃ اللہ علیہ
  (سجادہ نشین نتھیال شریف ضلع اٹک)
- شہزادہ غوث الوریٰ حضرت صاحبزادہ پیر سید محمد انور شاہ گیلانی بغدادی مدظلہ
  (سجادہ نشین سدرہ شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان صوبہ سرحد)
- غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ (ملتان)
- شیخ القرآن حضرت علامہ محمد عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ (وزیر آباد)
- شیخ الشیوخ حضرت العلام شیخ ابوالنور شاذلی رحمۃ اللہ علیہ (دمشق)
- پیر طریقت حضرت صاحبزادہ پیر سید عاشق حسین شاہ مجددی رحمۃ اللہ علیہ
  (سجادہ نشین آستانہ عالیہ سرہند شریف (انڈیا) حال مقیم شیخوپورہ پاکستان)

بحیثیت شیخ طریقت

شیخ کامل مکمل نبوت و رسالت کی نیابت و خلافت کے طور پر سالکین کی قلبی تنویر اور باطنی تطہیر کر کے انہیں منزل آشنا کرتا ہے۔ نقشبنداں عجب قافلہ سالار انند کے مصداق آپ سلوک نقشبندیہ مجددیہ طے کروانے میں بہت مشاق تھے۔ کئی احباب کو ایک ہی توجہ سے عالم امر اور عالم خلق کے لطائف طے کروا دیتے تھے۔ دیگر سلاسل طریقت کے سالکین بھی آپ سے توجہات قدسیہ اور باطنی رہنمائی حاصل کرتے تھے بلکہ بعض نامور مشائخ بھی آپ سے اسرار طریقت سیکھتے اور روحانی مسائل دریافت کرتے رہے۔

تصانیف عالیہ

جس طرح آپ نے فن خطابت میں اپنی عظمتوں کا لوہا منوایا اسی طرح آپ میدان تحریر کے بھی شاہسوار تھے۔ آپ کی تصنیفات جلیلہ ادب و انشاء کا عظیم شاہکار ہیں جن میں تحقیق و تدقیق کے ساتھ ساتھ ایجاز و اختصار اور برمحل اشعار کا استعمال قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہے۔ ان میں علوم و معارف، حقائق و دقائق، شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کے دریا بہا دیئے گئے ہیں جن کا صحیح ادراک و احساس ان کے مطالعہ و ملاحظہ سے ہی ممکن ہے۔ تاحال آپ کی درج ذیل تصانیف منظر عام پر آئی ہیں جبکہ متعدد منصوبہ جات ابھی تشنۂ تکمیل ہیں۔

- O...... البینات شرح مکتوبات (مطبوعہ چار جلدیں، مزید کام جاری ہے)
- O..... سعادت العباد شرح مبدأ و معاد (مکمل دو جلدیں)
- O...... البیان (تقریری مجموعہ)......جلد اول ، دوم ، سوم ، چہارم ، پنجم
- O...... تذکرہ مشائخ آلومہار شریف
- O...... اسلام میں عید میلاد النبی کی حیثیت
- O...... کلمہ طیبہ اور اس کے تقاضے
- O..... مقالات ابوالبیان
- O...... ایمان اور اس کے ثمرات
- O..... آداب الحرمین
- O...... سرمایہ ملت کا نگہبان
- O...... صلوات الابرار (مجموعہ درود و سلام)
- O..... قرآنی سورتوں کا اجمالی تعارف (زیر ترتیب)
- O..... شرح شمائل ترمذی (زیر ترتیب)
- O......شرح کشف المحجوب شریف (زیر ترتیب)

وصال باکمال

جملہ سلاسل طریقت کی نسبتوں کے حامل یہ مرد وحید اپنے مشائخ کرام کے تفویض کردہ روحانی و تبلیغی مشن کی تکمیل و تشہیر کے بعد یہ تبلیغی و روحانی نظام اپنے جانشین مکرم مدظلہ کے سپرد فرما کر آخرکار 10، 11 اگست 2002ء بروز اتوار بمطابق یکم جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ کو واصل باللہ ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

جانشین حضرت ابوالبیان مدظلہ

آپ کے وصال باکمال کے بعد آپ کا کاشت فرمودہ چمن اپنی بہاریں روز افزوں بکھیر رہا ہے، اس گلستان علم وعرفان کی آبیاری پروردۂ آغوش ولایت حضرت علامہ صاحبزادہ پیر محمد رفیق احمد مجددی مدظلہ فرما رہے ہیں۔

حضرت جانشین محترم مدظلہ ایک بلند پایہ علمی، فکری اور روحانی شخصیت ہیں۔ قدرت نے آپ کو یقین محکم، عمل پیہم، بلند ہمتی اور وسعت قلب ونظر جیسی گوناگوں صفات سے متصف فرمایا ہے۔ آپ کی زیر قیادت عالمی ادارہ تنظیم الاسلام کا قافلۂ شوق اندرون و بیرون ملک علمی، ادبی، فکری، تحقیقی، تصنیفی، تبلیغی اور روحانی خدمات سرانجام دے رہا ہے اور بیسیوں مساجد و مدارس کی تعمیر و تاسیس کا مبارک سلسلہ جاری ہے۔ یہ مدارس علوم اسلامیہ وعصریہ کا حسین سنگم ہیں جہاں ہزاروں طلباء وطالبات زیور تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو رہے ہیں۔ اس طرح آپ کی انتھک کاوشوں سے عالمی ادارہ تنظیم الاسلام کا دائرۂ عمل وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذالک

✿......آپ نے اپنے مرشد و مربی حضرت ابوالبیان علیہ الرحمہ کے نقوش سیرت کو اپناتے ہوئے نہایت تھوڑے وقت میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں جن میں خصوصاً دختران اسلام کی تعلیم و تربیت کیلئے عظیم الشان تنظیم الاسلام ایجوکیشن سنٹر کا قیام...

درگاہ حضرت ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ کی تعمیر وتزئین ...... مرکزی جامع مسجد نقشبندیہ کی تعمیر نو اور تیسری بلڈنگ کا اضافہ ...... تنظیم الاسلام ریسرچ سنٹر کیلئے دو عدد خوبصورت وسیع لائبریریاں ...... اور جامعہ مدینۃ الاسلام کے طلباء کیلئے عظیم الشان تعلیمی و رہائشی بلاکس کی تعمیر و تکمیل ہے۔

۞ ...... آپ نے ارباب ذوق اور عامۃ المسلمین کی باطنی تطہیر اور قلبی تنویر کا خوب سامان بہم پہنچایا ہے۔ جن میں سرفہرست ادارہ کے مرکزی سیکرٹریٹ درگاہ حضرت ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ میں منعقدہ ہفتہ وار محفل ذکر ہے۔ جہاں سینکڑوں سالکین طریقت اپنے قلب وروح کے انجلاء و یقین کا سامان پاتے ہیں۔

علاوہ ازیں یہاں امت مسلمہ کا قلبی رشتہ قرآن حکیم سے مضبوط تر کرنے کیلئے عظیم الشان سالانہ انٹرنیشنل محفل حسن قرأت کا اہتمام کیا جاتا ہے جن میں دنیائے اسلام کے نامور قراٴ عظام اپنے لحن داؤدی سے عوام الناس کے قلوب واذہان کو انوار قرآنی سے منور کرتے ہیں۔ نیز تعلیمات کتاب وسنت کو عام کرنے کی غرض سے شب وروز دروس قرآن وحدیث کی صورت میں بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لیجانے کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

۞ ...... تصنیفی اور تحقیقی خدمات کے حوالے سے آپ نے حضرت ابوالبیان علیہ الرحمہ کی تصنیفات وتالیفات کو صوری اور معنوی خوبیوں سے مزین کر کے ادارہ کی تصنیفات کا اک معیار قائم کر دیا ہے۔ خصوصاً البینات شرح مکتوبات اور دیگر کتب مقدسہ کو آپ نہایت احسن انداز میں منظر عام پر لا رہے ہیں۔ غرضیکہ چشم بد دور! آپ کے انقلابی افکار وخدمات نے عوام وخواص کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔

با خدا دادگان ستیزہ مکن   که خدا داده را خدا داده است

درحقیقت یہ محض فضل ربانی اور تائید ایزدی ہے جو حضور اکرم ﷺ کی توجہات قدسیہ اور خواجہ ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ کے تصرفات باطنیہ کا ثمرہ ہیں (ماشاء اللہ)

اگر بروید از تن صد زبانم چو سبزہ شکر لطفش کے توانم

❁.....آپ کی زیر قیادت، اندرون وبیرون بالخصوص آسٹریلیا..... انگلینڈ..... کینیڈا..... ساؤتھ آفریقہ..... ملائیشیا..... اور دیگر ایشیائی و یورپین ممالک میں مدارس و مساجد کی تعمیر وتاسیس، تعلیم وتربیت اور تبلیغ اسلام کا مبارک سلسلہ جاری ہے۔ خصوصاً آسٹریلیا میں 2 ایکڑ قطعہ اراضی پر مشتمل نہایت خوبصورت اسلامک ہال کا قیام عمل میں آچکا ہے جہاں پنج وقتہ نماز اور جمعۃ المبارک کے ساتھ ساتھ ہفتہ وار محفل ذکر کا اہتمام بھی ہو رہا ہے۔ اس طرح دیار اسلام اور دیار کفر میں قال اللہ جل جلالہ اور قال رسول اللہ ﷺ کی صدائیں برابر جاری وساری ہیں اور نئے منصوبہ جات کی طرف تیزی سے پیش قدمی ہو رہی ہے۔

الغرض! یہ اللہ رب العزت کا بہت بڑا فیضان وانعام ہے کہ اس نے اس آستانے کو ایسا رفیق عطا فرمایا ہے جنہوں نے صحیح معنوں میں اپنے آپ کو رفیق ابوالبیان ثابت کر دیا ہے۔

حضرت رفیق اُن کی نشانی ہیں ہُو بہ ہُو
ساقی نیا ہے اور پرانا ہی جام ہے

دعا ہے کہ اللہ رب العزت آپ کو عمر خضر نصیب فرمائے..... اس آستاں کو تا قیام قیامت شاد وآباد رکھے اور خلق خدا کو اس کی شادابیوں سے بہرہ مند فرمائے۔

الٰہی تا ابد آباد آستان یار رہے
آسرا ہے غریبوں کا برقرار رہے

اللّٰھم اٰمین بحق طٰہٰ ویٰسین علیہ التحیۃ والتسلیم

سیرتِ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

کا اجمالی تعارف
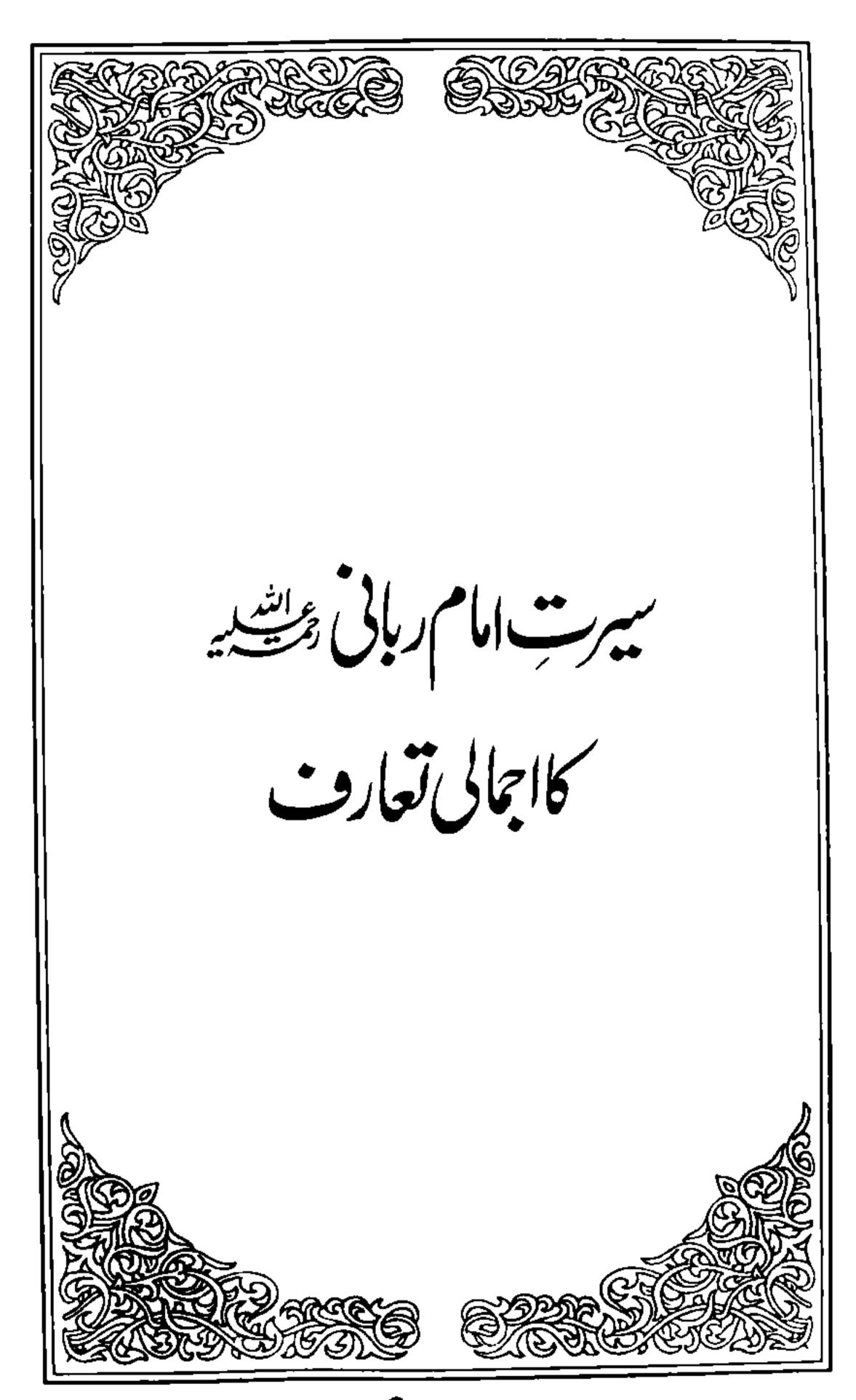
نام ونسب

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ ۱۴ شوال ۹۷۱ ھ جمعہ کی شب سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابوالبرکات، لقب بدرالدین اور نام احمد رکھا گیا جو بعد میں قیومِ اول' امام ربانی' مجدد الف ثانی کے خطابات سے مشہور ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے، آپ کی پانچویں پشت میں حضرت امام رفیع الدین بانی سرہند شریف کا نام آتا ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت شیخ مخدوم عبدالاحد اور دادا حضرت شیخ زین العابدین ہیں۔

خطہ سرہند شریف کا پس منظر

سلطان فیروز شاہ تغلق کے دور حکومت میں شاہی خزانہ پنجاب سے دہلی جارہا تھا۔ قافلے کا گزر اس جنگل میں سے ہوا جہاں آج کل سرہند شریف واقع ہے۔ ایک صاحب کشف مرد کامل حضرت خواجہ حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ (جو قافلے میں شامل تھے) نے انکشاف کیا کہ ایک بہت بڑے ولی اللہ اس مقام پر پیدا ہوں گے۔ حضرت سید جلال الدین بخاری المعروف بہ مخدوم جہانیاں (جو سلطان فیروز شاہ تغلق کے مرشد تھے) نے بھی اپنے کشف سے یہ معلوم کر کے سلطان کو حکم دیا کہ اس جنگل میں ایک شہر آباد کیا

جائے۔ ؎

حسن بے پرواہ کو اپنی بے نقابی کے لئے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن!

چنانچہ اس شہر کی تعمیر کا مقدس فریضہ شیخ مجدد کے مورث اعلیٰ حضرت امام رفیع الدین کے سپرد کیا۔ حضرت شاہ بوعلی قلندر اور حضرت امام رفیع الدین دونوں نے ایک ایک اینٹ اٹھا کر شہر کی بنیاد رکھی۔ سبحان اللہ! شیخ مجدد کا علو مرتبت ملاحظہ ہو کہ امام رفیع الدین اور شاہ شرف الدین بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہما جیسے اولیاء کاملین آپ کے کاشانہ اقدس کی تعمیر میں مزدور بنے۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء

بعد میں حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر نے امام رفیع الدین کو بشارت دی کہ وہ عظیم ولی کامل آپ کی اولاد سے ہوگا۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت امام رفیع الدین نے شہر کا نام سیر ہند رکھا جو بعد میں سرہند کے نام سے مشہور ہوا اور آپ نے وہاں سکونت اختیار کر لی۔ حضرت امام رفیع الدین کا مزار مبارک سرہند شریف سے باہر قریب ہی اب تک موجود ہے۔ یہ شہر تین سو سال سے زیادہ عرصہ خوب آباد رہا، بعد میں سکھوں نے ۱۰۷۷ھ میں تاخت وتاراج کیا اور اب تک ویران پڑا ہے۔

بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ اس شہر کی آبادی کی جگہ ایک وحشت ناک جنگل تھا جہاں درندے رہتے تھے۔ اس جنگل کا نام ہندی میں سہرند (سہ بمعنی شیر رند بمعنی جنگل) بمعنی شیروں کا جنگل تھا۔

سرہند شریف کی عظمت وشرافت میں یہ امر بھی داخل ہے کہ اس کے قرب وجوار میں انبیاء کرام علیہم الصلوات کی قبور مقدسہ ہیں۔ سرہند سے چند کوس کے فاصلہ پر براس ایک شہر تھا جہاں پر شیخ مجدد کو انبیاء کرام علیہم الصلوات کے مزارات کا انکشاف ہوا۔ آپ نے فرمایا:

''بخارا اور سمرقند سے بیج لا کر سرزمین ہند (سرہند) میں جس کو بطحاء کی خاک سے سرمایہ حاصل ہے بویا گیا پھر سالہا سال آب فضل سے اس کی تربیت کی گئی''۔

(دفتر اول مکتوب: ۲۶۰)

عمر ہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

حضرت کا خمیر بقیہ طینت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات (خمیر جسم اقدس) سے تیار کیا گیا جس کا اظہار آپ نے مکتوبات دفتر سوم میں کیا ہے۔ (جیسا کہ بقیہ طینت آدم علیہ السلام سے خرما کی خلقت، حدیث سے ثابت ہے)

شواہد التجدید

مجدد الف ثانی رسالت مآب ﷺ کی نظر میں

ہمارا ایمان ہے کہ از آدم تا ایں دم و بعد از حشر و نشر تمام احوال و واقعات سرور کائنات ﷺ کی نگاہ نبوت میں تھے جن کا تفصیلی ذکر کتب احادیث میں موجود ہے۔ حضور ﷺ نے امت کی خیریت ختم ہو جانے کے متعلق دو مدتوں کی اطلاع دی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا

1 ...... میری امت کی عمر (خیریت) پانچ سو برس ہے۔

2 ...... میری امت کی عمر (خیریت) ہزار برس ہے۔ (الیواقیت والجواہر جلد دوم)

بعد میں یہ پیش گوئیاں نکھر کر سامنے آئیں۔

چنانچہ پانچویں صدی گذرنے پر فتنہ تا تاریاں ہوا جس نے قبائے خلافت کو تار تار کر دیا۔ مسلمانوں کا لہو پانی کے قطروں سے ارزاں ہو گیا، ان کے اقبال کا ستارہ

غروب ہو گیا، ان کی آبرو کا سفینہ ڈوب گیا، لاکھوں علماء وصلحاء کو قتل کیا گیا، ان کی لاشیں بے گور وکفن پڑی رہیں اور عباسی تاجدار مستعصم باللہ کی ہڈیاں توڑ دی گئیں۔ شیخ سعدی پکار اٹھے۔ ؎

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمین
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین

حکومت تاتار کی استیلاء نے علماء واولیاء کو ہند کا رخ کرنے پر مجبور کر دیا۔ سلطان التمش نے ان کا استقبال کیا اور ایک کروڑ روپیہ صرف کر کے ان کو آباد کیا۔ بالآخر قدرت ایزدی نے دستگیری فرمائی کہ خلافت عثمانیہ کی بنیاد رکھی گئی اور اسلام کی نئی روح کا آغاز ہوا۔ اقبال مرحوم نے کہا ؎

ہے عیاں یورشِ تاتار کے فسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

یہی فتنۂ تاتار تھا جو پانچ صدیاں گذرنے پر ظاہر ہوا تھا اور اسی فتنے کا انکشاف کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''میری امت کی عمر پانچ صدیاں ہے۔''

دوسری حدیث میں امت کی عمر ہزار برس بتائی گئی۔ چھٹی صدی سے گویا امت کی تعمیر نو ہوئی اور اسلام کا دور جدید شروع ہوا۔ علماء وفضلاء اٹھے اور دین کو از سر نو زندہ کیا حتیٰ کہ یہ پانچ صدیوں کا دوسرا دور ختم ہوا اور امت پھر سے انحطاط پذیر ہوگئی۔ غرضیکہ الف اول (پہلے ہزار برس) کا اختتام اور الف ثانی (دوسرے ہزار سال) کا آغاز، ملت اسلامیہ کا دور انحطاط ہے۔ یہی انحطاط تھا جو بعثت نبوی کے ہزار برس بعد وجود پذیر ہوا۔ اسی کی نسبت حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی عمر خیریت ہزار برس ہے۔ الف اول کے بعد اسلام پر زوال آنا شروع ہوا اور الف ثانی میں دین کو از سر نو زندہ کرنے کیلئے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ

✿......سنن ابی داؤد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۲۹۳)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے شروع میں کسی ایسے شخص کو مبعوث فرمائے گا جو دین کی تجدید کرے گا۔

✿......مکتوبات دفتر مکتوب: ۴ میں ہے کہ

ہر صدی کے شروع میں ایک مجدد ہوتا ہے لیکن ایک الف (ہزار سال) کا مجدد ہوتا ہے اور جو فرق سو اور ہزار کا ہے وہی فرق ان کے مجددوں کا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

✿......حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مناقب میں لکھا ہے:

لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا مُؤْمِنٌ تَقِیٌّ وَلَا یُبْغِضُہٗ اِلَّا مُنَافِقٌ شَقِیٌّ

ترجمہ: ان سے وہی شخص محبت رکھے گا جو مومن تقی ہو اور وہی بغض رکھے گا جو منافق شقی ہو۔

✿......علامہ علی بن حسام الدین متقی ہندی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل کی ہے:

یَکُوْنُ رَجُلٌ فِیْ اُمَّتِیْ یُقَالُ لَہٗ صِلَۃٌ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ بِشَفَاعَتِہٖ کَذَا وَکَذَا (کنز العمال، رقم الحدیث: ۳۴۵۸۹)

ترجمہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کو صلہ کہا جائے گا (طریقت و شریعت کو ملانے والا) اس کی شفاعت سے میری امت کے بیشمار افراد جنت میں داخل ہوں گے۔

علماء محدثین نے اس حدیث سے شیخ مجدد کی ذات مراد لی ہے۔ نیز خود حضرت شیخ مجدد تحریر فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ صِلَةً بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ وَ مُصْلِحًا بَیْنَ الْفِئَتَیْنِ (دفتر دوم مکتوب:٦)

ترجمہ: اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے دو سمندروں کو ملانے والا بنایا اور دو لشکروں میں صلح کرانے والا بنایا۔

(دو سمندروں سے مراد شریعت و طریقت ہے اور دو لشکروں سے مراد علماء اور صوفیاء ہیں)

دوسری حدیث: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ اللّٰهُ رَجُلًا عَلٰی رَأْسِ اَحَدَ عَشَرَ مِائَةِ سَنَةٍ هُوَ نُوْرٌ عَظِیْمٌ اِسْمُهٗ اِسْمِیْ بَیْنَ السُّلْطَانَیْنِ الْجَابِرَیْنِ وَیَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِهٖ رِجَالٌ اُلُوْفاً (روضۃ القیومیہ رکن اول مطبوعہ لاہور)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ گیارہویں صدی کے شروع میں دو جابر بادشاہوں کے درمیان ایک شخص بھیجے گا جو میرا ہم نام (احمد) ہوگا وہ نور عظیم ہوگا اور اس کی شفاعت سے ہزاروں انسان جنت میں داخل ہوں گے۔

آپ کا سلسلہ نسب امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ حضور علیہ السلام ہر وقت عواقب امت کی فکر میں محو رہتے تھے۔ غالباً حضور ﷺ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پیشانی میں ایسا نور مشاہدہ کیا تھا جو عظمت اسلام کا موجب ہوسکتا تھا۔ اسی لئے آپ نے دعا کی تھی۔ اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ (المستدرک رقم الحدیث: ۴۴۸۴) نیز...... لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۶۸۶) میں بھی بالواسطہ شیخ مجدد کی وراثت نبوت اور تجدیدی اصلاحات کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم

حضرت مجدد الف ثانی......اولیاء سابقین کی نظر میں

1 .... حضرت داؤد قیصری جو کہ فصوص الحکم کے شارح ہیں، قیصری کے مقدمہ کی

فصل ثانی میں لکھتے ہیں کہ

''ہر ایک اسم اور ستارے کا دورہ ہزار سال بعد ہوتا ہے۔ انبیاء اولوالعزم (علیہم السلام) کی شریعتیں بھی ہزار ہزار سال رہی ہیں۔ پس اس امت میں بھی ایک شخص مبعوث ہوگا جو وارث انبیاء ہوگا اور مجدد الف ثانی کہلائے گا اور اس کی تجدید کا دور ہزار سالہ ہوگا۔''

2...... شیخ الجن والانس حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ مراقب تھے کہ ایک نور عظیم ظاہر ہوا اور اس کی روشنی محیط کائنات ہوگئی۔ اس روشنی سے گذشتہ وآئندہ اولیاء نے استفادہ کیا۔ آپ متحیر ومتعجب ہوئے تو الہام ہوا کہ یہ نور اس شخص کا ہے جو آپ سے پانچ سو سال بعد پیدا ہوگا اور دین کی تجدید کرے گا۔ اس کے فرزند اور خلفاء بارگاہ احدیت کے صدر نشین ہوں گے۔ آپ نے اسی وقت اپنا خرقہ اتار کر اپنی مخصوص نسبت ودیعت کر کے بطور امانت اپنے خلیفہ کے سپرد کیا اور وصیت کی کہ نسلاً بعد نسلٍ بہ کمال حفاظت یہ خرقہ شخص معہود تک پہنچا کر میرا اسلام کہنا۔ چنانچہ حسب وصیت حضرت شاہ کمال کیتھلی کے پوتے حضرت شاہ سکندر کیتھلی رحمہ اللہ علیہما نے تجدید کے دوسرے سال وہ خرقہ آپ کو عنایت فرمایا جس کے بعد آپ نسبت قادریہ کے بھی جامع کہلانے لگے۔

3...... شیخ الاسلام حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات میں ہے کہ شیخ نے فرمایا:

میرے بعد چار سو سال کے عرصہ میں سترہ آدمی احمد نام کے پیدا ہوں گے ان میں آخری شخص ہجرت نبوی کے ہزار سال بعد پیدا ہوگا جو اولیاء سے افضل ہوگا۔

4...... مقامات شیخ خلیل اللہ بدخشی میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ

ہند میں سلسلہ نقشبندیہ سے ایک شخص پیدا ہوگا جو افضل ترین اولیائے امت سے ہوگا۔ افسوس کہ مجھے اس عزیز الوجود ہستی کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک خط بطور عرضداشت تحریر کیا

جس میں دعا کی استدعا کی گئی تھی۔ وہ خط اپنے خلیفہ عبدالرحمن بدخشی کے سپرد کیا' جو ۱۰۲۲ھ میں آپ کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے قبول فرما کر دعا کی۔

5.... حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے مشاہدہ کیا کہ ایک نور سرزمین سرہند سے ظاہر ہو کر محیط عالم ہو گیا ہے۔ الہام ہوا کہ یہ نور اس شخص کا ہے جو اسی سرزمین میں پیدا ہوگا اور تجدید دین کرے گا۔

علاوہ ازیں منجموں' اختر شناسوں نے بھی آپ کی ولادت کے متعلق پیشگوئیاں کی تھیں۔

علوم شریعت میں آپ کا مقام

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ مزید تعلیم آپ نے مولانا کمال الدین کشمیری' مولانا محمد یعقوب کشمیری' مولانا قاضی بہلول بدخشانی رحمۃ اللہ علیہم سے حاصل کی۔ ٹھیک سترہ برس کی عمر میں تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے فارغ ہو گئے۔ اس کے بعد آپ مسند ارشاد وہدایت پر متمکن ہوئے۔ آپ نے قرآن مجید ایام اسیری میں حفظ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو الراسخین فی العلم میں سے بنایا تھا۔ اس سلسلے میں سواطع الالہام کے چند اوراق بھی آپ کی قلم کے مرہون منت ہیں۔ جب فیضی' الفاظ کے ہیر پھیر میں سرگرداں ہوا تو حضرت مجدد نے قلم برداشتہ کئی اوراق لکھ ڈالے۔ نیز ابوالفضل نے تفسیر بے نقط کا ایک ورق تحریر کیا اور تفسیر سے تمام علماء مجبور ہو گئے۔ حضرت سے استفادہ چاہا تو آپ نے قلم برداشتہ تذکیر، تبشیر، قصص، حکم، اسباب نزول کے ساتھ تفسیر بے نقط بشمول معنی تحت اللفظ کا وافر حصہ تحریر فرما دیا۔ آپ کے اس تبحر علمی پر ابوالفضل اور دیگر تمام علماء متحیر ہو گئے۔ آپ کے علم وفضل کی سب سے بڑی شہادت آپ کے مکتوبات شریفہ ہیں جن میں آپ نے وہ علوم ومعارف بیان فرمائے جو آج تک کسی نے بیان نہ فرمائے۔

علماء سادات ترکیہ میں سے ایک مقتدر عالم مولانا عبدالحکیم بن مصطفیٰ نقشبندی مجددی خالدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''افضل الکتب الاسلامیۃ بعد کتاب اللہ تعالیٰ و بعد احادیث النبویۃ مکتوبات للامام الربانی لامثل لہ فی الاقطارِ الجہانی''

یعنی قرآن پاک اور احادیث نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوات) کے بعد تمام اسلامی کتابوں سے افضل مکتوباتِ امام ربانی ہیں جس کی عالم گیتی میں کوئی مثال نہیں ہے۔

آپ نے متعدد تصنیفات عربی اور فارسی میں تحریر فرمائیں جو درج ذیل ہیں:۔

مبداٗ و معاد	معارف لدنیہ	آداب المریدین
رسالہ تہلیلیہ	رسالہ اثبات نبوت	رسالہ رد روافض
تعلیقات عوارف	مکاشفات غیبیہ	رسالہ خواجگان نقشبند
رسالہ علم حدیث	شرح رباعیات حضرت خواجہ باقی باللہ (رحمۃ اللہ علیہ)	
مکتوبات سہ جلد (وغیرہا)		

ان تمام رسائل و کتب میں علوم و معارف کے کئی ناپید کنار سمندر موجزن ہیں۔

آپ کی دعوت تجدید کا بنیادی رکن شریعت کی ترویج ہے اور اسی امر کی تکمیل کیلئے آپ نے علماء اور امراء کو بیدار کرنا چاہا ہے۔

آپ نے فرمایا شریعت کے تین جزو ہیں۔

علم ..... عمل ...... اخلاص

آپ علم و عمل کے اس کمال کے باوجود مقلد تھے اور حنفی المذہب تھے۔ آپ نے فرمایا:

''مجتہد کا اجتہاد..... مقلد کے لئے حجت ہے۔ کسی شئے کی حلت وحرمت میں صوفیاء کا عمل سند نہیں ہے بلکہ حلت وحرمت کے امور میں ہمارے لئے امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد کا قول معتبر ہے نہ کہ ابوبکر شبلی اور ابوالحسن نوری کا۔''

نیز آپ نے فرمایا:

فقہ کے بانی ابوحنیفہ ہیں، تمام فقہاء ان کے عیال ہیں۔ مذہب حنفی کی نورانیت، نظر کشفی میں دریائے عظیم کے مانند نظر آتی ہے جبکہ دوسرے مذاہب، حوضوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں۔ (مکتوبات شریفہ دفتر دوم مکتوب:۵۵)

علوم طریقت میں آپ کا مقام

علوم شریعت سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے تصوف کی عملی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت مخدوم عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی اور سلسلہ چشتیہ صابریہ کا انتساب بھی انہی سے حاصل کیا۔ آپ کے والد، حضرت شیخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما کے خلیفہ تھے۔ سلسلہ قادریہ میں آپ کو انتساب حضرت شاہ کمال کیتھلی کے نبیرۂ اعلیٰ حضرت شاہ سکندر کیتھلی رحمۃ اللہ علیہما سے حاصل ہوا اور حضرت شیخ یعقوب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ سہروردیہ میں بھی خلافت پائی۔ سلسلہ نقشبندیہ میں آپ خواجہ بیرنگ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید وخلیفہ ہیں۔

والد ماجد کی وفات کے بعد حضرت شیخ مجدد، حج کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ جب دہلی پہنچے تو اپنے دوست مولانا حسن کشمیری کی تحریک سے حضرت خواجہ باقی باللہ دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی اور تکمیل سلوک کے بعد خرقہ خلافت نقشبندیہ حاصل کیا۔ ایام قیام دہلی کے دوران تقریباً ڈھائی ماہ کے عرصے میں نسبت نقشبندیہ کامل طور پر حاصل کر لی۔ نسبت نقشبندیہ

''دوام حضور و آگاہی'' کا نام ہے جس میں غیبت بالکل نہ ہو۔ یہ نسبت حدیث نبوی ﷺ اَنْ تَعْبُدَ اللہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ سے تعبیر ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے مرشد حضرت خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ نے حکم فرمایا تھا کہ وہ افغانستان سے ہندوستان تشریف لے جائیں۔ یہاں ان کی وساطت سے ایک عزیز الوجود عظیم ہستی سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہوگی جس سے سارا عالم منور ہوگا اور ان کو بھی اس سے حصہ ملے گا۔ چنانچہ شیخ مجدد نے وہ مقام بلند حاصل کیا کہ خود حضرت خواجہ بیرنگ باقی باللہ فرمایا کرتے تھے کہ

''میاں شیخ احمد آفتابی است کہ مثلِ ما ہزاراں ستارگان در ضمن ایشاں گم است و از کمل اولیاء متقدمین خال خالے مثل ایشاں گذشتہ باشند''

میاں شیخ احمد (سرہندی) ایسے آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے ان کے ضمن (انوار) میں گم ہیں اور کاملین اولیاء متقدمین میں ان جیسا خال خال ہوا ہوگا یعنی بہت کم۔

مرشد برحق کی ہدایت کے مطابق آپ بسلسلہ رشد و ہدایت لاہور میں بھی تشریف لائے اور ہزاروں نفوس سلسلے میں داخل ہوئے۔ آپ نے لاہور کی قطبیت حضرت شیخ ملا طاہر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو ودیعت فرمائی۔

آپ نے فرمایا کہ

آں حضرت سرور عالم ﷺ سے میری ارادت بہت واسطوں سے ہے۔ طریقہ نقشبندیہ میں اکیس واسطوں سے، طریقہ قادریہ میں پچیس واسطوں سے، طریقہ چشتیہ میں ستائیس واسطوں سے۔ میرا سلسلہ رحمانی ہے کیونکہ میں رحمان کا بندہ ہوں' میرا

طریقہ سبحانی ہے کیونکہ میں **تنزیہ** کی راہ سے پہنچا ہوں۔ (مکتوبات دفتر سوم مکتوب: ۸۷)

غرضیکہ آپ صوفیاء کے پندرہ سلاسل کے علی الاطلاق مرشد مجاز اور پیر ماذون تھے لیکن آپ پر سلسلہ نقشبندیہ کا غلبہ رہا اور اسی سلسلہ کو آپ نے فروغ بخشا۔ دیگر سلاسل میں تزکیہ نفس پہلے ہوتا ہے اور تصفیہ قلب بعد میں، لیکن سلسلہ نقشبندیہ میں تصفیہ قلب کو مقدم رکھا گیا ہے اور یہی اندراج النہایۃ فی البدایۃ کا مفہوم ہے۔ اس سلسلہ میں اتباع شریعت کا نام ہی طریقت وحقیقت ہے، اسی لئے ذکر خفی، جلی پر۔۔۔ حال، قال پر۔۔۔ صحو، سکر پر اور فکر، ذکر پر مقدم سمجھا گیا ہے۔ اگرچہ یہ سلسلہ، حال ووجد کی دل آویزی اور نعرہ ہائے **حق ھو** کی ظاہری دلکشی وطرب انگیزی سے یکسر خالی ہے تاہم خلوت در انجمن اور نظر برقدم کے اصولوں میں احوال ومواجید کے تمام اسرار ورموز مضمر کر دیئے گئے ہیں۔

نقشبنداں عجب قافلہ سالارانند

کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

بلکہ آپ نے راہ سلوک میں بعض ایسے مقامات کی نشاندہی بھی فرمائی جو اس سے پیشتر، بیشتر صوفیائے عظام کے ذاتی تجربات ومشاہدات سے بالاتر تھے۔

آپ کو ۱۰ ربیع الاول ۱۰۱۰ھ بروز جمعہ "خلعت مجدد الف ثانی" عطا ہوئی۔

والحمد للہ علی ذلک

طبقہ علماء میں سب سے پہلے حضرت ملا عبدالحکیم سیالکوٹی علیہ الرحمۃ نے آپ کو مجدد الف ثانی لکھا اور تجدید الف کے اثبات میں ایک رسالہ بنام "دلائل التجدید" تصنیف فرمایا۔ اور ۲۷ رمضان ۱۰۱۰ھ بروز پیر منصب قیومیت عطا ہوا۔ خود سرور دو عالم ﷺ نے آپ کے سر پر دستار باندھی اور منصب قیومیت کی بشارت ومبارک دی۔

تعین وجودی جس کے متعلق کسی عارف کامل نے لب کشائی نہ کی تھی وہ آپ پر

ظاہر ہوا۔ آنجناب پر ہرسہ درجات ولایت صغریٰ، ولایت کبریٰ اور ولایت علیا منکشف فرمائے گئے۔ حقیقت محمدیہ' حقیقت احمدیہ' حقیقت کعبہ' حقیقت بیت المقدس' حقیقت قرآن کے علاوہ سیر آفاقی وسیر انفسی کا بھی کشف ہوا۔ آپ کو نسبت فردیت، اپنے پدر بزرگوار سے حاصل ہوئی۔ علوم لدنیہ روحانیہ حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل کئے اور علوم آسمانی سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حاصل کئے۔ مقام فنانی اللہ' بقا باللہ' مقام محبوبیت ذاتیہ' حب صرفہ ولاتعین' مقام شہادت ومرادیت' مقام قیومیت' مقام مجددیت وقطبیت' مقام قربت ومعیت اور مقام بحت احدیت وفردیت سے بھی آپ کو سرفراز کیا گیا۔ نیز رموز متشابہات فرقانی واسرار مقطعات قرآنی سے بھی آپ کو وافر حصہ عطا ہوا۔

آپ مجموعہ قطب مدار' قطب ارشاد ہیں اور قیامت تک قطب مدار وارشاد آپ ہی کے سلسلہ میں ہوا کریں گے۔ حضرت امام مہدی (آخر الزمان) رضی اللہ عنہ آپ کے ہی خلفاء سلسلہ سے ہوں گے۔

آپ کو مرتبہ علم الیقین' عین الیقین' حق الیقین' جمع الجمع اور ادراک بسیط عطا کیا گیا۔ (ان مقامات کی تفصیل وتشریح البینات شرح مکتوبات میں ملاحظہ فرمائیں)

آپ کی زیارت کیلئے کعبہ شریف آیا اور آپ کی خانقاہ شریف کے کنویں سے آب زمزم برآمد ہوا۔ آپ کے سلسلے کے کل مریدین ومتوسلین جو قیامت تک ہوں گے آپ کو دکھلائے گئے۔ ہر ایک کا نام ونسب اور مولد ومسکن بھی بتایا گیا بلکہ آپ نے وعدہ فرمایا کہ میں اپنے سلسلے کے تمام مریدوں کو ساتھ لے کر جنت میں جاؤں گا۔

آپ ایک مرتبہ مراقب تھے کہ یکایک بارگاہ خداوندی سے خطاب ہوا۔

غَفَرْتُ لَكَ وَلِمَنْ تَوَسَّلَ بِكَ إِلَيَّ بِوَاسِطَةٍ أَوْبِغَيْرِ وَاسِطَةٍ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (مبدأ ومعاد منہا: ۵)

ترجمہ: اے امام ربانی! میں نے تجھ کو اور قیامت تک بالواسطہ یا بلاواسطہ تیرے سلسلے سے منسلک ہونے والوں کو بخش دیا۔

بملک اولیاء چوں او نزادہ
محمد ثمرہ چوں او ندادہ

حضرت شیخ مجدد رضی اللہ عنہ کے تجدیدی کارناموں پر طائرانہ نظر اور الحاد اکبری کا استیصال

ہمایوں کے انتقال کے بعد جلال الدین اکبر تخت شاہی پر براجمان ہوتا ہے تو اکبر نے سلطنت کی بنیاد کو مضبوط کرنے کیلئے یہ سوچا کہ محبت' اتحاد اور صلح کلیت سے ہندوستان میں میری حکومت قائم رہ سکتی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ ہندوستان جیسے مختلف الاقوام ملک میں بادشاہ ایسا ہونا چاہئے کہ ہندو اسے ہندو سمجھیں، مسلمان اسے مسلمان خیال کریں اور پارسائی' جین اور عیسائی وغیرہ بھی اس کو اپنا ہم عقیدہ متصور کریں۔ اس لئے ضروری ہے کہ مذاہب کے اختلافات کو درمیان سے اٹھا دیا جائے اور ہندوستان کی سرکش قوموں کو تلوار سے ختم کرنے کی بجائے باہم میل جول' رشتہ وناطہ سے ختم کیا جائے اور نہ صرف ان کے جسموں پر بلکہ دلوں پر بھی حکومت کی جائے۔ اکبر چونکہ جاہل تھا اس کی رہنمائی اور مذہبی معاملات میں مداخلت وراشتاً ان لوگوں کے ہاتھ میں آئی جو علماء حق نہ تھے بلکہ علماء سوء تھے۔ ابتداء میں ایرانی عقائد کو اہلسنت کے عقائد سے مطابق کرنے کی کوشش شروع ہوئی اور توہین صحابہ کا اقدام ہوا۔ شطاریہ' مداریہ' روشنیہ فرقوں کی آزادخیالی اور نظریہ وحدت الوجود کو نافہمی کی بناء پر غلط رنگ دے

کر اکبر کے اعتقادات میں لغزش پیدا کی گئی ۔اسی اثنا میں اکبر کے حرم میں ہندو راجاؤں کی لڑکیاں بھی داخل ہو چکی تھیں ۔اس لئے وہ اب قولاً وفعلاً مذہبی جبہ کو اپنے کندھے سے اتارنے کی تراکیب سوچ رہا تھا تا آنکہ ابوالفضل اور فیضی نے اس کے دربار تک رسائی حاصل کر لی۔ اتفاق کی بات ہے انہی دنوں قاضی عبدالرحیم نے متھرا میں مسجد بنانے کے لئے سامان جمع کیا لیکن کسی برہمن نے وہ تعمیری مسالہ مندر بنانے میں استعمال کر لیا جس پر باہم چپقلش ہوئی۔ نوبت بانیجا رسید کہ اس برہمن نے بانی اسلام ﷺ کو بھی (معاذ اللہ) گالیاں دینا شروع کر دیں۔ یہ مقدمہ اکبر کے دربار میں پیش ہوا۔ اکبر اس کو ٹالنا چاہتا تھا لیکن شیخ عبد النبی کے حکم سے وہ برہمن قتل ہوا جس کا اکبر کے دل پر ناگوار اثر ہوا۔ چنانچہ ایک محضر نامہ تیار ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ اختلافی مسائل میں صرف بادشاہ وقت کا فیصلہ ہی قابل قبول ہوگا خواہ کتاب وسنت کے مطابق ہو یا مخالف ۔ اب اکبر کے سامنے علماء کی طاقت ختم ہو رہی تھی ۔فیضی اور ابوالفضل جیسے آزاد منش فضلاء معاون بن چکے تھے۔ چنانچہ اکبر نے دین الٰہی کا اعلان کر دیا اور وہ اپنے آپ کو خلیفۃ اللہ کہلانے لگا۔ کچھ عرصہ بعد دعویٰ خدائی کیا اور اپنی مہر پر یہ عبارت لکھوائی۔ ''جل جلالہٗ است اکبر ما اکبر شانہٗ تعالیٰ''۔

دراصل اکبر کے دماغ میں صرف یہی جذبہ کارفرما تھا کہ کسی طرح ہندوستان کا تخت وتاج اس کے لئے اور اس کی اولاد کے لئے ہمیشہ قائم رہے۔

کاش! اگر بادشاہ وقت یہی اعلان کر دیتا کہ حکومت کا مذہب لادینی ہے تو شاید اسلام کو اتنا دھچکا نہ لگتا۔

جب شہنشاہ اور اس کے درباریوں کا مشغلہ تضحیکِ اسلام بن گیا، اکبر برملا کہتا تھا کہ رام اور رحیم میں کوئی فرق نہیں، ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائی سب ایک ہیں، تصوف نے اپنا مقام کھو کر ویدانت سے ساز باز کی، مذہب وطریقت کی اصل روح مفقود ہوئی،

رہنما اصول صلح کل تھا، شیعہ سنی ایک مسجد میں، فرنگی یہودی ایک کلیسا میں آداب عبادت بجالاتے، ہندو کے برت کا اہتمام ہوتا، رمضان کے مہینے میں کھلے بندوں کھانا کھلایا جاتا، نماز باجماعت ممنوع کردی گئی، مساجد شہید کر کے ان کی جگہ مندر تعمیر ہونے لگے، بموجب عقائد ہنود خنزیر کی تعظیم کی جاتی' ذبیحہ گاؤ پر پابندی عائد کی گئی، جزیہ ختم کیا گیا، تعظیمی سجدہ رواج پذیر ہوا، سورج کی دن میں چار مرتبہ پوجا کی جاتی، سورج کے ایک ہزار ایک نام کی مالا جپی جاتی، قشقہ لگایا جاتا، سود، شراب اور جواء حلال سمجھا گیا، داڑھیاں منڈوائی گئیں، غسل جنابت فضول سمجھا گیا اور قرآن کو مخلوق' وحی کو محال' معراج اور شق القمر کو غلط سمجھا گیا (العیاذ باللہ تعالیٰ) تو علماء حق نے آوازیں بلند کیں لیکن وہ صدا بصحرا ثابت ہوئیں۔

اندریں حالات ہندوستان کی مرکزیت کی وجہ سے اکبری الحاد کے جراثیم دنیائے اسلام میں منتشر ہو رہے تھے' علماء وفقراء اپنے مراکز کھو چکے تھے' چاروں طرف تاریکی بھیانک مناظر پیش کر رہی تھی اور کوئی بھی ایسا مرد میدان نظر نہیں آتا تھا جو ان جراثیم کا کلیتاً خاتمہ کر سکے۔ آخر شب پو پھٹنے کا وقت قریب آیا۔ صبح صادق کے نشانات ہویدا ہونے لگے، اسلام کے بطل جلیل امام ربانی کی رگ تجدید پھڑکی، غیرت فاروقی جوش میں آئی اور آپ نے اعلانیہ جہاد باللسان اور جہاد بالقلم کے ذریعے اسلامی اقدار کے تحفظ کا کام شروع کر دیا۔

آپ نے اکبر کے مقربین کو بلوا کر کہا کہ

''بادشاہ، خدا اور رسول کا باغی ہو چکا ہے۔ جاؤ میری طرف سے اس کو کہہ دو کہ عنقریب اس کی شہنشاہی مٹنے والی ہے۔ وہ فوراً توبہ کرے ورنہ اللہ کے غضب کا انتظار کرے۔''

اکبر نے اس مرد حق آگاہ کا یہ پیغام سن کر کوئی پرواہ نہ کی اور اپنی سطوت وکبر

نخوت کے نشے میں مست رہا۔ بالآخر وہ وقت آیا کہ شیخ مجدد شعلہ جوالا بن کر چمکے اور برق خاطف بن کر گرے اور سطوت اکبری کو خاکستر بنا دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ الحاد اکبری کے اصل قاطع شیخ مجدد ہی تھے۔

اکبر کے انتقال کے بعد اسی گھناؤنے وتیرہ وتار اور متعفن ماحول میں ایک عیاش اور مخمور بادشاہ نورالدین جہانگیر تخت نشین ہوا۔ نور جہاں سے نکاح کیا جو جہانگیر کے قلب ودماغ پر پوری طرح مسلط ہوگئی۔ کچھ دوسری وجوہات کی بنا پر اثنا عشری (شیعہ) عقائد سرایت کرنے لگے اور عہد اکبری کے بیشتر قوانین وقواعد جاری رکھے گئے۔

حضرت شیخ مجدد نے اپنے مکتوبات اور تصنیفات میں عقائد باطلہ کی تردید شروع کردی اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے اپنے مبلغین کو اندرون ملک اور بیرون ملک بھیجنا شروع کردیا اور ایک منظم جدوجہد شروع کردی۔ علماء سوء نے ہوس اقتدار میں آپ کی مخالفت شروع کردی اور آپ کے خلاف بادشاہ کے کان بھرے اور ہر طرح کے الزام دھرے۔ بالآخر شیخ مجدد کو دربار جہانگیری میں بلایا گیا اور سجدہ تعظیمی کا حکم دیا گیا۔ آپ نے سختی سے انکار کیا اور فرمایا:

''اے جہانگیر! جو پیشانی اپنے معبود برحق کے سامنے جھک چکی ہے وہ تیرے سامنے ہرگز نہ جھکے گی''۔

جہانگیر کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا۔ آنکھیں سرخ ہوگئیں اور پھر سجدے پر اصرار کیا۔ مفتی وقت نے جب دیکھا کہ جہانگیر آپ کو ہاتھی کے پاؤں کے ساتھ باندھ کر چروانے والا ہے تو بے اختیار بول پڑا۔

''اے شیخ احمد! میں از روئے شرع فتویٰ دیتا ہوں کہ گردن جھکا دی جائے اور جان بچا لی جائے''۔

آپ نے نہایت اطمینان سے فرمایا ''واقعی فتویٰ تو یہی ہے لیکن تقویٰ اس بات

کی اجازت نہیں دیتا کہ یہ گردن غیر خدا کے سامنے جھکنے پائے۔" آپ کے ان برجستہ الفاظ سے دربار جہانگیری میں سناٹا طاری ہوگیا۔ نہ معلوم قدرت نے کیا کرشمہ دکھایا کہ جہانگیر نے قتل کی بجائے گوالیار کے قلعہ میں قید کرکے آپ کے مکان اور کتابوں کو لوٹ لینے کا حکم جاری کردیا۔ حضرت مجدد، یہ واقعہ رونما ہونے سے پہلے اپنے صاحبزادہ کو بتا چکے تھے کہ ہم پر مصائب نازل ہونے والے ہیں۔ ان کو ہم خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے۔ آپ کے اسی استقلال و عزیمت کے پیش نظر علامہ اقبال مرحوم نے آپ کے حضور یہ نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہباں
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

آپ کے قلعہ گوالیار میں پہنچتے ہی قید خانے کی نوعیت بدل گئی۔ ذکر و فکر کی محفلیں ہونے لگیں۔ غیر مسلم، دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔ غرضیکہ حضرت مجدد کے قدم سے وہ قید خانہ نقشبندیہ مجددیہ آستانہ کی صورت اختیار کرگیا۔ بادشاہ بزعم خود مطمئن تھا کہ باغی کو سزا دے دی گئی لیکن وہ اس امر سے غافل تھا کہ قدرت نے یہ سارا انتظام صرف انہی کو راہ راست پر لانے کیلئے کیا ہے۔ چند برس آپ وہاں رہے تو متوسلین (جو لاکھوں کی تعداد میں تھے) نے بغاوت کا سلسلہ شروع کرنا چاہا۔ آپ نے ایک

مکتوب میں تمام کو متنبہ کیا کہ میں حکومت کا خواہشمند نہیں، قید کی مصیبت میرے لئے راحت ہے اور جس مقصد کے لئے میں یہاں آیا ہوں انشاء اللہ وہ عنقریب پورا ہو جائے گا۔

قدرت نے جہانگیر کے قلب و ذہن میں انقلاب پیدا کیا اور اس نے خواب میں دیکھا کہ حضور سرور عالم ﷺ بطور تاسف اپنی انگلی مبارک دانتوں میں دبائے فرما رہے ہیں کہ جہانگیر! تو نے کتنے بڑے انسان کو قید کر دیا۔ اس خواب کے بعد اس نے آپ کی رہائی کا حکم صادر کیا۔ آپ نے رہائی سے پہلے حسب ذیل سات شرائط پیش کیں۔

۱...... سجدہ تعظیمی موقوف کیا جائے

۲...... مساجد آباد ہوں

۳...... ذبیحہ گاؤ کی اجازت دی جائے

۴...... خادمان شرع مثلاً قاضی، مفتی اور محتسب وغیرہ مقرر کئے جائیں

۵...... جزیہ لیا جائے

۶...... احکام شرع کی ترویج ہو

۷...... قیدی رہا کئے جائیں۔

جہانگیر نے ''گفتن از شما است وکردن از ما'' کہتے ہوئے تمام شرائط قبول کر لیں۔ رہائی کے بعد جہانگیر نے سفر و حضر میں ساتھ رہنے کی پیش کش کی جو آپ نے منظور فرمائی تاکہ ناصر الدین حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول بھی پورا ہو جائے کہ بادشاہ اور اراکین سلطنت سے وابستگی اس نیت کے ساتھ اختیار کرنی چاہئے کہ ظلم و عصیاں دور ہو اور شریعت کا دور دورہ ہو۔ آپ کا سفر و حضر میں جہانگیر کے ساتھ رہنے کا مقصد بادشاہ کو پیش کردہ شرائط پر پابند کروانا تھا۔ آپ کی صحبت اور مجالست کا یہ اثر ہوا کہ بادشاہ کو گذشتہ اعمال کا جائزہ لینے اور ان سے تائب ہونے کا موقعہ مل گیا۔ وہ

آپ کا نیاز مند بنا اور خدمت اسلام کیلئے ہر قربانی دینے کیلئے تیار ہو گیا اور وہ بدعات و کفریات جو اکبر کے زمانے میں رائج ہو کر جہانگیری دور میں جڑ پکڑ چکے تھے آپ کے شاندار تجدیدی کارناموں کے سبب دور ہو گئے اور اسلام پر پھر سے بہار آ گئی۔

آخر عمر میں جہانگیر نے کہا تھا کہ میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے نجات کی امید ہو۔ ... البتہ میرے پاس ایک مقدس دستاویز ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کروں گا۔ وہ دستاویز یہ ہے کہ حضرت امام ربانی نے مجھ سے فرمایا تھا کہ

اے جہانگیر! ''ہم جنت میں تیرے بغیر نہ جائیں گے''۔

یہ حضرت امام ربانی ہی کی برکت تھی کہ جہانگیر کی پشت سے شاہ جہاں جیسا دیندار بادشاہ اور شاہ جہاں کے بعد اورنگ زیب جیسا مرد درویش پیدا ہوا۔ اورنگ زیب نے شریعت وطریقت کے علوم میں کمال حاصل کیا تھا۔ اورنگزیب کے استاد حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ (مصنف تفسیرات احمدیہ) تھے اور پیرومرشد عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ مزید باطنی تعلیم حضرت شیخ سیف الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی جو حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ آپ ہی کی توجہ اور صحبت کا اثر تھا کہ اورنگ زیب نے اعلیٰ سیاسی طبقوں کا ذہن بدل کے رکھ دیا۔ یہ امام ربانی کے وہ حیرت انگیز تجدیدی کارنامے ہیں جو لاکھوں افراد کی منظم تحریکیں بھی سرانجام نہ دے سکتیں۔

اولاً: آپ نے حکومت کو صحیح اسلامی نظام کی طرف متوجہ کیا اور اکبر کے فتنہء متحدہ قومیت نے تعینات اسلامی کے مٹانے میں جو بے انتہا مضر اثرات پیدا کئے تھے ان کا سدباب کیا۔ ہندو مسلم اتحاد کے نعرہ کی سخت مخالفت کی اور فرمایا چونکہ ہماری ملت اور تہذیب جداگانہ ہے اس لئے

ہم پیروئ قیس نہ فرہاد کریں گے
ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

آج بھی ترویج اسلام کی جو تحریکات پائی جاتی ہیں ان میں آپ کے باطنی فیوضات وتصرفات کارفرما ہیں۔ مسلم قومیت کا نظریہ جو آپ نے پیش کیا تھا وہ بالآخر قیام پاکستان پر منتج ہوا۔ گویا یہ ملک پاکستان آپ کی نگاہِ فیض وتجدید کا ثمرہ ہے۔

شہِ ملک ولایت شیخ احمد
بمثلش مادر ایام کم زاد

ثانیاً: آپ کی تعلیمات اور روحانی تصرفات نے صوفیاء اور فقراء کو طریقت کی بعض عجمی مصطلحات سے بچایا اور صرف اتباع سنت اور قرآن وحدیث کے مطالعہ کا ذوق پیدا کیا اور ہر حال میں کشف والہام کو وحی کے تابع قرار دیا اور شریعت وطریقت، وجود وشہود کے حقیقی خدوخال کو بے نقاب کیا۔

آپ کی کرامات سات سو سے زائد منقول ہیں ان کی تفصیل یا اجمال چنداں ضروری نہیں اس لئے کہ حضرت کا وجود ہی سراپا کشف وکرامات تھا۔

آپ نے ۶۳ برس کی عمر پا کر ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ بروز سہ شنبہ بوقت اشراق داعی اجل کو لبیک کہا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

آپ کا مزار اقدس سرہند شریف میں مرجع خاص وعام ہے۔ ہر سال ۲۶، ۲۷، ۲۸ صفر کو عرس منعقد ہوتا ہے اور خلق خدا فیوض وبرکات حاصل کرتی ہے۔

اے خاک پاک روضہء عبیری و عنبری
کاہل جہاں ز بوئے تو مدہوش گشتہ اند

(شاہ عبدالغنی مجددی محدث دہلوی)

مجددِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ
تعریف و تحقیق کے آئینہ میں
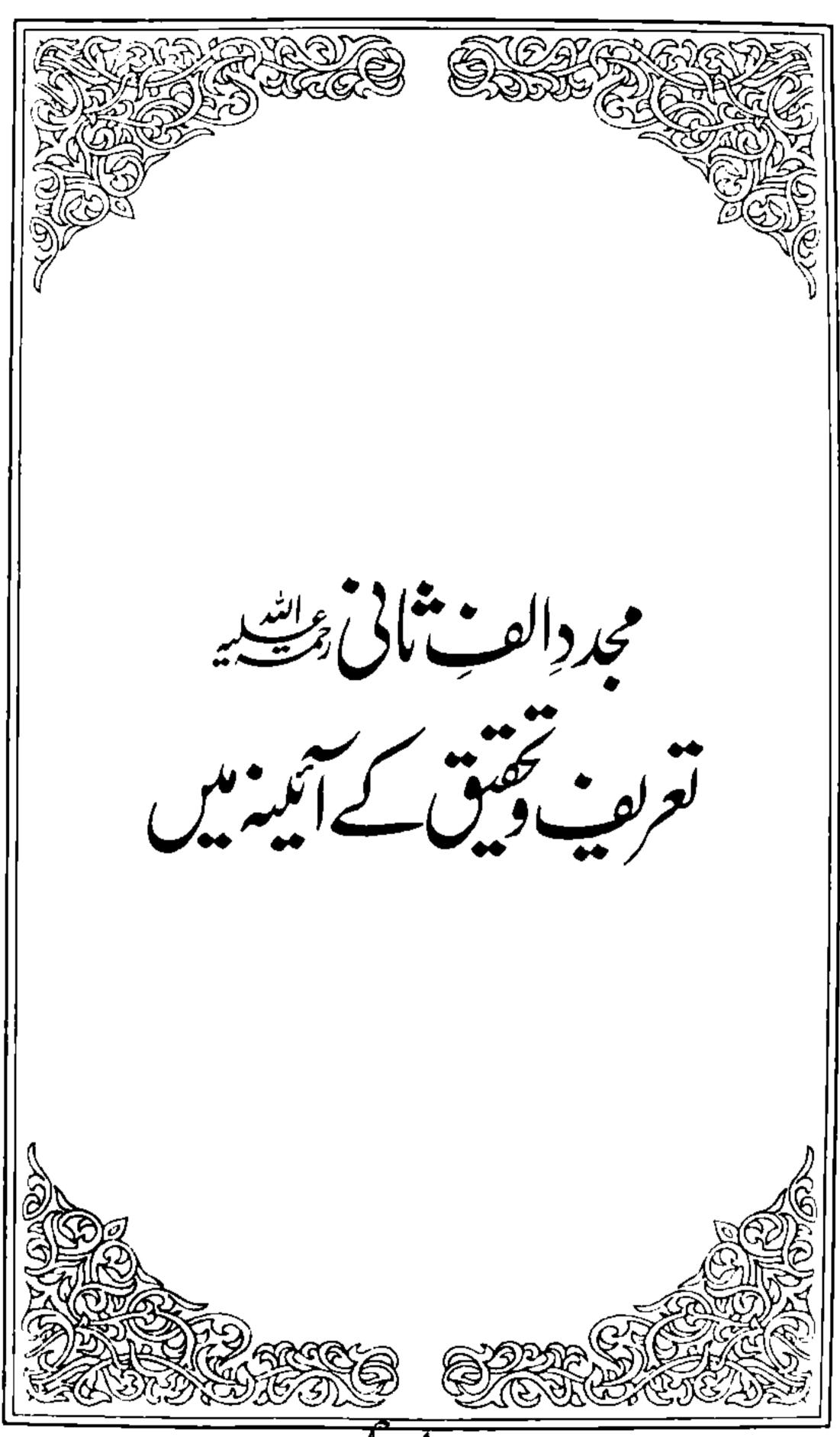
حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ گیارہویں صدی ہجری کے ہی مجدد نہیں بلکہ ہزار سال کے مجدد ہیں جیسا کہ الف ثانی کے معنی و مفہوم سے صاف ظاہر ہے (یعنی دوسرے ہزار سال کے مجدد)۔ آپ کے مجدد الف ثانی ہونے پر تمام اسلامی مکاتیب فکر کا اتفاق ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کے مجدد الف ثانی ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

آپ کے مجدد الف ثانی ہونے کا منکر صرف وہی ہوسکتا ہے جو مبغض، منافق اور فاجر و شقی ہو جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا

لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا مُؤْمِنٌ تَقِیٌّ وَلَا یُبْغِضُہٗ اِلَّا فَاجِرٌ شَقِیٌّ

(ماخوذ از رسالہ ترجمہ احوال الامام الربانی برحاشیہ مکتوبات عربی)

اگرچہ اس مختصر مضمون میں تمام امور پر بحث اور ان کی تفصیلات ممکن نہیں تاہم چند ضروری امور کی وضاحت نذر قارئین ہے۔

مجدد کی تعریف

لفظ مجدد باب تفعیل سے فاعل کا صیغہ ہے جو حدیث شریف سے ایک شرعی اصطلاح کے طور پر ثابت ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اِنَّ اللہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہٖ

الْاُمَّةِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِأَةِ سَنَةٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَهَا دِیْنَهَا (سنن ابی داود، رقم الحدیث: ۴۲۹۳) یعنی اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کی اصلاح کی خاطر ہر صدی کے سرے پر مجدد مبعوث فرماتا رہے گا جو دین اسلام کی تجدید واحیاء کرتے رہیں گے۔

محدث جلیل علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا حدیث تجدید کی شرح میں ارقام پذیر ہیں:

اَیْ یُبَیِّنُ السُّنَّةَ مِنَ الْبِدْعَةِ وَیُکَثِّرُ الْعِلْمَ وَ یُعِزُّ اَهْلَهٗ وَیَقْمَعُ الْبِدْعَةَ وَیُکَسِّرُ اَهْلَهَا (مرقاۃ المفاتیح جلد اول: ۳۰۲)

''مجدد وہ ہے جو سنت و بدعت میں امتیاز کر کے دکھائے، علوم کے دریا بہائے، علم وعلماء کی عزت میں اضافہ کرائے اور بدعات کا قلع قمع کرتے ہوئے اہل بدعت کو ذلیل ورسوا کرے''۔

اس تعریف کی بناء پر مجدد الف ثانی کی تجدید کا اندازہ کرنا ہے تو پھر عہد اکبری وجہانگیری کے اوائل زمانہ کے حالات کو سامنے رکھیں تو بانگ دھل آپ پکار اٹھیں گے کہ امام ربانی مجدد ہی نہیں بلکہ مجدد الف ثانی ہیں۔ مزید اطمینان قلبی وضیاء ایمانی کے لئے شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف پڑھتے جائیں جو انہوں نے مرج البحرین میں کی ہے۔

'' ایسا مرد کامل جو اعجاز حقیقت سے واقف ہو، نصرت و کامیابی اس کے قدم چومے، عوام الناس کو اپنی قوت کار اور تصرف سے اس طرح راہ راست پر لائے کہ کسی کو سرتابی کی جرات نہ ہو۔ خاص کر ان لوگوں کی سرزنش ضروری سمجھے جنہوں نے حقیقت دین محمدی ﷺ کو لہو ولعب سمجھ کر مذاق بنا رکھا ہے اور حق، باطل میں تمیز نہیں کرتے''۔

آپ جوں جوں شیخ محقق کی تعریف مجدد پڑھتے جائیں گے تو ساتھ ہی ساتھ مجدد الف ثانی کا تصور آتا جائے گا۔ شیخ محقق کی تعریف کا ایک ایک حرف حضرت مجدد

ﷺ کے کارناموں کی اجمالی تصویر ہے۔ صرف مجدد پاک کا نام لینا باقی رہ گیا ہے ورنہ ہر لفظ کے مصداق حضرت مجدد پاک ہی نظر آتے ہیں۔

مجدد مأۃ کی حدود

حدیث تجدید کے مطابق ہر زمانہ اور ہر صدی میں مجدد ہوئے ہیں اور آئندہ بھی ہوں گے، مگر جو حضرات تجدیدی کارنامے سرانجام دے چکے ہیں جب ان کے حدود کار کو دیکھا جائے تو ہر مجدد نے کسی خاص شعبہ اور خاص علاقہ میں تجدیدی واصلاحی کارنامے سرانجام دیئے بلکہ ایک نظریہ کے تحت بیک وقت ایک ہی صدی میں ایک سے زائد مجدد بھی ہوئے ہیں۔ مگر انہوں نے خاص خاص شعبہ اور خاص خاص علاقہ میں تجدیدی خدمت سرانجام دی اور ان کے ماننے والوں میں بھی امتیاز رہا۔ کچھ حضرات نے ایک کو مجدد مانا تو دوسروں نے کسی دوسری شخصیت کو مجدد تسلیم کیا سوائے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے کسی پر اتنا اتفاق نظر نہیں آتا۔

آپ کی تجدید کا دائرہ وسعت

ہر مجدد کی تجدید کے حدود واطراف وشعبہ ہائے تبلیغ اور تجدید واصلاح کو پڑھا دیکھا مگر وہ ہمہ گیری وعبقریت نظر نہیں آتی جو حضرت مجدد پاک کی تجدید وتبلیغ واصلاح میں ہے اور وہ ہر شعبہ اور ہر علاقہ کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔ مسجد ہو یا خانقاہ، مذہب ہو یا سیاست، معیشت ہو یا معاشرت، شریعت ہو یا طریقت، سیرت ہو یا صورت، رہبانیت ہو یا حکومت، اخلاق ہوں یا اعمال غرضیکہ جس شعبہ پر آپ نظر ڈالیں گے تو وہاں حضرت مجدد پاک کی ہی تجدید واصلاح آپ کو نظر آئے گی اور اگر اس تجدیدی واصلاحی کوشش کے دائرہ وسعت کو دیکھنا ہے تو پھر ہندوستان، پاکستان، چین،

روس، ترکی، انڈونیشیا، ملائشیا حتی کہ عراق وحجاز مقدس میں ان کی وسعت کا اندازہ لگا لیں۔ ڈاکٹر مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

آدمی مجبور ہو جاتا ہے کہ آپ کو ہزار سال کا مجدد مانے۔ اسی ہمہ گیری کے پیش نظر بعض حضرات نے یہاں تک لکھ دیا کہ حضرت مجدد قدس سرہٗ کے مجدد ہونے پر اجماع امت ہے۔ (سیرت مجدد الف ثانی ڈاکٹر محمد مسعود احمد: ۱۱)

ہزار سال کا مجدد

رہا ہزار سال کا مجدد یعنی مجدد الف ثانی ہونا تو اس کے متعلق تو خود مجدد پاک کا اپنا فیصلہ موجود ہے جو مکتوبات شریفہ میں مرقوم ہے۔ آپ نے فرمایا:

مجدد مائۃ دیگر است و مجدد الف دیگر چنانچہ درمیان مائۃ و الف فرق است درمیان مجددین اینہا نیز ہماں قدر فرق است بلکہ زیادہ (دفتر دوم مکتوب: ۴)

کہ سو سال کے مجدد اور ہزار سال کے مجدد میں وہی فرق ہے جو سو سال اور ہزار سال میں ہے بلکہ زیادہ ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو ہزار سال کا مجدد کہا ہے اور ضرورت بھی ہزار سال کے مجدد کی تھی۔ کیونکہ اکبر نے یہ کہا تھا کہ مدت دین پیغمبر ہزار سال بود، یعنی دین اسلام کی مدت ہزار سال تھی جو پوری ہو چکی ہے۔ اب آئندہ ہزار سال کے لئے وہ دین اکبری پیش کر رہا تھا۔ ظاہر ہے اس کے پروگرام کو ختم کرکے تجدید دین کے لئے مجدد بھی وہ چاہئے تھا جو ہزار سال کا ہو۔

بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تفسیر مظہری اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں:

چوں ہزار سال گشت و نوبت اولوالعزم رسید حق تعالی موافق عادت قدیم برائے ہزارۂ دوم مجددے پیدا کرد کہ در سائر اولیاء مجدداں مثل اولوالعزم باشد در انبیاء و رسولاں (ارشاد الطالبین) یعنی جب پہلا ہزارہ گذر گیا اور ایک اُولوالعزم مرد کامل کی باری آئی تو حق تعالیٰ نے اپنی عادتِ قدیمہ کے مطابق ہزارۂ دوم کے لئے ایک مجدد پیدا فرمایا جو تمام مجدد اولیاء میں وہی مقام رکھتا ہے جو انبیاء و رسل میں اولوالعزم رسول کا ہوتا ہے۔ بقول حضرت خواجہ عبدالاحد وحدت رحمۃ اللہ علیہ

نگیں گشتہ در حلقۂ اولیاء — چو در انبیاء خاتم الانبیاء

تیرھویں صدی کے مجدد حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارقام پذیر ہیں:

ایشاں مجدد الف ثانی اند و حقائق و دقائق و کثرت معارفِ الہیہ و فیوض و برکاتِ ایشاں و افاضاتِ کثیرہ کہ اصلاح دلہا نمودہ و مقامات عالیہ کہ در طریقہ خود بالہامات حقہ مقرر فرمودہ اند و آں مقامات قرب الہی است سبحانہ (مکاتیب شریفہ مکتوب اول)

یعنی آپ رحمۃ اللہ علیہ مجدد الف ثانی ہیں اور آپ کے حقائق و دقائق، معارف الٰہیہ کی کثرت، ان کے فیوض و برکات اور افاضات کثیرہ کہ جنہوں نے دلوں کی اصلاح فرمائی اور مقامات عالیہ جو آپ نے اپنے طریقہ میں الہامات حقہ کے ذریعے مقرر فرمائے وہ قرب الٰہی سبحانہٗ کے مقامات ہیں۔

آپ کے ہم عصر مجدد مأۃ

سو سال کے مجدد تو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں بھی تھے مگر وہ خاص علاقوں اور شعبوں میں اصلاح کر رہے تھے۔ جیسا کہ اب بعض علماء نے شیخ محقق

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور میر عبدالواحد بلگرامی وغیرہما کا نام لینا شروع کیاہے۔لیکن اکبر کے پروگرام کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک جامع اور ہمہ گیر تحریک و تجدید کی ضرورت تھی جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کی۔جس کی بناء پر علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ جیسے نابغہ روزگار اور علوم عقلیہ ونقلیہ کے بحر بے کراں نے برملا آپ کو مجدد الف ثانی (ہزار سال کا مجدد) کہا اور کسی نے بھی انکار نہ کیا اور آج تک آپ کو امت کی واضح اکثریت مجدد الف ثانی مانتی آرہی ہے۔

اضافت لامی

بعض حضرات مجدد الف ثانی میں اضافت بمعنی فی لے کر مجدد فی الالف الثانی کہتے ہیں جس کا مآل سو سال کا مجدد ہے اور کہتے ہیں کہ اس میں عدد کی طرف اضافت بمعنی فی ہے۔ یہ ان کی جہالت کا ثبوت ہے۔ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا،شرح جامی میں صاف صاف تحریر ہے کہ اصل اضافت لامی ہے اور جہاں اضافت بمعنی فی ہو اس کا مآل بھی اضافت لامی ہوتا ہے۔ نیز اس سے تو یہ بھی لازم آئے گا کہ مجدد مائتہ میں اضافت فی ہو اور سو سال کا مجدد ثابت ہی نہ ہو سکے۔ بلکہ چند سالوں کا مجدد ثابت ہوگا جو غلط ہے۔اضافت لامی ہونے پر تصریحات موجود ہیں جیسا کہ تفسیر مظہری جلد ششم: ۲۷۵ میں قال المجدد للالف الثانی کے الفاظ کی صراحت مذکور ہے۔ان کے علاوہ دوسری کتب میں بھی المجدد للالف الثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاح موجود ہے۔

(والحمد للہ علی ذالک)

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

اور

منصبِ قیومیّت
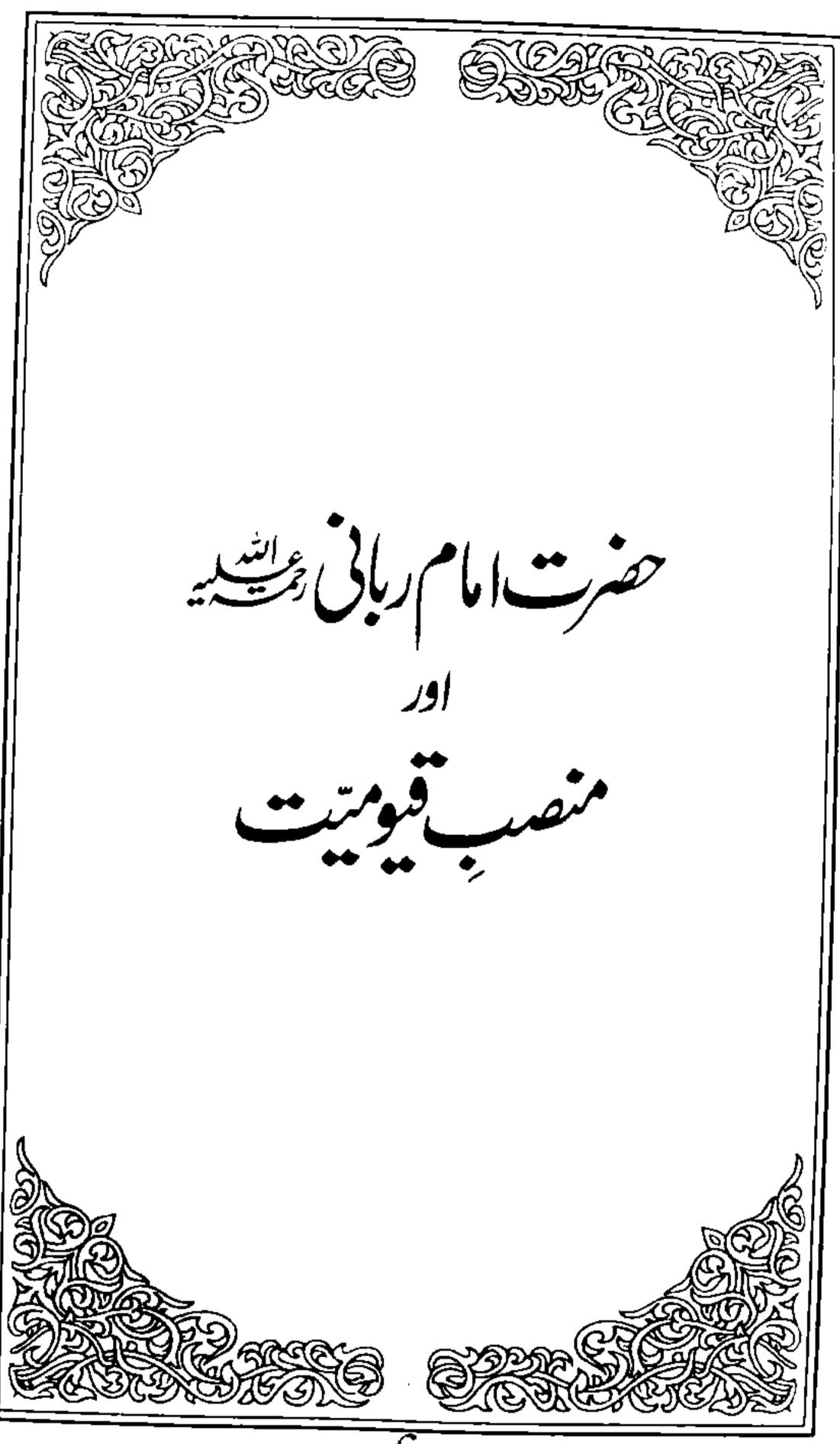
اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کو اپنی صفات کا مظہر اتم بنا کر خلافت عظمیٰ اور نیابتِ مطلقہ کا منصبِ جلیل عطا فرمایا آپ ﷺ کی بزم گیتی میں جلوہ گری سے پہلے انبیائے کرام اور اُولوالعزم رسل عظام (علیہم الصلوات) آپ کی نیابت وخلافت کا مقدس فریضہ سرانجام دیتے رہے اور جمیع ممکنات ان حضرات سے فیضیاب ہوتی رہی پھر جب آپ ﷺ بذات خود کائنات ہست وبود میں جلوہ افروز ہوئے تو وَ اللّٰہُ یُعْطِیْ وَ اَنَا قَاسِمٌ کے مصداق بہ نفس نفیس کائنات میں حسنات و برکات تقسیم فرماتے رہے۔

آپ کے وصال مبارک کے بعد تقسیم فیض کا منصب آپ کے نائبین کو تفویض ہوتا رہا آپ ﷺ کے ہزار برس بعد عادت الٰہیہ کے مطابق ایسا اولوالعزم فرد کامل چاہیے تھا جو حضور اکرم ﷺ کے ظاہری وباطنی کمالات کا مظہر اکمل ہو اور کائنات اس کی وساطت سے برکات وخیرات سے سیراب ہو، تاکہ آیہ کریمہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ اور ارشاد نبوی ﷺ مَثَلُ اُمَّتِیْ کَمَثَلِ الْمَطَرِ لَا یُدْرٰی اَوَّلُهٗ اَمْ اٰخِرُہٗ (سنن ترمذی، رقم الحدیث: ٢٧٩٥) کا مفہوم آشکارا ہو جائے، سو اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کو مبعوث فرما کر قیومیت کا مرتبۂ عظمیٰ عطا فرما دیا۔ اس لیے تا قیامت فیضانِ قیومیت کے قسیم آپ ہی ہے...... وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ

ع خاص کند بندۂ مصلحتِ عام را

قیوم کا معنی

لفظ قیوم مبالغہ کا صیغہ ہے جو قیام مصدر سے مشتق ہے، یہ فَیْعُوْلٌ کے وزن پر قَیْوُوْمٌ تھا جو صرفی تعلیل سے قیوم بن گیا۔

بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ مجددی رحمۃ اللہ علیہ قیوم کے متعلق ارقام پذیر ہیں:

قال المجاهد القيوم القائم على كل شيئ قال الكلبى القائم على كل نفسٍ بما كسبت و قيل هو القائم بالامور قال ابو عبيدة الذى لايزول و قال البيضاوى الدائم القيام بتدبير الخلق و حفظه فيقول مَنْ قام بالامر اذا حفظهٗ و قال السيوطى الدائم البقاء قلت مرجع الاقوال انّهٗ دائم الوجود القائمُ بنفسهٖ و قيّم الاشياء كلِها لايتصوّر قيام شيئٍ و بقاءهٖ اِلّا بهٖ فمقتضىٰ هذاالاسم انّ ماسِواهُ يحتاج اليه فى بقاءهٖ كمايحتاجُ اليهِ فى وجودهٖ كالظلِ بالنسبةِ اِلَى الاصل (تفسیر مظہری) یعنی حضرت مجاہد نے کہا قیوم وہ ہے جو ہر شئی پر قائم ہو...... کلبی نے کہا قیوم وہ ہے جو ہر جاندار شئی کے اکتساب پر قائم ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قیوم وہ ہے جو تمام امور پر قائم ہو...... ابوعبیدہ نے کہا قیوم وہ ہے جو لازوال ہو...... بیضاوی نے کہا قیوم وہ ہے جو ہمیشہ رہے اور خلقت کی تدبیر و حفاظت پر قائم ہو یہ بھی کہتے ہیں کہ امر پر قائم ہونے سے مراد اس کی حفاظت کرنا ہے...... امام سیوطی نے کہا قیوم وہ ہے جسے دائمی بقا ہو...... میں کہتا ہوں تمام اقوال کا ماحصل یہ ہے کہ قیوم وہ ہے جس کا وجود (ہونا) دائمی ہو وہ بذات خود قائم ہو اور تمام اشیاء کو قائم رکھنے والا ہو

بایں طور کہ کسی بھی شئ کا قیام اور اس کی بقاء اس کے بغیر متصور نہ ہو تو اس اسم (قیوم) کا مقتضی یہ ہے کہ ہر ماسوا اپنی بقاء میں بھی اسی کا محتاج ہوتا ہے جس طرح اپنے وجود میں اس کا محتاج ہوتا ہے جیسے ظل (سایہ) کی نسبت اصل کے ساتھ ہے۔

علامہ ابن اثیر تحریر فرماتے ہیں:

قیومٌ و ھی من ابنیة المبالغة و ھی من صفات اللہ تعالیٰ ومعناہ القائم بامور الخلق و مدبّر العالم فی جمیع احوالہٖ و منہ الحدیث حتی یکون لخمسین امرأة قیم واحدٌ قیم المرأ ة زوجھا لانّہ یقوّم بامرھا و ما تحتاج الیہِ یعنی قیوم مبالغہ کے اوزان میں سے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے جس کا معنی مخلوق کے امور کو قائم رکھنے والا اور عالم کے تمام احوال کی تدبیر فرمانے والا یہ مفہوم حدیث سے ماخوذ ہے کہ

قرب قیامت پچاس عورتوں کے امور کی تدبیر کرنے والا ایک مرد ہوگا اس معنی میں عورت کے خاوند کو قیوم المرأة کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اس عورت کے معاملات کی تقویم وتدبیر کرتا ہے جن کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ (نہایہ جلد چہارم: ۱۳۵)

قیوم سے مراد وزارت وخلافت ہے

قیوم مخلوق پر تمام انعاماتِ الٰہیہ کا سبب ہوتا ہے اُولوالعزم رسول کا نائب ہوتا ہے اس کا مخالف اس کے فیض سے محروم ہوتا ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے فرمایا:

معاملہ انسان کامل تا بجائے می رسد کہ او را قیوم جمیع اشیاء بحکم خلافت می سازند و ہمہ را افاضہ وجود و بقاء و سائر کمالاتِ ظاہری و باطنی بتوسط او می رسانند (دفتر دوم مکتوب: ۴)

ترجمہ: قیوم انسان کامل ہوتا ہے جس کو تمام اشیاء کائنات کا قیوم یعنی خلیفۃ اللہ بنایا جاتا ہے۔تمام مخلوق کو وجود اور بقاء اور تمام کمالاتِ ظاہری و باطنی اسی کے وسیلے سے پہنچتے ہیں۔

نیز آپ نے فرمایا:

''این عارفے کہ بہ منصب قیومیتِ اشیاء مشرف گشتہ است حکم وزیر دارد کہ مہماتِ مخلوق را با و مرجوع داشتہ اند ہرچند انعامات از سلطان است اما وصولِ آنہا مربوط بتوسطِ وزیر است'' (دفتر دوم مکتوب: ۴۷)

ترجمہ: وہ عارف جو قیوم کے مرتبے پر فائز ہوتا ہے وزیر کا حکم رکھتا ہے کہ مخلوق کے اہم معاملات کا تعلق اسی کے ساتھ ہوتا ہے اگرچہ انعامات بادشاہ کی طرف سے ہیں لیکن ان کا وصول وزیر کی وساطت سے وابستہ ہے۔

قیوم کے دو مفہوم

لفظ قیوم جب ذاتِ باری تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم کے لئے بولا جائے تو اس کا معنی قَائِمًا بِذَاتِہٖ وَمُقَوِّمًا لِغَیْرِہٖ ہوگا (شرح فقہ اکبر: ۱۹۳) یعنی جو بذاتِ خود قائم ہو اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہو اور یہ لفظ جب کسی مخلوق کے لئے بولا جائے تو اس کا لغوی معنی مراد لیا جائے گا اور اس کی تاویل کی جائے گی یعنی کسی شئے کے قیام اور بقاء کا وسیلہ وذریعہ۔

صوفیائے کرام نے وضاحت فرمائی ہے کہ قیوم، غوث، قطب الاقطاب اور فرد کامل تقریباً ایک جیسا مفہوم رکھتے ہیں۔صرف قیوم کی اصطلاح حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ سے مشہور ہوئی اور آپ نے قیومیت سے خلافت اور وزارت مراد لی ہے چنانچہ

آپ نے اپنے متعلق اور اپنے جانشین عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منصبِ قیومیت کے عطا ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

"بعد از لمحہ دید کہ بفرزندی مرحمت فرمودند و آن خلعت او را بتمام پوشانیدند و این خلعت زائلہ کنایت از معاملہ قیومیت بودہ است کہ بتربیت و تکمیل تعلق داشتہ" (دفتر سوم مکتوب: ۱۰۴)

یعنی آپ نے واقعہ میں دیکھا تھا کہ آپ کے جسم سے ایک خلعت (لباس) جدا ہوگئی اور وہ آپ کے فرزندِ ارجمند خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کو مرحمت فرمائی گئی وہ خلعت زائلہ معاملہ قیومیت ہے جو کہ تربیت و تکمیل سے تعلق رکھتا ہے۔

صاحب روضۃ القیومیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ اقدس سے قیوم اول حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے سر مبارک پر دستار مبارک باندھی اور منصب قیومیت کی مبارک باد دی۔ (روضۃ القیومیہ مترجم: ۱۷۱)

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ قیومیت کے متعلق رقمطراز ہیں:

قیوم درین عالم خلیفۂ حق است جل و علا و نائب مناب او اقطاب و ابدال در دائرہ ظلال وے مندرج اند و افراد و اوتاد در محیط کمال او مندمج، افرادِ عالم ہمہ بوے روئے دارند و قبلہ توجہ جہانیان اوست دانند یا ندانند بلکہ قیامِ عالمیان بذات اوست چہ افراد عالم چونکہ مظاہر اسما و صفاتند ذاتے درمیان شان کائن نیست ہمگی اعراض و اوصاف اند و اعراض و اوصاف را از ذات و جوہر چارہ نیست تا قیام شان بآن بود و عادت اللہ جاری ست کہ بعد از قرون متطاولہ عارفے را نصیبے از ذات ارزانی داشتہ

ویرا ذاتی عطا می فرمایند کہ بحکم نیابت و خلافت قیوم اشیا می گردد و اشیا بوے قائم می باشند (مکتوبات معصومیہ دفتر اول:۸۶)

یعنی قیوم اس عالم میں حق جل وعلا کا خلیفہ اور اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اقطاب وابدال اس کے دائرہ ظلال میں داخل اور افراد واوتاد اس کے محیطِ کمال میں شامل ہوتے ہیں۔ تمام افراد عالم اس کی طرف رخ رکھتے ہیں اور اہل جہان کی توجہ کا قبلہ وہی ہوتا ہے، خواہ وہ جانے یا نہ جانے، بلکہ اہل عالم کا قیام اسی کی ذات سے ہے۔ اس لئے کہ افراد عالم چونکہ اسماء وصفات کے مظاہر ہیں۔ کوئی ذات ان کے درمیان کائن (موجود) نہیں ہے۔ سب کے سب اعراض واوصاف ہیں اور اعراض واوصاف کو ذات جوہر کے بغیر چارہ نہیں ہے تاکہ ان کا قیام اس کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ طویل زمانوں کے بعد کسی عارف کو ذات سے حصہ عطا فرما کر اس کو ایک ایسی ذاتِ موہوب عطا فرماتے ہیں کہ وہ نیابت وخلافت کے طور پر اشیاء کا قیوم ہوجاتا ہے اور اشیاء اس کے ساتھ قائم ہوتی ہیں۔

جب بھارت کے دو مفتیانِ خام نے خبثِ باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی قیومیت پر تکفیری فتویٰ داغ دیا تو اہل علم، آپ کے معتقدین اور عامۃ المسلمین ورطہ حیرت میں مبتلا ہوگئے اور پکار اٹھے

خرد کی نا مسلمانی سے فریاد

تعجب ہے ایسے نام نہاد مفتیوں کی جہالت وحماقت پر جو کرم کتابی بن کر ہمہ وقت ورق گردانی اور دماغ سوزی کرتے رہتے ہیں مگر نور ہدایت اور باطنی بصیرت سے یکسر محروم ہیں اور آیہ کریمہ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً اور ارشاد نبوی ﷺ اَيُّمَا رَجُلٌ قَالَ لِاَخِيْهِ كَافِرٌ

فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُهُمَا (مشکوٰۃ:۴۱۱) کے مصداق ٹھہرے ہیں

مولانا روم مستِ بادۂ قیوم نے شاید اسی قسم کے علماء سو کو وصیت فرمائی تھی

صد کتب ، صد ورق در نار کن

روئے دل را جانبِ دلدار کن

صد افسوس اس شخصیت کے آفتابِ ایمان کو بغض وعناد کی گرد وغبار سے گہنانے کی مذموم کوشش کی گئی جن کی بدولت چہاردانگ عالم اور برصغیر میں اسلامی عقائد وافکار اور روحانی اقدار وآثار محفوظ ہوئے ......دین اسلام کا احیاء ہوا......سنت وشریعت کو فروغ ملا......

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے اصلاحی و تجدیدی کارناموں پر چشم کشا اور بصیرت افروز تبصرہ ملاحظہ ہو:

''آج جو مساجد میں اذانیں دی جارہی ہیں اور مدارس سے قال اللہ تعالیٰ وقال رسول اللہ ﷺ کی دل نواز صدائیں بلند ہو رہی ہیں، خانقاہوں میں جو ذکر وفکر ہو رہا ہے اور قلب وروح کی گہرائیوں سے جو اللہ کی یاد کی جاتی ہے یا لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگائی جاتی ہیں ان سب کی گردنوں پر حضرت مجدد کا بار منت ہے اگر حضرت مجدد اس الحاد وارتداد کے اکبری دور میں اس کے خلاف جہاد نہ فرماتے اور وہ عظیم تجدیدی کارنامہ انجام نہ دیتے تو نہ مساجد میں اذانیں ہوتیں، نہ مدارس دینیہ میں قرآن، حدیث، فقہ اور باقی علومِ دینیہ کا درس ہوتا اور نہ خانقاہوں میں سالکین وذاکرین اللہ، اللہ کے روح افزا ذکر سے زمزمہ سنج ہوتے۔ الا ماشاء اللہ'' (سیرت مجدد الف ثانی:۱۲)

کاش! کتاب وسنت اور علمائے اسلام کی کتابوں کا بنظر غائر مطالعہ کیا جاتا تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔

○......قرآن میں انسان کو سمیع وبصیر کہا گیا ہے......فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا

اللہ تعالیٰ کو بھی سمیع و بصیر کہا گیا ہے..... اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ

○ ... والدین کو رب کہا گیا..... کَمَا رَبَّیَانِیۡ صَغِیۡرًا

اللہ تعالیٰ کو رب کہا گیا..... اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

○ ... تقسیم وراثت کے وقت یتیموں، مسکینوں کو رزق دینے کا حکم دے کر گویا ورثاء کو رازق کہا گیا... فَارۡزُقُوۡھُمۡ مِّنۡہُ (النساء:۸)

اللہ تعالیٰ کو رازق کہا گیا..... وَاللّٰہُ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ

○ .... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خالق کی صفت سے متصف کہا گیا......

اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ

اللہ تعالیٰ کو خالق کہا گیا..... فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ

مذکورہ بالا آیات طیبہ کے علاوہ متعدد آیات کریمہ اور احادیث نبویہ ﷺ اس مفہوم پر دال ہیں جن سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ سمیع و بصیر اور بھی ہیں ... خالق اور بھی ہیں ..... حاکم اور بھی ہیں ..... رب اور بھی ہیں ..... قیوم اور بھی ہیں... مگر فرق یہ ہے کہ

باقی سمیع مجازی ہیں .... اللہ سمیع حقیقی ہے

باقی بصیر مجازی ہیں .... اللہ بصیر حقیقی ہے

باقی رب مجازی ہیں .... اللہ رب حقیقی ہے

باقی خالق مجازی ہیں .... اللہ خالق حقیقی ہے

باقی حاکم مجازی ہیں .... اللہ حاکم حقیقی ہے

باقی حی مجازی ہیں .... اللہ حی حقیقی ہے

باقی قیوم مجازی ہیں .... اللہ قیوم حقیقی ہے

جس طرح بندگان خدا کے لئے سمیع و بصیر، خالق و حاکم وغیرہا صفات مجازاً ماننے

سے بندہ، مؤمن وموحد ہی رہتا ہے مشرک نہیں ہوتا ایسے ہی اگر کسی انسانِ کامل کیلئے صفت قیوم بعطائے الٰہی مجاز اُمان لی جائے تو وہ مؤمن موحد ہی رہے گا مشرک نہیں ہوگا۔

عاشق رسول حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ نے حقیقت ومجاز کے درمیان امتیاز بیان کرتے ہوئے ایک قاعدہ کلیہ تحریر فرمایا ہے:

نسبت واسناد دو قسم ہے حقیقی کہ مسند الیہ حقیقت سے متصف ہو اور مجازی کہ کسی علاقہ سے غیر متصف کی طرف نسبت کر دیں جیسے نہر کو جاری یا جالسِ سفینہ کو متحرک کہتے ہیں حالانکہ حقیقتاً آب وکشتی جاری ومتحرک ہیں پھر حقیقی بھی دو قسم ہے ذاتی کہ خود اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو اور عطائی کہ دوسرے نے اسے حقیقتاً متصف کر دیا ہو خواہ وہ دوسرا خود بھی اس وصف سے متصف ہو...... قرآن عظیم میں جابجا اولوا العلم وعلموا بنی اسرائیل اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت لفظ علیم وارد، یہ حقیقتِ عطائیہ ہے یعنی بعطائے الٰہی وہ حقیقتاً متصف بعلم ہیں اور مولیٰ عزوجل نے اپنے نفس کریم کو علیم فرمایا، یہ حقیقتِ ذاتیہ ہے کہ وہ بے کسی کی عطا کے اپنی ذات سے عالم ہے۔ سخت احمق وہ کہ ان اطلاقات میں فرق نہ کرے۔ (الامن والعلیٰ: ۱۵)

محدثِ جلیل حضرت ملا علی قاری احراری علیہ الرحمۃ خصوص اسمی اور معنی لغوی کے درمیان فرق کرتے ہوئے ارقام پذیر ہیں:

ومن قال لمخلوق یاقدوس اوالقیوم او الرحمن اوقال اسماً من اسماء الخالق کفر انتھی وھو یفید انه من قال لمخلوق یاعزیز و نحوہ یکفر ایضاً الّا ان اراد بھما المعنی اللغوی لا الخصوص الاسمی والاحوط ان یقول یا عبدالعزیز و یا عبدالرحمن (شرح فقہ اکبر: ۱۹۳) یعنی جس بندۂ مؤمن نے کسی مخلوق سے مخاطب ہو کر کہا یا قدوس، یا قیوم، یا رحمن یا اسمائے خالق میں سے کسی اسم کے ساتھ مخاطب کیا کافر ہوگیا (انتہیٰ) اور اس سے یہ مفہوم بھی

اخذ ہوتا ہے کہ جس بندۂ مؤمن نے کسی مخلوق کو یا عزیز وغیرہ کہا وہ بھی کافر ہو جائے گا لیکن اگر صفاتی اسم سے اس کی مراد ''لغوی معنی'' ہو تو کافر نہیں ہوگا ہاں اگر اسمی خصوصیت (مختص بالخالق جل سلطانہ) مراد ہو تو کافر ہو جائے گا البتہ احوط یہی ہے کہ یا عبدالعزیز..... یا عبدالرحمن کہے۔

مجمع الانہر کی عبارت کا بھی یہی مفہوم ہے کہ بندۂ مؤمن تب ہی کافر ہوگا جب مختص بالخالق جل جلالہ اسماء میں سے کسی اسم کے ساتھ مخلوق کو مخاطب کیا جائے ورنہ کافر نہیں ہوگا او اطلق علی المخلوق من الاسماء المختصۃ بالخالق (جل جلالہ) نحو القدوس والقیوم والرحمن وغیرھا یکفر (مجمع الانہر جز دوم: ۵۰۴)

تصریحات بالا سے حقیقی ومجازی، ذاتی وعطائی اور اختصاص اسمی اور معنائے لغوی کا فرق واضح ہے جو بہر حال پیش نظر رہنا چاہیے۔

علاوہ ازیں آیہ کریمہ ھوالحی القیوم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو قیوم فرمایا ہے جبکہ اَمْوَالُکُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ قِیَامًا (النساء ۴:۵) میں اللہ تعالیٰ نے اموال کو انسانوں کا ذریعہ قیام بنایا ہے اور ارشاد نبوی ﷺ اَلْاَبْدَالُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ بِهِمْ تَقُوْمُ الْاَرْضُ وَبِهِمْ تُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ تُنْصَرُوْنَ (جمع الجوامع، رقم الحدیث: ۱۹۔ کنز العمال، رقم الحدیث: ۳۴۵۹۳ قال المصنف وسندہ صحیح) میں ابدالوں کو زمین کا ذریعہ قیام بتایا ہے۔

اگر اموال وابدال بعطائے الٰہی اور باذن اللہ ذریعہ قیام (یعنی قیوم) بن سکتے ہیں اور اس سے کسی قسم کا کوئی کفر لازم نہیں آتا تو حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ بھی باذن اللہ قیوم ہو سکتے ہیں جس سے کوئی کفر لازم نہیں آتا۔ البتہ قیوم حقیقی، واجب الوجود، قدیم وخالق اور قیوم مجازی، ممکن الوجود، حادث اور مخلوق کا باہمی امتیاز ہر باشعور

مسلمان ضرور ملحوظ رکھتا ہے۔ چونکہ حضرت امام ربانی ﷫ کے نزدیک قیومیت سے مراد خلافت و وزارت ہے بنابریں غلط فہمیوں کا غبار خود بخود چھٹ جاتا ہے اور شرک کا امکان و احتمال ختم ہو جاتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی ﷫ قیومیت کے متعلق ارقام پذیر ہیں:

ملک العلماء، بحر العلوم علامہ عبدالعلی لکھنوی ﷫ **وَحْدَةُ الْوُجُوْد** میں انسانِ کامل کے متعلق لکھتے ہیں: ''انسانِ کامل اللہ کے تمام اسماء و صفات کا مظہر ہے۔ اللہ نے اس کو اپنا خلیفہ بنایا ہے تا کہ وہ اپنے باطن کی مدد سے کائناتِ عالم کو باقی رکھے اور کائنات میں سے ہر ایک کو اس کے لائق کمال اور نقصان عطا کرے۔ اس بیان سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ کائنات کو بقا دینے والا انسانِ کامل ہے۔ ایسا خیال کرنا کفر ہے۔ دینے والا اور باقی رکھنے والا اللہ ہی ہے، انسانِ کامل صرف وسیلہ بنا ہے۔

تمام خلائق میں انسانِ اکمل اور اللہ کے خلیفۂ اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ دنیا میں آپ کی آمد سے پہلے انبیاء اور رسل آپ کے نائب اور اللہ کے خلیفہ تھے۔ آپ کی وفات کے بعد قطب الاقطاب آپ کا نائب اور اللہ کا خلیفہ اور اللہ کی مُہر ہے''۔

انسانِ کامل اور قطب الاقطاب کے متعلق جو کچھ شیخ اکبر نے کہا ہے حضرت مجدد نے بھی وہی کہا ہے اس سلسلہ میں آپ کے دفتر دوم کا مکتوب گیارہ اور دفتر سوم کا مکتوب اسی (۸۰) ملاحظہ کیا جائے۔ فرق صرف نام کا ہے۔ شیخ اکبر جس فردِ اکمل کو قطب الاقطاب کہتے ہیں حضرت مجدد اسی کو قیوم کہتے ہیں۔ اس بات پر دونوں حضرات کا اتفاق ہے کہ وہ فردِ اکمل اللہ کے تمام اسماء وصفات کا مظہر ہے۔ چونکہ قیوم بھی اللہ کی ایک صفت ہے اور وہ فردِ اکمل اس صفت کا بھی مظہر ہے لہٰذا وہی صفت اس کے منصب کا نام ہونا چاہئے۔ **اَلْقَيُّوْمُ مُدَبِّرُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَكُلُّ شَيْءٍ قَائِمٌ بِاَمْرِهٖ** قیوم آسمانوں اور زمین کا مدبر ہے اور ہر شے کا قیام اس کے امر سے۔

حضرت مجدد کے تجویز کردہ نام پر بعض لوگ لاحول واستغفار پڑھتے ہیں ان کے نزدیک یہ تسمیہ سوءادب کو متضمن ہے۔کوئی ان سے پوچھے کہ سننے والے کو سمیع...... دیکھنے والے کو بصیر...... علم والے کو علیم...... حکمت والے کو حکیم کہتے ہو تو بے ادبی کا احساس کیوں نہیں ہوتا اور قیوم میں یہ احساس کیوں ہوا کیا شریعت میں اس نام کی تخصیص آئی ہے۔

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا ست
سخن شناس نہ ئی دلبرا خطا ایں جا است

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شاہ اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب عبقات میں لکھا ہے:

اِتَّفَقَ اَهْلُ الْكَشْفِ وَ الْوِجْدَانِ وَ اَرْبَابُ الشُّهُوْدِ وَ الْعِرْفَانِ مُؤَيَّدِيْنَ بِالْبَرَاهِيْنِ الْعَقْلِيَّةِ وَ الْاِشَارَاتِ النَّقْلِيَّةِ عَلٰى اَنَّ الْقَيُّوْمَ لِلْكَثْرَاتِ الْكَوْنِيَّةِ وَاحِدٌ شَخْصِیٌّ

ترجمہ: اصحابِ کشف و وجدان اور خداوندانِ شہود و عرفان جو کہ عقلی دلائل اور نقلی اشارات سے مؤید ہیں اس بات پر متفق ہیں کہ کائنات کی کثرت کا قیوم (قائم اور باقی رکھنے کا ذریعہ) ایک شخص ہے۔

جو بات شیخ اکبر اور حضرت مجدد نے کہی ہے تمام مشائخ نے کہی ہے۔اگر فرق ہے تو صرف نام میں ہے کسی نے غوث کا نام رکھا...... کسی نے قطب الاقطاب کا...... کسی نے قطب مدار کا...... کوئی مشکل کشا کہتا ہے...... کوئی کرتا دھرتا...... کوئی قیوم۔حضرت سیدنا عبدالقادر غوث کہلائے...... حضرت شاہ نقشبند مشکل کشا...... حضرت مجدد قیوم...... منصب ایک ہے نام مختلف۔

انسانِ کامل میں بھی تفاوتِ درجات ہے جیسا کہ حضرات انبیاء میں ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔ یہ سب رسول، بڑائی دی ہم نے ان میں سے ایک کو ایک سے۔

یہ منصب جلیل قیومیت کے نام سے سب سے پہلے حضرت مجدد کو ملا۔ اب قیامت تک جو بھی قیوم ہوگا آپ کے ظل سے خارج نہ ہوگا جس طرح پر ہر فقیہ عیالِ ابو حنیفہ ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ

(حضرت مجدد اور ان کے ناقدین: ۶۵،۶۶)

حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ کا دکھ بھرا تبصرہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

ہمارے دور کے بعض لوگ جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مزاج سے ''مشرف'' ہیں اور سنی بلکہ رضوی کہلانے کے باوجود حکم تکفیر یا تفسیق میں بہت جلد باز واقع ہوئے ہیں۔ کسی بھی بزرگ کی گستاخی کرنے کے بہانے تلاش کرتے رہتے ہیں اور اگر کہیں سے کیسی ہی کمزور دلیل بھی مل جائے تو ان کے لئے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بن جاتی ہے۔ اعلحضرت مجدد ملت رحمۃ اللہ علیہ نے بزرگوں کا جتنا ادب سکھایا ہے، یہ اتنی ہی بے ادبی کر کے خوش ہوتے بلکہ اپنی للّٰہیت پر وجد میں آکر رقص کرتے ہیں۔ چنانچہ کبھی یہ ''مجدد الف ثانی'' جیسی ترکیب پر سیخ پا ہوتے ہیں اور کبھی لفظ ''قیوم'' پر۔ انہیں لاکھ سمجھاؤ کہ اعلحضرت بھی انہیں مجدد الف ثانی کہتے ہیں اور اکابر اسلام میں شمار کرتے ہیں مگر ایک نہیں سنتے۔ وقتی طور پر خاموش ہو جائیں تو بھی دل اُن کے بغض سے کالا ہی رہتا ہے۔ (حضرت مجدد الف ثانی کی مجددیت و قیومیت: ۱۳۷)

بقیہ طینتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرقع
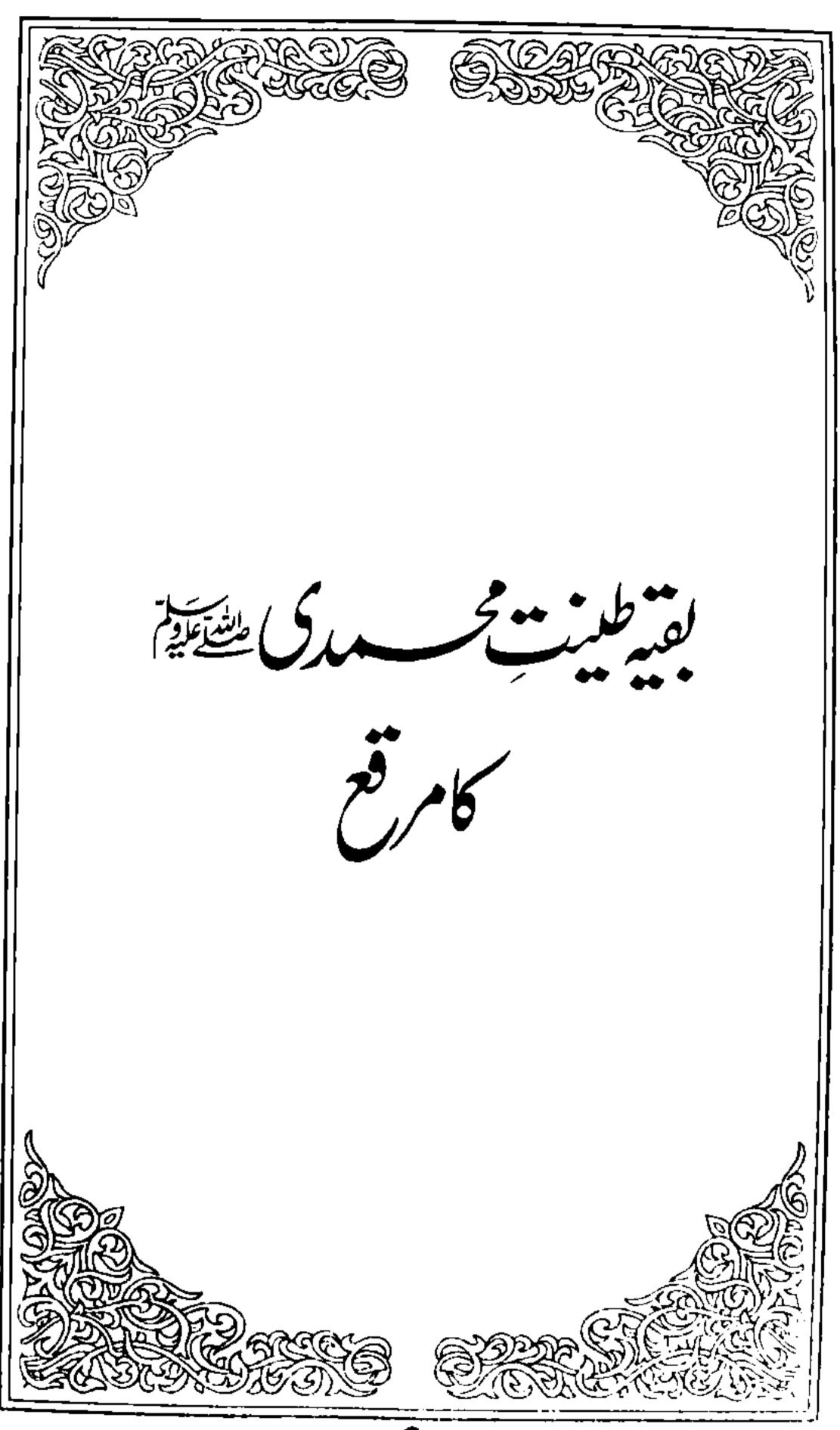
Marfat.com

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کے ان معدودے چند افراد میں سے ہیں کہ جنہیں حضور اکرم ﷺ کے ظاہری و باطنی کمالات و فیوضات سے حظِ وافر نصیب ہوا۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشآء

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت امام ربانی پر ہونے والی عنایات رسالت اور کمالات نبوت ﷺ میں سے ایک عنایت وکمال بقیہ طینت محمدی ﷺ ہے۔ چنانچہ آپ اپنے عجیب و نایاب علوم و معارف کے ظہور کی وجہ اپنے خمیر کو قرار دیتے ہوئے ارقام پذیر ہیں:

بنیادش نسبتِ نقشبندیہ است۔۔۔ اگر ایں بنیاد نمی بود معاملہ تا اینجا نمی افزود تخم از بخارا و سمرقند آوردہ در زمینِ ہند کہ مایہ اش از خاک یثرب و بطحا است کشتند و بآبِ فضل سالہا آں را سیراب داشتند و بتربیتِ احسان مرتبے ساختند چوں آن کشت و کار بکمال رسید این علوم و معارف ثمرات بخشید

(مکتوب: ۲۶۰) اس کی بنیاد نسبتِ نقشبندیہ ہے اگر یہ بنیاد نہ ہوتی تو معاملہ یہاں تک نہ پہنچتا، بخارا و سمرقند سے اس تخم کو لاکر زمین ہند (سرہند شریف) میں بویا گیا کہ" جس کی اصل مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کی خاک سے ہے" اور آبِ فضل سے اسے برسوں سیراب

کیا گیا اور تربیتِ احسان سے اس کی پرورش کی گئی جب وہ کھیتی کمال کو پہنچ گئی تو ان علوم ومعارف کا ثمرہ حاصل ہوا۔ بقول شاعر

نے نے ترا ز تربت یثرب سرشتہ اند

پنہاں ز شام و روم بہ سرہند ہشتہ اند

آپ نے ایک مقام پر اپنے بقیہ طینتِ محمدیہ (ﷺ) ہونے پر وارد ہونے والے شبہ کا جواب بطریق دفع دخل مقدر تحریر فرمایا ہے، ملاحظہ ہو

ازاں دولتِ خاصۂ او علیہ الصلوٰۃ و السلام بعد از تخلیق و تکمیل او علیہ و علیٰ الہ الصلوات و التسلیمات بقیہ ماندہ بود کہ در خوانِ دولتِ ضیافت کریماں زیادتی ہا لازم است کہ اُولش گویانِ نصیب خادماں بود آن بقیہ را بہ یکے از دولت مندانِ امتِ او علیہ و علی الہ الصلوٰۃ والسلام اُولش گویاں عطا فرمودہ اند و آن را خمیر مایہ ساختہ تخمیر طینتِ او نمودہ و بہ تبعیت و وراثتِ او شریک دولتِ خاصۂ او گردانیدہ علیہ و علیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام

ع باکریمان کارہا دشوار نیست۔۔۔ ایں بقیہ در رنگِ آں بقیہ طینتِ حضرتِ آدم ست علی نبینا و علیہ الصلوۃ و السلام کہ نصیبِ خلقت درختِ خرما آمدہ است کمال قال علیہ و علی الہ الصلوٰۃ والسلام اَکْرِمُوْا عَمَّتَکُمُ النَّخْلَةَ فَاِنَّهَا خُلِقَتْ مِنْ طِيْنَةِ اٰدَمَ بلے

وَلِلْاَرْضِ مِنْ كَاْسِ الْكِرَامِ نَصِيْبٌ (دفتر سوم مکتوب: ۱۰۰)

حضور اکرم ﷺ کی تخلیق وتکمیل کے بعد جو آپ ﷺ کی دولتِ خاصہ سے کچھ

باقی رہ گیا تھا جس طرح سخیوں کی دولتِ ضیافت کے دسترخوان پر کچھ نہ کچھ بچ جانا لازمی امر ہے وہ پس خوردہ خادموں کا حصہ ہوتا ہے وہ بقیہ آپ ﷺ کی امت کے دولت مندوں میں سے ایک خوش نصیب کو بطور اُلش عطا فرمایا گیا ہے۔ اس کا خمیر مادہ بنا کر اس خوش نصیب امتی کی طینت میں گوندھا گیا ہے اور اسے تبعیت و وراثت کے طور پر حضور اکرم ﷺ کی دولتِ خاصہ میں شریک کیا گیا ہے سخیوں کے لئے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔

یہ بقیہ حضرت آدم علیہ السلام کے بقیہ طینت کی مانند ہے جو کھجور کے درخت کی خلقت (پیدائش) کا نصیب ہوگیا ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اَکْرِمُوْا عَمَّتَکُمُ النَّخْلَۃَ فَاِنَّہَا خُلِقَتْ مِنْ طِیْنَۃِ اٰدَمَ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ مِنْ بَقِیَّۃِ طِیْنَۃِ اٰدَمَ (جمع الجوامع للسیوطی، رقم الحدیث: ۱۰۱۔ مفاتیح الغیب للرازی جز ۱۳: ۸۹)

(اپنی پھوپھی کھجور کی عزت کرو کیونکہ وہ حضرت آدم کی طینت سے پیدا کی گئی ہے)

ہاں۔۔۔۔ سخیوں کے پیالے سے زمین کو حصہ ملا کرتا ہے۔

عارف باللہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

مسئلہ: ممکن۔۔۔ است کہ بعضے اولیا از بقیہ طینت بعضے انبیاء پیدا شدہ باشند وہم از طینت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا شدہ باشند

سوال: این معنی معقول نمی شود چرا کہ ہر کس از نطفہ والدین خود پیدا می شود۔

مسئلہ: اکثر چیز ہستند کہ بعقل انسان ثابت نمی تواند شد از شرع ثابت می شود یا کشف و الہام چنانچہ نفس ولایت کہ عبارت از قرب بیچون است ۔۔۔ خطیب از ابن مسعود روایت کردہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود

مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا وَ فِيْ سُرَّتِهٖ مِنْ تُرْبَتِهِ الَّتِيْ يُوْلَدُ مِنْهَا فَاِذَا رُدَّ اِلٰى اَرْذَلِ عُمْرِهٖ رُدَّ اِلٰى تُرْبَتِهِ الَّتِيْ خُلِقَ مِنْهَا حَتّٰى يُدْفَنَ فِيْهَا وَ اِنِّيْ وَ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ خُلِقْنَا مِنْ تُرْبَةٍ وَّاحِدَةٍ وَ فِيْهَا نُدْفَنُ

جائز است کہ خاکے کہ حق تعالیٰ برائے پیغمبری مہیا کردہ باشد و از خلقت زمین آن را با انوار برکات و نزول رحمت پرورش کردہ باشد از جملہ آن چیزے بقیہ ماندہ باشد کہ خمیر مایہ شخصے از اولیاء شود۔ این امر عقلاً محال نیست و از شرع مستفاد و از کشف ثابت می شود و این را در اصطلاح اصالت گویند و صاحب اصالت در نظر کشفی چنان بنظر می درآید کہ گویا جسدِ او مرصع است از جواہر و اجسادِ دیگران از آب و گل۔

مسئلہ: اصالت ہر چند موجب فضل است اما افضلیت صاحبِ اصالت برکسانیکہ افضلیت شان باجماع ثابت است لازم نمی آید۔ نمی بینی کہ عبداللہ ابن جعفر بموجب نص حدیث صاحبِ اصالت است حالانکہ عثمان و علی و حسن و حسین رضی اللہ عنہم از وے افضل اند باجماع۔

ممکن ہے کہ بعض اولیاء بعض انبیاء (علیہم السلام) کے باقی خمیر سے پیدا ہوئے ہوں اور رسول اکرم ﷺ کے بقیہ خمیر سے بھی پیدا ہوئے ہوں۔

سوال: یہ بات قرین عقل نہیں لگتی کیونکہ ہر شخص اپنے والدین کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے۔

جواب: اکثر چیزیں ایسی ہیں جو انسانی عقل سے ثابت نہیں ہو سکتیں مگر شرع سے ثابت ہوتی ہیں یا کشف و الہام سے جیسے نفس ولایت، جو بیچون قرب سے عبارت ہے۔

خطیب نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یعنی ''ہر مولود کی ناف میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے۔ جب وہ ارزل عمر (موت) کو پہنچتا ہے تو اسے اس مٹی کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جس سے وہ پیدا ہوا تھا حتی کہ اسی میں دفن کیا جاتا ہے۔ بے شک میں، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہم ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی میں دفن کیے جائیں گے''۔

(جامع الاحادیث، رقم الحدیث: ۲۰۷۷۶)

یہ جائز ہے کہ حق تعالیٰ نے جو خاک کسی پیغمبر کے لئے مہیا کی ہو اور خلقتِ زمین کے وقت سے اسے انوارِ برکات اور نزول رحمت سے پرورش کیا ہو اور اس میں سے کچھ مٹی بچ رہی ہو وہ کسی ولی کے جسم کا خمیر بن جائے۔ یہ بات عقلاً محال نہیں ہے، شریعت مطہرہ سے مستفاد ہے اور کشف سے بھی ثابت ہوتی ہے، اس کو اصطلاح میں ''اِصالت'' کہتے ہیں اور صاحبِ اصالت کشف کی نظر میں یوں دکھائی دیتا ہے کہ گویا اس کا جسم جواہرات سے آراستہ ہے اور دوسروں کا جسم پانی اور مٹی سے بنا ہے۔

ہر چند اصالت موجب فضل ہے لیکن صاحبِ اِصالت کی افضلیت ان لوگوں پر جن کی افضلیت اجماع سے ثابت ہے لازم نہیں آتی۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نص حدیث کے بموجب صاحبِ اصالت ہیں حالانکہ عثمان، علی، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم بالاجماع ان سے افضل ہیں۔ (ارشاد الطالبین)

یہ امر ذہن نشین رہے کہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے معاندین اعتراض کرتے ہیں کہ اگر آپ رحمۃ اللہ علیہ بقیہ طینت محمدیہ (ﷺ) سے ہیں تو ''پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا'' کے مطابق آپ کو گنبد خضریٰ کے نیچے مدفون ہونا چاہئے تھا حالانکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مدفن مبارک سرہند شریف (انڈیا) میں ہے۔

جواباً عرض ہے کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا عبداللہ بن

جعفر رضی اللہ عنہما حضور اکرم ﷺ کی بقیہ طینت مطہرہ سے ہیں جیسا کہ ارشادات نبویہ ﷺ اِنَّ عَلِيًّا مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُ خُلِقَ مِنْ طِيْنَتِيْ (المعجم الاوسط جز سادس: ۱۶۲) اور اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ يَا عَبْدَ اللهِ هَنِيْئًا لَكَ مَرِيْئًا خُلِقْتَ مِنْ طِيْنَتِيْ وَ اَبُوْكَ يَطِيْرُ مَعَ الْمَلَائِكَةِ فِي السَّمَاءِ (کنز العمال، رقم الحدیث: ۳۱۶۷۷۔ جامع الاحادیث، رقم الحدیث: ۲۶۰۸۵) سے عیاں ہے مگر ان کی قبور مقدسہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نہیں بلکہ دوسرے مقامات شریفہ پر ہیں۔ جیسا کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مزار پر انوار بروایتِ اشہر نجف اشرف میں ہے۔

علاوہ ازیں خود حضور اکرم ﷺ، جدالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طینتِ مبارکہ سے ہیں، مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مرقد انور کہیں اور ہے اور حضور اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہیں جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے خُلِقْتُ مِنْ طِيْنَةِ اِبْرَاهِيْمَ (المعجم الاوسط جز ششم: ۱۶۲)

البتہ حضور اکرم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تینوں حضرات کی تخلیق ایک ہی طینت مقدسہ سے ہوئی اور آپ نے شیخین کریمین کو اپنے ہمراہ مدفون ہونے کی نوید جانفزا سنا کر ان دونوں حضرات کی تخصیص فرمادی جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ اِنِّيْ وَاَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ خُلِقْنَا مِنْ تُرْبَةٍ وَاحِدَةٍ وَفِيْهَا نُدْفَنُ (جامع الاحادیث للسیوطی، رقم الحدیث: ۲۰۷۷۶) سے آشکارا ہے۔

المختصر مقبولانِ بارگاہ احدیت پر اعتراض و انکار سے کلیۃً اجتناب کرنا چاہئے یہ محض اللہ تعالیٰ کا اجتباء و اختصاص ہے۔ کسی بندہ مؤمن پر عطائے الٰہی اور انعام ربانی دیکھ کر رشک کرنا چاہئے نہ کہ حسد۔۔۔ قُبِلَ مَنْ قُبِلَ بِلَا عِلَّةٍ

با خدا دادگان ستیزہ مکن
کہ خدا دادہ را خدا دادہ است

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں:

وبالجملہ شیخ مجدد ارہاص ایں دورہ اند۔۔۔ تعظیم شیخ تعظیم حضرت مدور ادوار و مکونِ کائنات است و شکر نعمت شیخ شکر نعمت مفیض او است اَعْظَمَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَہُ الْاُجُوْرَ

المختصر شیخ مجدد رضی اللہ عنہ دورۂ الف دوم کے لئے معدنِ خیر ہیں۔۔۔آپ کی تعظیم مدوّرِ ادوار اور مکوّنِ کائنات (اللہ تعالیٰ) کی تعظیم ہے اور آپ کے انعامات و برکات کا شکریہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر کرنا ہے۔(المجموعۃ السنیۃ:۹۵)

مکتوباتِ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ
کی اہمیّت وافادیت

Marfat.com
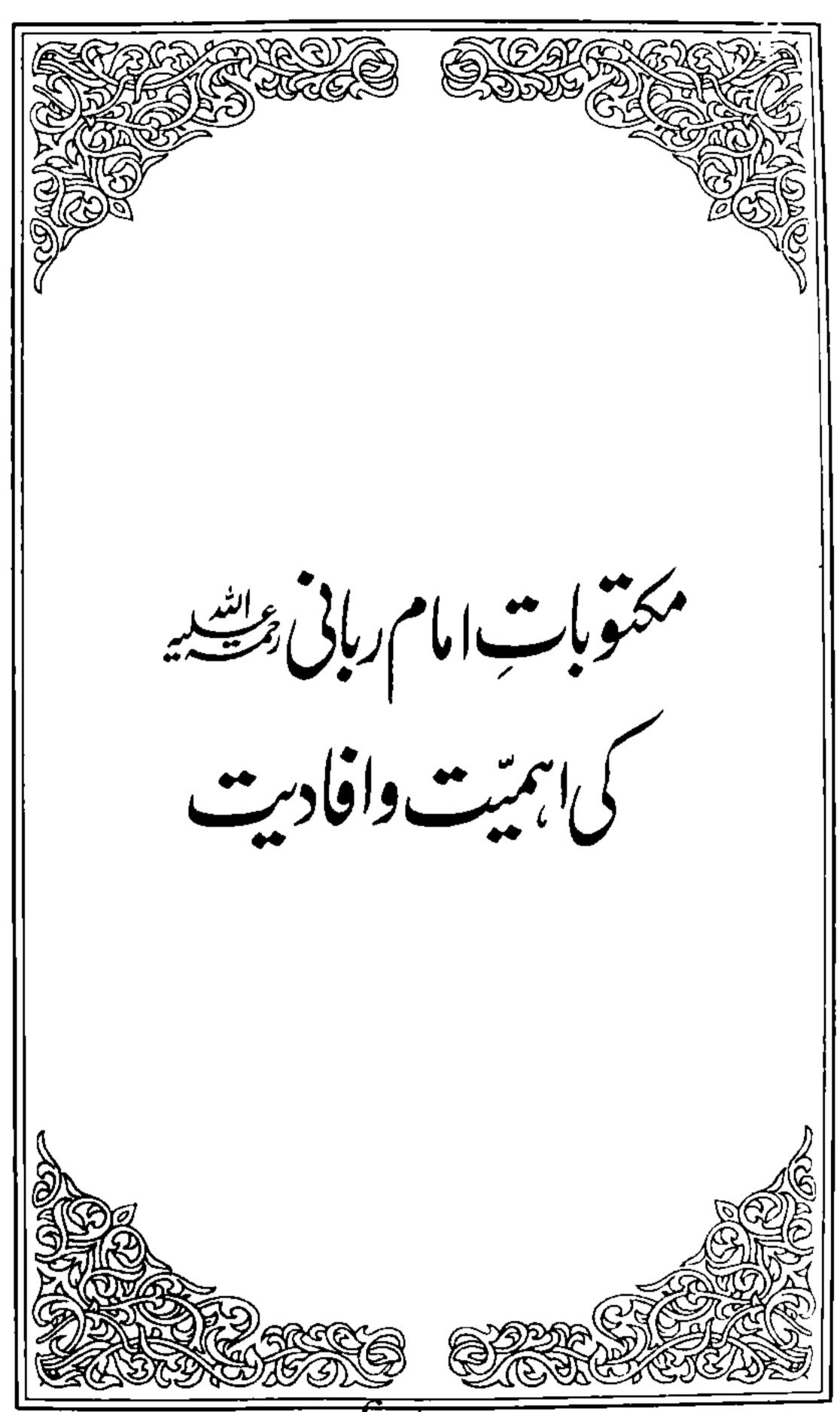
اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے انسان کو اجزائے مختلفہ سے مرکب فرما کر وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ کی خلعتِ کرامت سے نوازا۔ اسے اپنی صفت علم کا مظہر بنا کر اظہارِ بیان کے لئے قوتِ گویائی اور قلم وقرطاس عطا فرما دیا تاکہ وہ اپنی علمی صلاحیتوں اور تدریسی قابلیتوں کے ذریعے رشد وہدایت اور تعلیم ودعوت کا فریضہ سرانجام دے سکے۔ تب سے حضرت انسان نے کبھی زبان وبیان کے ذریعے تبلیغ وتدریس کے فرائض ادا کئے اور کبھی قلم وقرطاس کے ذریعے بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہِ ہدایت پر گامزن کیا، یوں وہ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ اور عَلَّمَ بِالْقَلَمِ کا مظہرِ اتم قرار پایا۔

وعظ وبیان کے ذریعے لٹائے ہوئے لؤلوئے لالہ کو مواعظات وملفوظات کہا جاتا ہے اور بذریعہ قلم صفحۂ قرطاس پر بکھیرے ہوئے علمی جواہر پاروں کو مرقومات ومکتوبات کہتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بذریعہ مکتوب ہی ملکۂ بلقیس کو دعوت توحید دی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے بھی غیر مسلم شاہانِ وقت کو بذریعہ مکتوبات دین اسلام کا پیغام پہنچایا۔

عالم اسلام میں بالعموم اور برصغیر میں بالخصوص علمائے راسخین اور صوفیائے کاملین کے ملفوظات ومکتوبات ملتے ہیں۔ مگران میں مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک

منفرد اور ممتاز مقام حاصل ہے۔جن میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے شریعت و طریقت کا لب لباب بیان فرمادیا ہے غرضیکہ

خزینۂ لازوالِ حکمت ہیں تیرے مکتوب اے مجدد!
لکھے ہیں قرطاسِ علم پر کلکِ شوق سے شاہکار تو نے

معارفِ امام ربانی کی اقسام

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسائل و مکتوبات میں شریعت و طریقت کے اسرار و حقائق کے ایسے دریا بہائے ہیں جن کے مطالعہ سے آپ کی تجدید و امامت اور اجتہاد و ولایت کا علم ہوتا ہے۔اس سلسلے میں حضرت شیخ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ نہایت بصیرت افروز اور فکر انگیز ہے، ملاحظہ ہو:

''واضح ہو کہ مبداء فیاض سے باطن شریف آنجناب پر جو کچھ معارف و اسرارِ مخصوصہ وارد ہوتے تھے، ان کی چند قسمیں ہیں۔

❁......ایک قسم ایسی ہے کہ آنجناب قدس سرہٗ کبھی ان کو زبان فیض ترجمان پر نہ لائے اور رمز و اشارہ سے بھی کبھی ظاہر نہ کیا مثلاً تاویل مقطعات و متشابہات قرآنی کہ آنجناب پر منکشف ہوئے تھے۔

❁......دوسری قسم وہ ہے کہ ان کا اظہار صرف اپنے صاحبزادوں سے خاص طور پر فرمایا، دوسرے اشخاص کو اس میں شریک نہیں فرمایا اور نہ ہی وہ معرض تحریر میں لائے گئے۔

❁......تیسری قسم کے وہ معارف ہیں جن کو آپ نے اپنے ان مریدوں سے جو محرمانِ راز و کاملین اصحاب تھے، بیان کیا اور ان کے اظہار کے وقت خلوتِ خاص ہوتی تھی اور دروازے بند کر لئے جاتے تھے۔اگر اتفاقاً کوئی اور شخص آجاتا تو سکوت اختیار

فرماتے اور روئے سخن بدل دیتے اور بقیہ اسرار کو کسی اور وقت بیان فرماتے تھے۔ یہ معارف حتی الامکان تحریر نہیں کیے جاتے تھے مگر جب کوئی محرم راز التماس کرتا تو بہ لحاظ اجابت سوال ایسے طریقے سے تحریر فرماتے کہ ہر کوئی اس کا ادراک نہ کر سکے۔

✿...... چوتھی قسم یہ ہے کہ بہ التماس سائل یا بہ نیت افادۂ طالبان عموماً وشمولاً تحریر کیے گئے۔ رسائل و مکاتیب دفاتر ثلاثہ وافر البرکات ان ہی اسرار قسم چہارم پر مشتمل ہیں اور ہر معرفت دل کے بیماروں کیلئے شفاء اور محجوروں کیلئے وصال ہے۔

اس کے بعد قسم چہارم کی پر معارف تصانیف، جن میں مکاتیب قدسیہ بھی شامل ہیں، کے علوشان اور ان کی جامعیت کو یوں بیان فرماتے ہیں:

''بہ لحاظ مطالب کی باریکیوں، عبارتوں کے دقائق، اسرار کی تحقیق اور حالات و اشارات کی تدقیق جو آپ کے علوِ شان اور رفعت مکان و بلندی مراتب پر کرامت ساطعہ اور آیۂ قاطعہ ہیں۔ کشف حقائق الٰہی میں جو کچھ باریکیاں اور نازک بیانیاں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہیں اکابر علماء ومشائخ اس کے شیفتہ ہیں۔ اور جو کچھ دقائق متعلق بہ حضرات خمس اور توحید وجودی وشہودی...... مشاہدہ ومکاشفہ...... ایقان وایمان...... غیب وعیان...... اطوار سبعہ...... ظہور انوار مختلفہ...... تجلیات متکیفہ وغیرہ...... جمع بین التشبیہ والتنزیہہ...... تنزیہہ صرفہ...... خفایائے اطلاق ومجال تعینات...... تجلی برقی ودوامی...... معاملہ وراء تجلی...... سکر وصحو...... علوم وراثت وغیر وراثت، ولایت کی قسموں کی تحقیق یعنی صغریٰ وکبریٰ وعلیا...... مقام نبوت ورسالت...... صدیقیت وقربت...... تدلی و تدنی...... محبت وخلت، درجاتِ سبعہ متابعت، وجدِ صباحت وملاحت وجمع درمیانِ ہر دو، سیر آفاقی وانفسی...... اور سیر ماوراء آفاق وانفس میں آپ نے بیان فرمائے ہیں وہ عقل مندوں پر ظاہر وہویدا ہیں۔ صرف یہی علوم ومعارف جو تحریر فرمائے گئے، وہ علوِ مقال اور فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے مرتبہ اعجاز میں داخل ہو سکتے ہیں کیونکہ ابنائے

روزگار اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں...... اور جب خلوت میں زبان الہام ترجمان سے بیان کرتے تھے، تو اور ہی حال وارد ہوتا تھا۔ گویا مرقومات ''قال'' ہیں اور ملفوظات ''حال'' وہ (قال) بیان معرفت ہے اور یہ (حال) القائے نسبت و اعطائے نعمت ہیں'' (حضرات القدس حضرت ہفتم)

حضرت شیخ بدرالدین کے بیان بالا کے مطابق خواجہ محمد ہاشم کشمی نے بھی مکتوبات کو قسم چہارم کے اسرار و معارف میں شمار کیا ہے۔ (زبدۃ المقامات فارسی: ۱۲۴)

مکتوبات کی اہمیت

حضور اکرم ﷺ نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو امت محمدیہ کا محدث فرمایا ہے کہ جن کی زبان حق ترجمان پر اللہ تعالیٰ کلام فرماتا ہے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کو نسباً فاروقی ہونے کی وجہ سے وراثتاً اس سے حظ وافر عطا ہوا چنانچہ آپ ایک مکتوب بنام فرزند کلاں عالم ربانی عارف سبحانی خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اے فرزند یہ معارف جو تحریر کئے ہیں امید ہے کہ ''از الہامات رحمانی باشند کہ اصلاً شائبہ وساوس شیطانی را درانجا مجال نبود'' سب الہامات رحمانی سے ہیں ان میں شیطانی وسوسوں کے شائبہ کی ہرگز گنجائش نہیں ہے دلیل یہ ہے کہ جب فقیر نے ان علوم کی تحریر کا ارادہ کیا تو بارگاہ خداوندی میں التجاء کی تو دیکھا ''ملائکہ کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام از نواحی آں مقام دفع شیطان می کردند و نمی گذاشتند کہ در حوالی آن مکان بگردد'' کہ فرشتے اس مقام سے شیطان کو دفع کر رہے ہیں اور اس کے قریب بھی اسے آنے نہیں دیتے۔ (دفتر اول مکتوب: ۲۳۴)

دفتر سوم کے دیباچہ میں ہے:

میں تو اس فکر و حیرت میں ہوں کہ یہ تمام علوم جو تبیین و تحریر میں آئے ہیں آیا حق

تعالیٰ سبحانہٗ کے نزدیک مقبول و پسندیدہ ہیں یا نہیں؟ ملہم حقیقی کی طرف سے بشارت اور اشارہ کے انتظار میں خاموش ہوگیا دوسرے روز فرمایا کہ گذشتہ شب ندا آئی اور بارگاہ قدس جل سلطانہ کی طرف سے ظاہر کیا گیا کہ ''ایں ہمہ علوم کہ نوشتہ بل ہر چہ در گفتگوئے تو آمدہ ہمہ مقبول و مرضی است'' یہ تمام علوم جو لکھے گئے بلکہ جو تمہاری گفتگو میں آئے سب مقبول و پسندیدہ ہیں اور میری تحریروں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ''ایں ہمہ ما گفتہ ایم و بیانِ ما است'' یہ سب کچھ ہمارا کہا ہوا ہے اور ہمارا ہی بیان ہے...... پس قلم محترم را بہ نگارش اسرار قدم جریان دادند'' پھر قلم محترم کو اسرار قِدم کے لکھنے میں جاری کر دیا۔

ایک مقام پر یوں ارقام پذیر ہیں:

این معارف از حیطۂ ولایت خارج است ارباب ولایت در رنگِ علماء ظواہر در اِدراک آن عاجز ند و در درک آن قاصر این علوم مقتبس از مشکوٰۃ انوارِ نبوت اند عَلٰی اَرْبَابِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَ التَّحِيَّةُ کہ بعد از تجدید الف ثانی بہ تبعیت و وراثت تازہ گشتہ اند و بطراوت ظہور یافتہ صاحب این علوم و معارف مجدد این الف است كَمَا لَا يَخْفٰى عَلَى النَّاظِرِيْنَ فِيْ عُلُوْمِهٖ وَ مَعَارِفِهِ الَّتِيْ تَتَعَلَّقُ بِالذَّاتِ وَ الصِّفَاتِ وَ الْاَفْعَالِ وَ تَتَلَبَّسُ بِالْاَحْوَالِ وَ الْمَوَاجِيْدِ وَالتَّجَلِّيَاتِ وَالظُّهُوْرَاتِ فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ هٰؤُلَاءِ الْمَعَارِفَ وَالْعُلُوْمَ وَرَاءَ عُلُوْمِ الْعُلَمَاءِ وَ وَرَاءَ مَعَارِفِ الْاَوْلِيَاءِ بَلْ عُلُوْمُ هٰؤُلَاءِ بِالنِّسْبَةِ اِلٰى تِلْكَ الْعُلُوْمِ قِشْرٌ وَّتِلْكَ الْمَعَارِفُ لُبُّ ذٰلِكَ الْقِشْرِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِيْ

یہ معارف دائرہ ولایت سے خارج ہیں اولیاء علمائے ظواہر کی طرح ان معارف کے ادراک سے عاجز ہیں اور ان کے درک سے قاصر ہیں یہ علوم انوار نبوت کے سینہ سے مقتبس ہیں جو الف ثانی کی تجدید کے بعد بطور تبعیت ووراثت تروتازہ ہوئے ہیں۔ ان علوم ومعارف والا مجدد الف ثانی ہے جیسا کہ اس کے علوم ومعارف کے ناظرین پر مخفی نہیں ہے جو ذات وصفات اور افعال سے تعلق رکھتے ہیں اور احوال ومواجید اور تجلیات وظہورات سے التباس رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ معارف وعلوم، علوم علماء اور معارفِ اولیاء سے وراء ہیں بلکہ ان علماء واولیاء کے علوم ان علوم ومعارف کا پوست ہیں اور وہ معارف اس پوست کا مغز ہیں۔

ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

یہ علوم ومعارف وہ ہیں کہ اہل اللہ میں سے کسی نے بھی نہ تو صراحۃً کلام کیا ہے اور نہ ہی ان کی طرف اشارہ فرمایا ہے یہ اشرف معارف اور اکمل علوم ہیں جو ہزار سال کے بعد منصۂ ظہور پر آئے ہیں واجب تعالیٰ وتقدس کی حقیقت اور حقائق ممکنات کو کما ینبغی و یلیق بیان فرمائے گئے ہیں" نہ مخالفت بکتاب وسنت دارند و نہ مباینت باقوالِ اہل حق" یہ علوم ومعارف کتاب وسنت کی مخالفت نہیں کرتے اور نہ ہی اہل حق کے اقوال کے مخالف ہیں۔ (دفتر اول مکتوب: ۲۳۴)

آوان واکوان میں تصرف وکرامت کو منحصر جاننے والوں کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ظہورِ خوارق نہ از ارکانِ ولایت ست و نہ از شرائطِ آں بخلاف معجزہ مر نبی را علیہ الصلوٰۃ و السلام کہ از شرائطِ مقام نبوت ست" ظہور خوارق نہ تو ولایت کے ارکان میں سے ہے اور نہ ہی اس کی شرائط میں سے بخلاف معجزہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہ وہ مقام نبوت کی شرائط میں سے ہے خوارق احیاء واماتت میں

منحصر نہیں ہے الہامی علوم و معارف سب سے عظیم نشانی اور سب سے بلند خوارق ہیں اسی لئے معجزہ قرآنی تمام معجزات سے قوی اور دائمی ہے آنکھیں کھول کر دیکھیں یہ علوم و معارف جو ابر نیساں کی طرح برس رہے ہیں وہ کہاں سے آتے ہیں اس کثرت کے باوجود یہ علوم مکمل طور پر علوم شرعیہ کے موافق ہیں بال برابر بھی ان میں مخالفت کی گنجائش نہیں یہ خصوصیت، صحت علم کی علامت ہے ہمارے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ ''علوم شما ہمہ صحیح است'' تمہارے تمام علوم صحیح ہیں۔ (دفتر اول مکتوب: ۱۰۷)

ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

سبحان اللہ کہ ازیں حقیر بے خواست بظہور می آید اگر اکثرے جمع شدہ در تصویر آں کوشند معلوم نیست کہ میسر شود ماناکہ حظِ وافر ازیں معارف نصیب حضرت مہدی موعود علیہ الرضوان خواہد بود

اگر پادشہ بر درِ پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

سبحان اللہ! وہ معارف جو اس حقیر سے بے ارادہ ظاہر ہو رہے ہیں اگر اکثر لوگ جمع ہو کر ان جیسے پیش کرنے کی کوشش کریں تو معلوم نہیں کہ میسر ہو سکے۔ بہ تحقیق ان معارف سے حضرت مہدی موعود رضی اللہ عنہ کو حظِ وافر نصیب ہوگا۔ (دفتر اول مکتوب: ۲۳۴)

حضرت خواجہ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ان اسرار کو قلمبند کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ پر ظاہر کر دیا گیا تھا کہ آپ کی مرقومات حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کی نظر سے بھی گذریں گی اور ان کے نزدیک بھی مقبول ہوں گی۔ (حضرات القدس جلد دوم حضرت ہفتم)

حضرت خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ایں معارف ست کہ دفاتر مکتوبات کثیر البرکات و رسائل معادن

الفتوحات متضمن آنست و ہر معرفتے ازاں شفا بخش دل ہائے رنجوراں و مقرب دوراں و مہجوراں (زبدۃ المقامات: ۲۲۳)

یعنی یہ معارف وہ ہیں کہ مکتوبات مبارکہ اور رسائل مقدسہ جن پر مشتمل ہیں جن میں سے ہر معرفت رنجور دلوں کو شفا بخشتی اور دوروں اور مہجوروں کو قرب آشنا کرتی ہے۔

اسی بناء پر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے مکتوبات شریفہ کے بغور مطالعہ کی تاکید فرمائی..... مطالعۂ مکتوبات را لازم گیرند سود منداست

ع داد یم ترا ز گنج مقصود نشاں

(دفتر اول مکتوب: ۲۳۷)

تاکہ سرمایہ سعادت اور ذوق معرفت نصیب ہو سکے۔ بقول شاعر

وہ مکتوبات جن میں علم و حکمت کا خزانہ ہے
افادیت کا جن کی معترف سارا زمانہ ہے

مکتوبات کی ترتیب و تعداد

غوث المحققین، قطب العارفین حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے تحریر فرمودہ مکاتیب مقدسہ تین دفاتر پر مشتمل ہیں۔

دفتر اول..... آپ کے مرید باوفا حضرت خواجہ یار محمد جدید بدخشی طالقانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰۲۵ھ میں جمع کیا اس لیے یہ دفتر ''دارالمعرفت'' کے تاریخی نام سے موسوم ہے جس میں ۳۱۳ مکتوبات ہیں جو آپ کے حکم سے بطور تیمناً مرسلین پیغمبروں، اصحاب بدر اور (اصحاب طالوت) کی تعداد کے موافق ہیں۔

دفتر دوم کے دیباچہ میں حضرت خواجہ عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

چوں جلد اول مکتوبات بعدد سہ وصد سیزدہ (۳۱۳) مکتوب رسید حضرت ایشان سلمہ اللہ تعالی فرمودند کہ برہمیں عدد ختم کنند کہ موافقِ عدد پیغامبراں مرسل است صلواتُ اللہ تعالی علی نبینا وعلیہم ونیز موافقِ عدد اہل بدر است رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین تبرکاً وتیمناً برآں عدد ختم نمودہ آمد

حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ'' فقیر کی آرزو تھی کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ایک مکتوب اس عاجز کے نام تحریر فرمائیں اور وہ اس دفتر کے خاتمہ پر درج کیا جائے اس لئے کہ احقر آپ کے کمترین مخلصوں میں سے ہے چنانچہ جب یہ خادم برہانپور تھا آپ نے ایک مکتوب تحریر فرمایا اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ اس دفتر کو مطابق تعداد رسل واصحابِ جنگ بدر فلاں مکتوب پر جو فلاں شخص کے نام ہے ختم کریں فَحَصَلَ مُرَادِیْ بِکَرَامَتِہٖ چونکہ بندہ نے اس دفتر کی تاریخ اختتام ''دار المعرفت'' نکالی تھی، آپ نے تحریر فرمایا کہ اس دفتر کو اسی نام سے موسوم کریں''۔

(زبدۃ المقامات:۲۴۰)

اس دفتر کے اختتام پر صاحبزادہ کلاں حضرت خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کے تین عریضے بھی شامل ہیں یہ انہوں نے اپنے والد گرامی قدس سرہٗ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کئے تھے جوان کے بلند احوال وکیفیات پر مشتمل ہیں اسی سال (۱۰۲۵ھ) ان کا وصال باکمال ہوا تھا۔

دفتر دوم ......کو حضرت خواجہ عبدالحی بن خواجہ چاکر حصاری رحمۃ اللہ علیہما (خلیفہ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ) نے عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے ۱۰۲۸ھ کو مرتب فرمایا تھا اس لیے اس دفتر کا تاریخی نام ''نور الخلائق'' ہے۔اس میں اسمائے حسنیٰ

کی تعداد کے مطابق ۹۹ مکتوبات ہیں۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ان دنوں قلعہ گوالیار میں نظر بند تھے۔

دفتر سوم کے دیباچے میں ہے:

چوں آن جلد بہ نودونہ (۹۹) مکتوب رسید کہ مطابق اسماء حسنیٰ است
بر ہماں ختم شد در سالے کہ تاریخ آن از نور الخلائق ہویدا ست

دفتر سوم ..... حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز (جب آپ شاہی لشکر کے ہمراہ رہتے تھے) نے اپنے خلیفہ حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی زیر نگرانی ۱۰۳۱ھ میں مرتب کروایا تھا۔ اس دفتر کا تاریخی نام ''معرفۃ الحقائق'' ہے، لفظ ''ثالث'' (۱۰۳۱ھ) سے بھی تاریخ ترتیب نکلتی ہے۔ قرآنی سورتوں کی تعداد کے مطابق اس دفتر کے مکتوبات کی تعداد ۱۱۴ ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے دفتر چہارم کے لیے مکاتیب کی تحریر کا سلسلہ شروع فرمایا تھا مگر حیاتِ مستعار نے وفا نہ کی اس لیے ان تحریر فرمودہ مکاتیب مقدسہ کو دفتر سوم میں ہی شامل کر دیا گیا۔ حضرت خواجہ کشمی رحمۃ اللہ علیہ ارقام پذیر ہیں:

بعد از اتمامے جلد ثالث و مہجوریٔ بندہ از آستان بعضے مکاتیب دیگر کہ شروع دفتر چہارم بود بہ ظہور آمدہ بود و ہنوز بہ چہاردہ (۱۴) مکتوب نہ رسیدہ کہ آن ماہ چہاردہ آسمانِ قطبیت او در نقاب مغرب تراب کشیدہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الانور و نوّر مضجعہ المعطر بحرمۃ سید البشر و الصلوٰۃ و السلام علیہ وعلی الہ واصحابہ واحبائہ الی یوم المحشر ناچار آن مکتوب را داخل جلد ثالث نمودہ شد (زبدۃ المقامات: ۲۴۱)

لشکر سلطانی سے رخصت ہو کر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ۱۰۳۳ھ

سرہند شریف پہنچ کر گوشہ نشین ہو گئے۔ حضرت خواجہ سعید اور حضرت خواجہ معصوم کے علاوہ معدودے چند افراد کو خلوتِ خاص میں شرف باریابی نصیب ہوتی تھی خواجہ محمد ہاشم کشمی آپ کے وصال سے قبل ہی دکن چلے گئے تھے۔

خواجہ کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے دفتر چہارم کے چودہ مکتوبات بیان فرمائے ہیں ممکن ہے چار مکتوبات عدم دستیابی یا کسی اور وجہ سے شامل نہ ہو سکے ہوں۔ دفتر سوم کے مکتوب ۱۲۲ بنام مولانا حسن دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت خواجہ محمد معصوم تحریر فرماتے ہیں:

آخریں چیزے کہ حضرت ایشانِ ما قدسنا اللہ بسحانہ بسرہ الاقدس نوشتہ اند کہ مکتوبے ست کہ قبیل آخریں مکتوبات جلد ثالث است متصل باآں بنام مولانا حسن دہلوی و دراں مکتوب فوق تعین وجودی، تعین جبی اثبات نمودہ اند (دفتر اول مکتوب: ۱۸۳)

مکتوبات امام ربانی کے دفتر سوم مکتوب: ۱۲۳ جس میں غوث الثقلین سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے شعر افلت شموس الاولین کی شرح ایام مرض میں خود حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے بیان فرمائی تھی اور حضرت خواجہ معصوم کو سلکِ تحریر میں پرونے کا حکم دیا تھا حضرت خواجہ معصوم ارقام پذیر ہیں:

در مرض آخر ایں ذرۂ حقیر را وصیت بہ نوشتن بعضے ازیں اسرار کہ قابل اظہار بودند چنانچہ این فقیر بہ مقتضائے وصیت در ایام عزائے آنحضرت بحسب فہم قاصر خویش با چشم گریاں و دل ریش مواجہ روضہ منورہ نشستہ آن درہائے ناسفتہ را در سلک نظم کشیدہ و داخل مکتوبات قدسی آیات آنحضرت گردانید چنانچہ ختم مکتوبات جلد ثالث بہماں مرقومات مقرر

گشت (دفتر اول مکتوب: ۱۹۳)

مکتوبات امام ربانی دفتر سوم کے آخری مکتوب: ۱۲۴ بنام شیخ طاہر جونپوری جس میں حقیقت کعبہ کو ذات بے چون واجب الوجود سے تعبیر فرمایا ہے حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کا تحریر فرمودہ لکھا ہے

آنحضرت قدسنا اللہ بسرہ الاقدس در مکتوبے کہ بشیخ طاہر جونپوری نوشتہ اند حقیقت کعبہ عبارت از ذات بیچون واجب الوجود است جل سلطانہٗ (دفتر اول مکتوب: ۱۸۳)

حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی قدس سرہٗ العزیز نے مکتوب: ۱۲۴ کو ہی آخری مکتوب قرار دیا ہے جس میں حقیقت محمدیہ کو تمام حقائق سے فوق لکھا گیا ہے:

کما ذکرہ رضی اللہ عنہ فی اٰخر مکتوبہ لہ قبل وفاتہ بایام قلیلۃ ان الحقیقۃ المحمدیہ فوق جمیع الحقائق

(مکتوبات سعیدیہ مکتوب: ۶۸)

تینوں دفاتر میں مکتوبات شریفہ کی تعداد ۵۳۶ ہے جن میں پہلے بیس مکتوبات حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد بزرگوار خواجہ بیرنگ خواجہ باقی باللہ احراری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت فیض درجت میں ارسال کیے جو آپ کے بلند احوال وکیفیات پر مشتمل ہیں چند مکاتیب مقدسہ آپ نے اپنے صاحبزادگان (حضرت خواجہ محمد صادق، حضرت خواجہ محمد سعید اور حضرت خواجہ محمد معصوم رضی اللہ عنہم) کی طرف صادر فرمائے۔ ایک مکتوب جہانگیر بادشاہ کے نام تحریر فرمایا، ایک مکتوب (۱۶۷) ہردے رام ہندو کی طرف تحریر فرمایا، دو مکتوب کسی معتقد خاتون (دفتر سوم مکتوب: ۱۷) کی طرف ارسال فرمائے بقیہ مکاتیب معاصر علماء ومشائخ، اعیان سلطنت، اراکین مملکت اور دیگر احباب

ومریدین وعامۃ المسلمین کی طرف ارقام فرمائے گئے بعض مکتوبات عربی زبان میں تحریر فرمائے مگر زیادہ تر اس وقت کی مروجہ زبان فارسی میں لکھے گئے آپ کا انداز تحریر اور اسلوب بیان نہایت فصیح وبلیغ اور سلیس وشستہ ہے۔ بلا مبالغہ آپ کے مکتوبات شریفہ فارسی ادب کا عظیم شاہکار ہیں۔مکتوبات شریفہ کی اہمیت کا انداز اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ جس نے دین اکبری کے شجرہ خبیثہ کو بیخ وبن سے اکھیڑ پھینکا......جس نے سیکولرازم اور بے دینی کے طوفانِ بدتمیزی کے تاروپود کو منتشر کر کے رکھ دیا......جس نے جدت پسندی اور روشن خیالی کی یورشوں کے اثرات کو زائل کر کے رکھ دیا......جس نے ایوانِ سلطنت کو لرزہ براندام کر دیا......جس نے عجمی تصوف کا قلع قمع کر کے حجازی طریقت کا رستہ دکھایا......جس نے متحدہ قومیت کے بت کو پارہ پارہ کر دیا......جس نے ملحد صوفیہ اور علماء سوکی سازشوں کو طشت ازبام کر دیا......جس نے شرک وبدعت کا تانابانا، تارتار کر دیا کہ جسے طوغوتی افکار اور عقل چالاک کبھی بھی رفو نہیں کر سکیں گی۔

بقول خطیب الاسلام صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ

رفو نہ اب کر سکے گی اس کو خرد کی حیلہ گری ابد تک
کیا ہے دامانِ شرک و بدعت کو اس طرح تار تار تو نے

مکتوبات کی فہم وتفہیم کا اہتمام

مکتوبات شریفہ کی مقبولیت وافادیت کے پیش نظر حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی ...... حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی...... حضرت مفتی محمد باقر لاہوری...... حضرت ملا محمد امین حافظ آبادی......حضرت شیخ محمد مراد شامی (ملک شام)......حضرت میر سعد اللہ بھٹی کوٹی ...... حضرت حافظ محسن سیالکوٹی ...... قیومِ چہارم حضرت خواجہ محمد زبیر...... حضرت شاہ غلام علی دہلوی ......حضرت شاہ احمد سعید مجددی ......اور حضرت

مولانا نصر اللہ ہوتکی مجددی رضی اللہ عنہ جیسے اکابرین امت نے مکتوبات شریفہ کے درس و تدریس کا اہتمام فرمایا۔

حضرت شاہ احمد سعید فاروقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے مکتوبات شریفہ کے مغلق مقامات کا حل سالہا سال ان کی خدمت بابرکت میں رہ کر سیکھا اور سنا...... اور ان کے وصال کے بعد تقریباً چالیس برس تک اس کا مطالعہ کیا...... پھر کہیں جا کر ان ادق مقامات کا حل سمجھ میں آیا، از دیگراں چہ گوید۔ اسی لئے آپ فرماتے ہیں:

''فہمیدن تدقیقاتِ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہایت مشکل است کسی کہ در علوم ظاہریہ ید طولانی داشتہ باشد و سلوک و مقامات مخصوصہ آنجناب ہم بوجہ لائق نمودہ، البتہ او را مناسبتے بہ فہم آں معارف پیدا خواہد شد و الاّ فلا''

''یعنی حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی تدقیقات کو سمجھنا نہایت مشکل ہے۔ جو شخص علومِ ظاہریہ میں ید طولیٰ رکھتا ہو اور آپ کے مقاماتِ مخصوصہ اور سلوکِ مجددیہ کی بھی صلاحیت رکھتا ہو، اس میں ان معارفِ عجیبہ کے فہم کی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ بصورتِ دیگر وہ معارف عقل و فہم سے بالا ہیں''

(مناقبِ احمدیہ و مقامات سعیدیہ)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کی تصانیف لطیفہ میں بیان فرمودہ اسرار و حقائق کو بے نقاب کرنے والے ایسے مردِ کامل کی ضرورت تھی جو روح و نفس، عقل و خیال، عالمِ امر اور عالمِ خلق کا جامع ہو اور علامہ اقبال مرحوم کی بارگاہ مجددیت میں کی گئی التجاء

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی

کی قبولیت بن کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو۔ چنانچہ ہمارے آقائے ولی نعمت، سراج العارفین حضرت علامہ ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً ربع صدی تک مکتوبات شریفہ کے افہام وتفہیم کے لئے درس وتدریس کا اہتمام فرمایا۔ آپ دارالعلوم نقشبندیہ امینیہ اے ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ میں درس نظامی کے طلباء وعلماء کو منتخبات مکتوبات امام ربانی بھی پڑھاتے رہے۔

البینات شرح مکتوبات

مکتوبات شریفہ کی شرح یقیناً ایک مشکل ترین کام تھا کیونکہ مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کو سمجھنے کیلئے صرف عربی اور فارسی زبان پر عبور اور اصطلاحات تصوف کا جان لینا ہی کافی نہیں بلکہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے لامحدود مکشوفات، حقائق ومعارف کو سمجھنے کیلئے اعلیٰ روحانی استعدد کے ساتھ ساتھ بلندی فکر ونظر، قال کے بجائے حال اور علم کسبی کے ساتھ ساتھ علم وہبی کی بھی ضرورت ہے۔ اس کا تعلق واردات قلبیہ اور مشاہدات ذاتیہ کے ساتھ ہے نیز قلبی واردات وکیفیات اور ذاتی مشاہدات ومکاشفات کا ادراک کر کے ان کو الفاظ کی حسین لڑی میں پرونا اور بھی مشکل کام ہے بحمدہ تعالیٰ اللہ رب العزت نے یہ ساری قابلیتیں وصلاحیتیں آپ کی ذات بابرکات میں ودیعت فرمائی تھیں۔ والحمد للہ علی ذالک

آپ مکتوبات شریفہ میں ادق اور مغلق مقامات بالخصوص علم کلام، حقیقت کعبہ، حقیقت محمدیہ اور حقیقت قرآن جیسی مشکل ترین مصطلحات کو اس قدر آسان اور عام فہم انداز میں حل فرماتے کہ علماء وطلباء اور عام سامعین کے قلب ونظر میں جاگزیں کر دیتے......

البتہ البینات میں انداز تحریر اور اسلوب بیان نہایت فاضلانہ ہے جسے علمائے کرام اور صوفیاء عظام ہی سمجھ سکتے ہیں۔

(تفصیلات کے لئے صفات لاہو لا غیرہ البینات شرح مکتوبات جلد دوئم مکتوب: ۳۸ البینات شرح مکتوبات مکتوب: ۴ ملاحظہ ہوں۔)

عصر حاضر کے معروف محقق جناب پروفیسر محمد اقبال مجددی صدر شعبہ تاریخ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور البینات شرح مکتوبات کے متعلق رقمطراز ہیں:

البینات، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے دقیق فارسی مکتوبات کی ایسی شرح ہے، جو خوش قسمتی سے اردو زبان میں ہے۔ جب سے پاکستان میں فارسی کو زوال آیا ہے، یہ سمجھا جانے لگا تھا کہ آپ کے مکتوبات کا یہ ایسا مجموعہ ہے جو بھاری پتھر کی مانند ہے جسے صرف چند علماء ہی اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن حضرت مولانا محمد سعید احمد مجددی مرحوم کی اس شرح نے اسے خاص و عام کے لئے نہ صرف آسان بنا دیا ہے بلکہ اسے متن اور مفہوم کے اتنا قریب کر دیا ہے کہ صدیوں کا بُعد دور ہو گیا ہے۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ
کا نظریۂ توحید
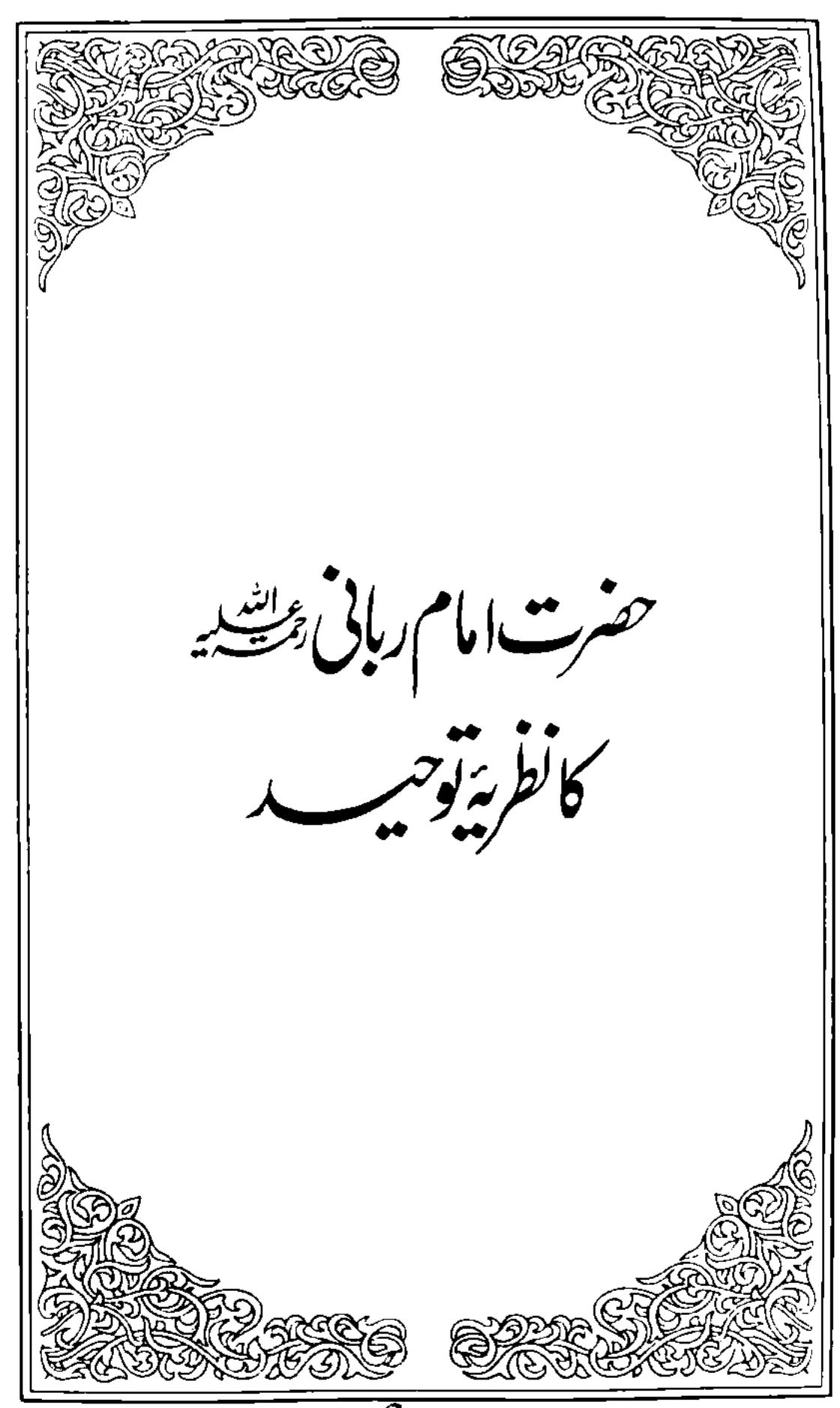
صوفیائے کرام میں سب سے پہلے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۳۸ھ) نے تصوف کو باقاعدہ فلسفے کا رنگ دے کر مسئلہ توحید کو ''وحدت الوجود'' کے نام سے متعارف کرایا ہے اور بے شمار اصطلاحات وضع کر کے فلسفیانہ استدلال اور کشف وشہود کے ذریعے اس مسئلے کو ایک مخصوص انداز میں پیش فرمایا۔ ساتھ ہی فارسی شاعری کے دلکش اثرات نے بھی ان تخیلات کو مزید تقویت پہنچائی۔ چنانچہ حضرت شیخ اکبر نے قرآنی آیات اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات سے بھی اپنی تاویلات کو ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے اور اس امر پر پورا زور صرف فرمایا ہے کہ وحدت الوجود ہی توحید کی اصل حقیقت ہے اور اپنی اس تحقیق پر سابقہ صوفیاء کے کلمات کو بطور استشہاد بھی پیش فرمایا ہے (مثلاً سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ، انا الْحَقُّ اور لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ اِلَّا اللہ وَغَیْرَهَا)

حضرت شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فلسفہ کی تردید کرنے والوں میں حضرت ابوالمکارم رکن الدین، شیخ علاؤ الدولہ سمنانی (متوفی ۷۳۶ھ) حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (متوفی ۶۳۲ھ)، علامہ ابن تیمیہ (متولد ۶۶۱، متوفی ۷۲۸ھ) اور مشہور محدث ومورخ امام ذہبی (متوفی ۸۴۸ھ) کے نام سرفہرست ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ نے نظریہ وحدت الوجود کے رد میں ایک رسالہ ''فِیْ اِبْطَالِ وَحْدَةِ

الوُجُودِ'' لکھا۔لیکن ابن تیمیہ کی یہ تردیدی جدوجہد شائد قبل از وقت تھی جس کا مشرقی عالم اسلام پر کوئی اثر مرتب نہ ہوا اور نظریہ وحدت الوجود کی جڑیں مزید مضبوط ہوتی چلی گئیں یہاں تک کہ وحدت الوجود کا فلسفہ ایک مسلمہ عقیدہ بن کر اسلامی معاشرت میں سرایت کر گیا اور اسلام کی تعلیم وتبلیغ ،شعروادب اور فلسفہ وحکمت پر بھی یہ عقیدہ اثر انداز ہو گیا۔اس امر میں کوئی کلام نہیں کہ بعض اکابر علماء وصوفیاء نے حضرت شیخ اکبر کو سخت اور برے الفاظ سے یاد کیا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بے شمار علماء ومشائخ نے آپ کے فضل وکمال کا اعتراف کیا ہے۔

قانون قدرت کے مطابق تاریخ اسلام میں ایک عظیم الشان انقلابی واقعہ رونما ہوا کہ عہد نبوت سے تقریباً ایک ہزار سال بعد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور انہوں نے تمام سلاسل تصوف میں اس بلند آہنگی سے تجدید واصلاح کا صور پھونکا کہ اس کی صدائے بازگشت آج تک دنیائے اسلام کے در ودیوار سے آرہی ہے اور ہمیشہ آتی رہے گی۔آپ نے مکتوبات شریفہ اور دیگر تالیفات کے ذریعے صرف ایک ہی موقف کا تکرار اور ایک ہی دعوت کا اعادہ فرمایا کہ صوفیاء کو اپنے فکر واستدلال اور کشف وشہود کی بنیاد قرآن وسنت پر رکھنی چاہئے اور علمائے اہلسنت کے عقائد صحیحہ پر مکمل اعتماد کرنا چاہئے۔چنانچہ ایک اقتباس ملاحظہ ہو!

از جملہ ء ضروریاتِ طریق سالک اعتقادِ صحیح است کہ علمائے اہل سنت آن را از کتاب وسنت وآثار سلف استنباط فرمودہ اند۔۔۔ واگر بالفرض خلاف آن معانیٔ مفہومہ بکشف والہام امرے ظاہر شود آن را اعتبار نہ باید کرد واز ان استعاذہ باید نمود (دفتر اول مکتوب:۲۸۶)

چنانچہ دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں جب امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے عالم

اسلام کے حالات کا جائزہ لیا تو اس وقت کافی حد تک ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے اصل نظریہء وحدت الوجود کا حقیقی مفہوم ناپید ہو چکا تھا۔ ماسوائے چند محققین اصحاب تصوف کے، متصوفین کی اکثریت توحید وجودی کو اتحاد و عینیت اور احاطہ ومعیتِ ذاتیہ کے غلط مفاہیم کا جامہ پہنا چکی تھی اور تصوف پر ملحدوں، باطنیوں اور نور بخشیوں نے قبضہ جما لیا تھا۔ نظریہ وحدت الوجود، یونانی توہمات، ایرانی تخیلات، ہندوانہ نظریات اور دیگر غیر اسلامی اعتقادات کا معجون مرکب بن چکا تھا۔ دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کا یہ تصوف ابتدائی صدیوں کے اسلامی تصوف سے بہت کچھ منحرف ومختلف نظر آرہا تھا۔ غرضیکہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہء وحدت الوجود کے پردہ میں الحاد وحلول کی تعلیم دی جانے لگی تھی۔

توحیدِ وجودی اور توحیدِ شہودی کے درمیان فرق

توحید وجودی اور شہودی کے درمیان فرق کے متعلق چند اُمور اجمالاً پیش خدمت ہیں تاکہ نفسِ مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

- توحید وجودی فنا سے پہلے حاصل ہوتی ہے۔
- توحید شہودی فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے۔
- توحید وجودی میں سالک ماسوا کی نفی کرتا ہے اور ہر چیز کو وجوب کے عنوان سے دیکھتا اور ہمہ اوست (سب کچھ اللہ ہی ہے) کہتا ہے۔
- توحید شہودی میں سالک مرتبہ حق الیقین تک پہنچ کر صحو اور بقا سے مشرف ہوتا ہے اور ممکن کو ممکن اور واجب کو واجب جانتا ہے۔
- توحید وجودی ایک کو موجود جاننا اور اس کے غیر کو معدوم سمجھنا ہے۔
- توحید شہودی ایک دیکھنا ہے یعنی یہ کہ سالک کا مشہود سوائے ایک کے کوئی نہ ہو۔

گویا توحیدِ وجودی اور شہودی میں اتنا فرق ہے جتنا جاننے اور دیکھنے یعنی علم اور عین میں ہوتا ہے لہٰذا توحید وجودی علم الیقین کے قبیل سے ہے اور توحید شہودی عین الیقین اور حق الیقین کے قبیل سے ہے۔ (فافهم وتدبر)

اب یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختصار کے ساتھ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ توحیدِ وجودی اور شہودی کا بیان اور ان کے درمیان فرق بیان کیا جائے (وَبِاللهِ التَّوْفِيْقُ)

شیخ اکبر کا نظریۂ توحید

توحید کے بارے میں حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ وجود ایک ہے اور وہ اللہ ہے اور وہی موجود ہے باقی ہر چیز فقط اس کا مظہر ہے۔ ان کے نزدیک ذات وصفات میں عینیت ہے۔ ان میں جو فرق ہے وہ جوہر اور عرض کے فرق کی طرح ہے عالم اس کی صفات کی محض تجلی ہے۔

اس نظریہ کو ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں واضح فرمایا ہے کہ وجود، وجودِ مطلق ہے اور مراتب وحدت میں یہ مرتبہ لاتعین ہے۔ وحدت اپنے تعینات یا تنزلات میں پانچ مراتب سے گزرتی ہے جنہیں تنزلات خمسہ یا حضراتِ خمس کہتے ہیں۔

ذات وصفات

حضرت شیخ اکبر اور ان کے اتباع کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات، اس کی عین ذات ہیں اور اسماء وصفات آپس میں بھی ایک دوسرے کی عین ہیں مثلاً علم اور قدرت جس طرح یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ کی عین ذات ہیں اسی طرح یہ دونوں صفتیں آپس میں بھی ایک دوسرے کی عین ہیں۔

مقام غیب الغیب میں کسی نام اور کسی طریقہ سے تعدد، تکثر، تمایز، تباین نہیں ہے۔

عالم اور خدا

حضرت شیخ اکبر کا مسلک یہ ہے کہ عالم اور خدا میں عینیت کی نسبت ہے۔ اس عینیت کو ظاہر کرنے کے لئے وہ یا تو عالم کی نفی سے ابتداء کرتے ہیں یا خدا کے اثبات سے۔ وجودِ عالم کی نفی سے ان کی مراد یہ ہے کہ عالم برائے نام، غیر حقیقی اور وہمی وجود ہے جو خارج میں معدوم ہے، موجود صرف خدا ہے۔ عالم یا کثرت کا وجود صرف تجلیاتِ وحدت کی حیثیت سے ہے یا اس کے تعینات کی حیثیت سے، بذاتِ خود عالم کا کوئی وجود نہیں۔ اَلْاَعْیَانُ مَاشَمَّتْ رَائِحَةً مِنَ الْوُجُوْدِ (فصوص الحکم کلمہ ادریسیہ) یعنی اعیانِ ثابتہ (حقائق اشیاء) نے وجودِ خارجی کی بو تک نہیں سونگھی۔

حضرت امام ربانی کا نظریۂ توحید

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے ارتقائی سلوک کے مدارج کی ترتیب کو مدنظر رکھتے ہوئے اب ہم شیخ اکبر کے نظریۂ توحید پر امام ربانی کی تنقید اور مخالفت کے دلائل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ امر ملحوظ رہے کہ شیخ اکبر اور امام ربانی دونوں کے بیانات ونظریات استدلال علمی وعقلی کے علاوہ کشف وشہود کے اصولوں پر مبنی ہیں، فرق صرف استدلال اور کشف کی صحت اور عدم صحت کا ہے۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ قبل ازیں حضرت امام ربانی، ارتقائے سلوک میں خود وحدت الوجود کے مقام سے گزر چکے تھے اور مرتبۂ وحدت الوجود ایک روحانی و کشفی ادراک کی حیثیت سے آپ کیلئے متحقق ہو چکا تھا۔ آپ اس کو وجودیت کا ابتدائی

مرتبہ سمجھتے تھے، مقام ظلیت میں پہنچ کر بھی آپ نے وہاں قرار نہ پکڑا، اگر آپ نے تسکین پائی تو مقام عبدیت میں پائی۔ چنانچہ آپ پر حق الیقین کے طور پر واضح ہو گیا کہ وحدت الوجود ایک متوسط اور عبوری مقام ہے، تو آپ نے ایک عارفِ کامل اور صاحبِ کشف واجتہاد کی حیثیت سے شیخ اکبر اور دوسرے صوفیائے وجودیہ کے اس نظریہ پر نقد ونظر کا آغاز فرمایا اور اس کشف وشہود کو جس پر توحید وجودی کی بنیاد رکھی گئی تھی، سکریہ اقوال و احوال قرار دے کر توحید خالص کا وہ قرآنی نظریہ پیش فرمایا جو وحدت الوجود سے یکسر متضاد تھا اور جس کی تعبیر آپ نے وحدت الشہود سے فرمائی اور اسی نظریہ توحید کو آپ نے وحی الٰہی کا ماخذ اور توحید کا اصلی اسلامی تصور قرار دیا۔ آپ کی اس کشفی اور استدلالی تخلیق وتحقیق نے عجمی تصوف کا رخ اسلامی تصوف کی طرف موڑ دیا اور عالم اسلام میں ایک زبردست فکری، کشفی اور روحانی انقلاب برپا کر دیا۔ آپ کا پیش کردہ نظریہ وحدت الشہود آپ کی زندگی میں ہی عالم اسلام کی اکثریت نے قبول کر لیا تھا اور آپ کے بعد اہل تصوف میں آج تک کوئی بھی قابل ذکر آواز اس نظریہ کے خلاف نہیں اٹھی، گو دوسرے سلاسل کے بعض متصوفین وحدت الوجود پر قائم رہے لیکن حضرت امام ربانی کی تردید یا تغلیط کی کسی کو جرأت نہ ہو سکی۔ کیونکہ آپ کے استدلالاتِ علمی وکشفی مبنی بر کتاب وسنت ہیں اور علمائے اہل سنت کے اعتقاداتِ صحیحہ کے عین مطابق ہیں۔ والحمد للہ علی ذالک

ذات وصفات

شیخ اکبر کے نزدیک ذات اور صفات میں عینیت ہے۔ امام ربانی فرماتے ہیں کہ اگر ذات وصفات عین یک دیگر ہیں اور اگر عالم تجلیٔ صفات ہے تو ان دونوں قضیوں کا لازمی نتیجہ وحدت الوجود ہے حالانکہ دونوں قضیے غلط ہیں پہلا قضیہ اس لئے غلط ہے کہ

صفات عین ذات نہیں بلکہ زائد علی الذات ہیں۔ متکلمین ماترید یہ کا یہی مذہب ہے۔ حضرت امام ربانی ان کے ہمنوا ہیں کیونکہ یہ صفات کمالاتِ ذاتیہ کے علاوہ زائد برذات متصور ہوئی ہیں۔ پس یہ صفات اضافی ہیں اور تخلیق عالم کی نسبت وجود میں آئی ہیں۔ یہ امر کشف صحیح سے معلوم ہوا ہے اور وحی کے مطابق بھی یہی حق ہے۔ ارشاد خداوندی ہے اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ (العنکبوت ۲۹:۶) یعنی اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔ (دفتر سوم مکتوب: ۲۶، ۱۰۰، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۴)

پس اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں کامل ہے اس کی ذات، صفات سے تکمیل نہیں پاتی کیونکہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے موجود، حیّ، قیوم، قدیر، علیم، بصیر، سمیع، کلیم اور مکوّن ہے۔ آپ کے نزدیک عالم، ظلِ صفات ہے اور صفات ظلِ ذات۔ تعینات یا تنزلات کے قول سے آپ احتراز کرتے ہیں کیونکہ اس سے عینیت کا احتمال ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں عقل صحیح کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ صفات، ذات کے علاوہ ہوں۔ (**فافهم**)

دوسرا قضیہ اس لئے غلط ہے کہ عالم تجلیٔ صفات نہیں بلکہ ظلِ صفات ہے کیونکہ اگر عالم تجلیٔ صفات ہوتا تو وہ عینِ صفات ہوتا حالانکہ صفات کامل ہیں اور عالم نقص سے بھرا ہوا ہے۔ مثلاً خدا کی صفتِ علم کی کوئی مماثلت انسان کی صفت علم سے نہیں کہ ایک کو دوسرے کی تجلی کہا جا سکے نیز امام ربانی کے نزدیک یہ بھی کشف صحیح سے ثابت ہوا ہے کہ عالم تجلیٔ صفات نہیں بلکہ ظلِ صفات ہے۔ علاوہ ازیں وحی خداوندی بھی اسی کشف کی صحت کی خبر دیتی ہے۔ مثلاً سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ (الصافات: ۱۸۰) یعنی پاک ہے تیرا رب ان صفات سے جن سے وہ اس کی صفت وثناء کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ صفاتِ انسانی اور صفاتِ خداوندی میں کوئی مماثلت نہیں۔

(دفتر دوم مکتوب: ۱، دفتر سوم مکتوب: ۱۱۰)

عالم اور خدا

حضرت شیخ اکبر عالم اور خدا میں عینیت ثابت کرتے ہیں جب کہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خارج میں حقیقی وجود صرف ذات خدا کا ہے اور عالم کو وجودِ خارجی عطا ہوا ہے اور یہ وجود، نمود بے بود، سے زیادہ نہیں تاہم یہ نمود ایسی بھی نہیں جو ہمارے وہم وتخیل پر منحصر ہو بلکہ وہ اپنے آپ موجود ہے۔اس کی مثال شعلہ جوالہ کی طرح ہے جیسے ایک لکڑی کے سرے کو آگ لگا دیں پھر لکڑی کے دوسرے سرے کو پکڑ کر تیزی سے گھمائیں، رات کے وقت دور سے دیکھنے والے کو آگ کا ایک دائرہ نظر آئیگا۔اب اگر اس دائرہ (نمود) کو کسی طریقے سے مستقل اور فی نفسہ قائم کر دیا جائے تو عالم کا وجود اس دائرہ جیسا ہوگا۔(دفتر سوم مکتوب:۵۸)

عالم اور خدا کے مابین عینیت ثابت کرنا، اسی قسم کی غلطی ہے جیسے کوئی صاحب کمال اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرنے کیلئے ایسے حروف اور آوازیں ایجاد کرے جو اس کے کمالات پر دلیل ہوں اس پر کوئی یہ کہنے لگے کہ یہ حروف اور یہ آوازیں اس موجد کا عین ہیں۔ (دفتر اول مکتوب:۳۱)

حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ عالم اور خدا کے مابین اس کے سواء اور کوئی نسبت نہیں کہ خدا خالق ہے اور عالم مخلوق ہے اور خالق کے پوشیدہ کمالات پر دلیل ہے۔

تنزیہہ وتشبیہہ

شیخ اکبر تنزیہہ وتشبیہہ دونوں سے توحید کا اثبات کرتے ہیں۔جیسا کہ آپ فصوص الحکم کلمہ نوحیہ میں رقم طراز ہیں:

فان قلت بالتنزیه کنت مقیدا   وان قلت بالتشبیه کنت محددا

وان قلت بالامرین کنت مسددا و کنت اماما فی المعارف وسیدا

تنزیہہ کا معنی ہے ''پاک کرنا'' علم کلام کی اصطلاح میں یہ لفظ اس مفہوم کو ظاہر کرتا ہے کہ خدا کی ذات میں مخلوق کی صفات کا اثبات نہیں کیا جا سکتا۔ تشبیہ کا معنی ہے ''مشابہت دینا'' علم کلام کی اصطلاح میں خالق کو مخلوق کی صفات سے متصف کرنا تشبیہہ ہے۔ شیخ اکبر کے نزدیک تنزیہہ محض یا تشبیہہ مطلق سے خدا کی ذات میں تقید پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ شیخ اکبر کا یہ فرمانا کہ اَلْاَعْیَانُ مَاشَمَّتْ رَائِحَةً مِنَ الْوُجُوْدِ (فصوص الحکم کلمہ ادریسیہ)

''یعنی اعیانِ خارجی نے وجود کی بو تک نہیں سونگھی'' تو پھر تنزیہہ کرنے میں تحدد و تقید کیوں پیدا ہو سکتا ہے؟ خدا تو موجود ہے اور عالم موہوم، اور متخیل محض اور نفس الامر میں غیر موجود، ایسی صورت میں اگر تحدید و تقیید کا واقع ہونا تسلیم کیا جائے تو مطلب ہوگا کہ موجود کی تحدید موہوم سے ہو سکتی ہے۔ یہ کہنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہہ دے کہ خدا کا وحدہٗ لاشریک ہونا اس سے باطل ہو جاتا ہے کہ اس کے شریک کا تخیل کیا جا سکتا ہے۔ (دفتر سوم مکتوب: ۴۷)

دوسرے یہ کہ اگر تنزیہہ و تشبیہہ کو ملایا جائے تو ماسوی اللہ باقی نہیں رہتا۔ ارشاد قرآنی قُلْ یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران ۳: ۶۴) سے ثابت ہوا کہ ماسوی اللہ وجود رکھتا ہے (اور ماسوی اللہ کی عبادت شرک ہے)۔

تیسرے یہ کہ جو لوگ تنزیہہ کے ساتھ تشبیہہ کو ملاتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ ذات ہمارے عقل و ادراک سے بالاتر ہے اور جسے وہ تشبیہہ خیال کرتے ہیں وہ ان کے وہم و تخیل کے تراشے ہوئے بت ہیں، جنہیں ان لوگوں نے غلطی سے خدا تصور کر لیا

ہے۔ وہ ذات اس سے بالاتر ہے کہ ہمارے کشف وشہود میں آ سکے......

(دفتر سوم مکتوب: ۹)

نیز حضرت امام ربانی فرماتے ہیں:

دعوت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات بہ تنزیہہ صرف است و کتبِ سماوی ناطق بہ ایمانِ تنزیہی است----ہیچ شنیدۂ کہ پیغمبرے دعوت بایمانِ تشبیہ نمودہ است وخلق را ظہورِ خالق گفتہ (دفتر اول مکتوب: ۲۷۲)

(یعنی) تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے (توحید کے بارے میں) تنزیہہ صرف کی دعوت دی ہے اور تمام آسمانی کتابیں ایمان تنزیہی پر ناطق ہیں ......آج تک کسی نے نہیں سنا کہ کسی پیغمبر علیہ السلام نے لوگوں کو توحیدِ تشبیہی پر ایمان لانے کی دعوت دی ہو اور خلق کو خالق کا ظہور قرار دیا ہو۔

اصل اور ظل

حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے وحدت الوجود کی بنیاد اصل اور ظل کی عینیت پر رکھی ہے۔ (جیسا کہ حضرت ابن عربی نے فصوص الحکم کلمہ یوسفیہ میں بیان فرمایا وَاَعْیَانُنَا فِیْ نَفْسِ الْاَمْرِ ظِلُّہٗ لَاغَیْرُہٗ) حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظلِ شیٔ، عین شیٔ نہیں ہوسکتا۔ ظل تو اصل کے مشابہ و مماثل ہوتا ہے۔ خدا اور عالم کی نسبت کے باب میں اگر اصل اور ظل کی نسبت پر قیاس کیا جائے تو ظل ممکن ہے اور اصل واجب...... ممکن کی حقیقت عدم ہے اور واجب کی حقیقت وجود، پس اصل اور ظل کو عین یک دیگر نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً اگر کسی شخص کا سایہ دراز ہو جائے تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ شخص دراز ہو گیا۔ اول تو عالم خدا کا ظل ہی نہیں اور اگر عالم کو خدا کا ظل مان بھی لیا جائے تو عینیت متحقق نہیں ہوتی۔

(دفتر اول مکتوب: ۲۹۰، دفتر اول مکتوب: ۱۶۰)

اصل اور ظل کا معنی ہیں ''شیٔ اور اس کا سایہ''۔ حضرت شیخ اکبر نے اس کو نمود کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ ظل، انعکاس یا پرتو کی حیثیت سے بھی متصور ہوتا ہے جو قریباً تجلی یا ظہور کا مترادف ہے۔ حضرت امام ربانی کے نزدیک ابتداءً اس کے معنی سائے کے ہیں جو شیٔ سے مشابہت رکھتا ہے لیکن جوں جوں وہ ترقی کرتا جاتا ہے ظل کی حیثیت محض سایہ کی ہوتی جاتی ہے اور یہ لفظ کم حیثیت اور نمود بے بود ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ انجام کار ظل کے معنی صرف نتیجہ کے رہ جاتے ہیں۔

انسان اور خدا

حضرت امام ربانی کے نزدیک حدیث خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (صحیح البخاری، باب بدء السلام، رقم الحدیث: ۵۸۷۳) کی جو تاویل شیخ اکبر نے کی ہے وہ بھی غلط ہے۔ اس کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ صفات خالق مجسم ہوگئیں اور انسان کی صورت اختیار کرلی ہے بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ خدا اور روح انسانی دونوں لامکانی ہیں اور اس حیثیت سے وہ ایک دوسرے کے مماثل ہیں (دفتر اول مکتوب: ۲۸۷)۔ ورنہ خدا اور انسان میں تو بڑا فرق ہے اور وہ اس طرح کا فرق ہے جیسے ایک مکڑی میں جو جالا تنتے اور ایک ایسے وجود میں، جس کی ایک پھونک سے سارا نظام زمین وآسمان درہم برہم ہو جائے، انسان اور خدا تو عین یک دیگر ہو ہی نہیں سکتے۔ (دفتر اول مکتوب: ۳۱۰)

امام ربانی کے نزدیک انسان روح سے عبارت ہے اور روح عالم امر سے تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا اس کے وجود کی نوعیت خلق سے مختلف ہے لیکن وہ کسی دوسری ہستی سے متفرع نہیں۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (بنی اسرائیل: ۸۵)

حضرت شیخ اکبر نے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ' کی تاویل میں جو اپنے نفس کی معرفت کو خدا کی معرفت قرار دیا ہے (فصوص الحکم کلمہ ابراھیمیہ) اس کے معنی

یہ نہیں کہ انسان اور خدا عین یک دیگر ہیں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جو شخص اپنی فطرت کے نقائص اور عیوب کو محسوس کر لیتا ہے وہ (اس حقیقت کو) پالیتا ہے کہ فضائل اور کمالات صرف خدا کی ذات میں ہیں اور اسی کے فضل سے ہم میں پیدا ہو سکتے ہیں وہی فضائل اور کمالات کا مجتمع اور سرچشمہ ہے۔ (دفتر اول مکتوب: ۲۳۴)

حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ معیت، قرب، سریان اور احاطہ کی حقیقتیں ہمارے فہم وادراک سے بالاتر ہیں اور ذات حق تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔ گو ایک مقام پر آپ کا رجحان صرف اس قدر پایا جاتا ہے کہ ان عنوانات سے مراد قرب واحاطہ ذاتی نہیں بلکہ قرب واحاطہ علمی مراد ہے۔ **(واللہ اعلم بالصواب)**

اور جن لوگوں نے قرب واحاطہ ذاتی مراد لیا ہے وہ غلبۂ حال اور سکرِ وقت پر مبنی ہے۔ وہ سالک جو مقام صحو سے بہرہ یاب ہو جاتے ہیں ان علوم سے بیزار ہو جاتے ہیں حضرت امام ربانی کو بھی اثنائے سلوک میں یہ سکری احوال ومعارف حاصل ہوئے تھے لیکن آخر کار وہ ان معارف سے گزر گئے۔

حضرت امام ربانی نے کتاب وسنت کی روشنی میں مسئلہ توحید کو اس جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ اس کے مقابلے میں نظریہ وحدت الوجود صرف نظری اور فکری بحثوں اور فلسفیانہ موشگافیوں کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے بعد کوئی ایسا بلند پرواز صوفی اور عارف آج تک پیدا نہیں ہوا جس نے اس مسئلہ کا کشفی اور شہودی بنیادوں پر کوئی قابل ذکر حل پیش کیا ہو۔ ہاں اتنا ضرور ہوا کہ کچھ صوفی اپنے تصلب کی بناء پر نظریہ توحید وجودی پر جوں کے توں قائم رہے۔ لیکن عالم اسلام کی اکثریت نے آپ کی انہی تجدیدی خدمات کے پیش نظر آپ کو الف ثانی کا مجدد تسلیم کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود اظہارِ اختلاف کے کوئی عالم اور صوفی آپ کے دلائل علمیہ اور حقائق کشفیہ کا

سامنا نہیں کرسکا اور بقول علامہ اقبال مرحوم

ع تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ

حضرت امام ربانی کے بعد پہلا شخص جس نے اس بحث پر تقریر کی وہ شاہ ولی اللہ ہیں جو حضرت امام ربانی کے قریباً ایک صدی بعد ہوئے۔ شاہ ولی اللہ ایک بڑے سرکردہ صوفی، عالم دین اور صاحبِ باطن شمار ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب نے قریباً ۱۱۴۲ھ میں ایک رسالہ لکھا، جس کا نام "فیصلہ وحدت الوجود والشہود" ہے۔ اس رسالہ میں جو مکتوب مدنی کے نام سے مشہور ہے، شاہ صاحب نے حضرت ابن عربی اور حضرت امام ربانی کے نظریہء توحید میں تطبیق ثابت کی ہے۔ یعنی یہ بتایا کہ حقیقتاً ان دونوں بزرگوں کے خیالات میں کوئی فرق نہیں اور ان کا نزاع فی الواقعی نزاع لفظی ہے۔ اس تطبیق کی ابتداء شاہ صاحب نے اس دعویٰ سے کی ہے کہ مجھے تطبیق کا علم عطا کیا گیا ہے۔ لیکن ان کے بیان سے متبادر ہوتا ہے کہ وہ یہ تقریر بر بنائے کشف وشہود نہیں کررہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عربی اور حضرت امام ربانی کے بیانات کو سامنے رکھ کر ایک حکم کی حیثیت سے تقریر کررہا ہوں اور یہ میری تقریر ان دونوں بزرگوں کے بیانات کی فقط توجیہہ ہے۔ شاہ صاحب کی سعی تطبیق سے بہت بڑی بحث پیدا ہوگئی جو مدت تک جاری رہی۔ بہرحال حضرت امام ربانی کے نظریہ توحید شہودی کے اکثر قائلین نے آج تک شاہ ولی اللہ کے نظریہ تطبیق کو تسلیم نہیں کیا۔

شاہ ولی اللہ کا نظریہ تطبیق

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ذوقِ صحیح سے ادراک ہوتا ہے کہ وجود ایک

شئ ہے، قائم بنفسہ اور مُقَوّم لِغَیْرِہٖ، یہ وجود مُنْبَسِط ہے جو صور موجودات اختیار کر لیتا ہے اور اس وجود میں تنزلات واقع ہوتے ہیں۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں وجود مُنْبَسِط محسوس اور معقول میں مشترک ہے، یہی وہ مفہوم ہے جس کی بناء پر وہ معدوم کا غیر ہے۔ (فیصلہ وحدت الوجود والشہود: ۲۳) وہ وجود لا بشرط شئ ہے، وہ ہیولیٰ ہے۔ تمام موجودات کا دوسرے مرتبے میں وہ وجود بشرط لا ہے۔ جیسے انسان اور فرس اور تیسرے مرتبے میں وہ وجود بشرط شئے ہے جیسے ارسطو، اور یہی وحدتِ وجود ہے۔ (فیصلہ وحدت الوجود والشہود: ۷)

اور جس چیز کا نام وحدت شہود ہے وہ یہ ہے کہ اسماء وشیون منعکس ہو گئے ہیں اعدام متقابلہ میں اور اس طرح ممکن وجود میں آ گیا لیکن استعارے اور تشبیہ سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو اس کے معنی فقط یہ نکلتے ہیں کہ واجب کامل ہے اور ممکن ناقص اور ضعیف و بے حقیقت اور یہ سمجھنا کہ حقائق ممکنات اسماء وصفات ہیں جو مرتبۂ علم میں متمیز ہو گئے ہیں یا یہ سمجھنا کہ حقائق ممکنات اسماء وصفات ہیں جو اعدام متقابلہ میں مُنْطَبِع ہو گئے ہیں بعینہٖ ایک ہی بات ہے۔ ان میں اگر کچھ فرق ہے بھی تو وہ اتنا کم ہے کہ صاحبانِ تَفَحُّص اسے خاطر میں نہیں لاتے، پس شیخ مجدد کا یہ سمجھنا کہ وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود میں تباین ہے فقط تسامح ہے۔ ابن عربی کا مذہب بھی وہی ہے جو شیخ مجدد کا ہے۔ وحدت وجود اور وحدت شہود میں محض نزاع لفظی ہے۔

(فیصلہ وحدت الوجود والشہود: ۲۹)

یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے دونوں نظریات میں تطبیق اس دور کے حالات کے پیش نظر فرمائی ہو تا کہ مسلمانوں میں وحدت فکری کا رجحان بیدار ہو سکے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

حضرت خواجہ میر ناصر عندلیب رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ میر ناصر عندلیب نے اپنی کتاب نالۂ عندلیب (۱۱۵۴ھ) میں فرمایا ہے کہ وحدتِ شہود قرین صواب ہے۔ گو کیفیت وحال کے اعتبار سے دونوں کا منشاء ایک ہی کیوں نہ ہو۔ ان کے نزدیک جب وحدت الوجود کا نظریہ ہی غلط ہے تو وہ تطبیق کا تصور بھی نہیں مانتے۔

حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ

اس تقریر کی توضیح مزید ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ میر درد نے پہلے اپنی کتاب ''وارداتِ درد'' کی شرح میں لکھی۔ واضح ہو کہ ان دونوں بزرگوں کی تقریر کشف وشہود پر مبنی ہے اور خواجہ میر درد اپنی کتابوں کو لفظ بلفظ الہامی فرماتے ہیں۔ خواجہ میر درد فرماتے ہیں کہ وحدتِ وجود کے صحیح معنی فقط یہ ہیں کہ موجود بالذات صرف وہی ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ واجب اور ممکن کی ماہیت ایک ہے اور عبد اور معبود ایک دوسرے کا عین ہیں یا خدا کلی طبیعی کی طرح اپنے افراد میں موجود ہے کہ یہ سراسر زندقہ ہے اور اس معنی میں وحدتِ وجود کا عقیدہ اکابر صوفیاء کے ٹھیک مفہوم کو نہ سمجھنے پر مبنی ہے۔ مذہب میں توحید وجودی کی بایں معنی کوئی اہمیت نہیں کہ وجود، موجودات میں ساری ہے کیونکہ ''کثرت میں وحدت'' جو عوام کی زبان پر ہے اور ہر ہندو جوگی اس پر گفتگو کرتا ہے اس کے لئے ایمان کوئی شرط نہیں۔ وہ تو بالکل ایک متبذل مسئلہ ہے۔ ذرا سا سمجھا دینے سے سمجھ میں آجاتا ہے ایسا عقیدہ انبیاء کی بعثت کا مقصود نہیں ہوسکتا۔

(علم الکتاب: ۴۶۵)

دوسرا مسئلہ وحدت شہود ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ذات واجب کے بغیر موجوداتِ ممکنہ کا وجود نہیں ہوسکتا اور جملہ موجودات اسی ایک ذات کے نور سے موجود

ہیں۔ اکثر ناواقف جو شیخ مجدد کے کلام کی حقیقت کو نہیں سمجھے، اپنے گمان میں انہیں ظل کا قائل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ رائے محض وسطِ سلوک میں تھی، اکثر صوفیائے خام و ناتمام جو اپنے زعم میں اپنے آپ کو عارفِ کامل سمجھتے ہیں شیخ مجدد کی تصانیف کو دیکھ کر جن میں اثنینیت اور ''ہمہ از وست'' کا بیان ہے خیال کرتے ہیں کہ وہ حقیقت سے ناواقف تھے اور کیونکہ مسئلہ توحید بہت مشکل ہے اور وہ ان پر پوری طرح منکشف نہیں ہوا تھا مگر وہ یہ نہیں سمجھتے کہ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ کے مطابق ''ہمہ از وست'' کی تصدیق وحی سے ہوتی ہے۔ اس لئے ''ہمہ اوست'' غلط ہے اور ''ہمہ از وست'' صحیح۔

(علم الکتاب: ۱۸۴ تا ۱۸۷)

اگرچہ کیفیت اور حال کے اعتبار سے دونوں کا مقصود ایک ہی ہے یعنی قلب کا ماسوا کی گرفتاری سے آزاد کرنا۔ پس اگر کوئی ان دونوں کیفیات میں سے کسی ایک سے یا دونوں سے مشرف ہو جائے تو ایک ہی بات ہے۔ وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود دونوں مسائل بعد میں پیدا ہوئے ہیں، بعض صوفیوں نے وحدتِ وجود کو قرآن و احادیث کی تاویلات سے ثابت کیا جبکہ نظریہ وحدتِ شہود صریح آیاتِ قرآنیہ و صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اکثر صوفیائے وجودیہ اپنے عقل و وجدان کے تابع ہیں اور بمرتبۂ اولیٰ اپنی تحقیق پر اعتماد رکھتے ہیں اور فقط بمرتبۂ ثانی نقل کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ کی کمزوری تبعیت کرتے ہیں اور آیات و احادیث کو اپنے مذاق کے مطابق بنا لیتے ہیں۔ گویا حقیقت میں شریعت سے انہیں کوئی سروکار نہیں بلکہ جو کچھ اپنی عقل و وجدان سے معلوم ہوا وہ ان کے نزدیک ثابت ہوا۔ شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کا یہ اتباع بذاتِ خود ان کے پیشِ نظر نہیں ہوتا۔ وہ اپنے خیال میں گمان رکھتے ہیں کہ ہم نفس واقعہ کا ادراک کر رہے ہیں اور ہمارا مقصود اس امر کی تحقیق کرنا ہے کہ فی الواقعہ ممکن عین

واجب ہے یا اس کا غیر اور مخلوق عین خالق ہے یا اس کا غیر اور اس امر کے سمجھنے میں ان کی اپنی عقل ان کا مقتداء ہے اور وہ دلائل عقلی سے اپنی راہ چلتے ہیں اور ایمان کو بہ تکلف اپنے ساتھ گھسیٹے چلے جاتے ہیں۔

لیکن صوفیائے شہود یہ بیشتر بمرتبہء اولیٰ تابع شرع ہوتے ہیں اور اصل میں شریعت کے مطابق اعتقاد رکھتے ہیں۔ وہ فقط بمرتبۂ ثانی شرع کے ضمن میں جس قدر اپنی عقل کو دخل دے سکتے ہیں، دیتے ہیں۔ گویا درحقیقت انہیں عقل سے کوئی سروکار نہیں بلکہ جو کچھ خدا اور رسول ﷺ نے فرمادیا ہے وہی ان کے نزدیک متحقق ہے۔ وہ دل میں بھی یہی یقین رکھتے ہیں کہ جس چیز کی خبر خدا اور رسول ﷺ نے دی ہے امر واقعہ وہی ہے اور ہمارا کام یہ نہیں کہ تحقیق کریں کہ واجب اور ممکن ایک دوسرے کے عین ہیں یا غیر۔ یہ لوگ نور ایمان میں اپنا راستہ طے کرتے ہیں اور عقل کو بتکلف اپنے ساتھ گھسیٹے لیے چلے جاتے ہیں۔

پس ہمیں توحیدِ محمدی ﷺ کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ خدا قدیم اور موجود بالذات ہے، وہ موجودات سے خارج میں ہے اور وجود کلی طبیعی کی طرح ان کے ضمن میں موجود نہیں۔ حق یہ ہے کہ وجودِ باری بنفس خود قائم ہے مع اپنی صفات کے جو اس کے کمالات ہیں اور موجوداتِ ممکنہ کے پیدا ہونے سے ان کی ذات میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا نہ ان کے نابود ہونے سے کوئی کمی واقع ہوتی ہے۔ **كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَّعَه' شَيْءٌ اَلْاٰنَ كَمَا كَانَ** (علم الکتاب:۱۸۶)

حضرت علامہ محمد یوسف بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ

۱۱۶۲ھ میں علامہ میر محمد یوسف بلگرامی نے "اَلْفَرْعُ النِّهَايَتِ مِنْ اَصْلِ

الثَّابِتِ'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں مسئلہ وحدت وجود اور وحدت شہود پر گفتگو کی ہے۔ علامہ موصوف اپنی تقریر کی بناء قرآن اور حدیث پر رکھتے ہیں اور وحدت وجود کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کا شہود، جس کے صوفیاء وجود یہ مدعی ہیں اسلام کی رو سے اس زندگی میں محال ہے۔ یہ رسالہ دونوں مسلکوں کے قرآن و حدیث سے ماخوذ ہونے پر ایک سیر حاصل بحث اور تبصرہ ہے۔ بہر کیف اگرچہ رسالہ نہایت عالمانہ ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی گئی اس رسالہ کا ایک ہی نسخہ موجود ہے جو مصنف کے اپنے قلم کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے اور علی گڑھ یونیورسٹی لائبریری کے ''سبحان اللہ'' سیکشن میں محفوظ ہے۔ (ایضاً ص:۴۰۹ تا ۴۱۰)

حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریہ تطبیق کے مخالفین میں حضرت مرزا مظہر کا نام سرفہرست ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب تفسیر مظہری آپ کے مرید خاص تھے اور آپ ہی کے نام سے اپنی تفسیر بھی منسوب کی ہے۔ مرزا مظہر تین واسطوں سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم ربانی اور صوفی شمار ہوتے تھے آپ اپنے دور میں سلوک مجددیہ کے سب سے بڑے داعی تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ انہیں قیم طریقہ احمدیہ لکھا کرتے تھے۔

حضرت علامہ غلام یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ

مولانا غلام یحییٰ (متوفی ۱۱۹۵ھ) علوم عقلیہ و دینیہ کے فاضل تھے۔ پہلے لکھنو میں درس دیا کرتے تھے۔ آپ فلسفی اور محقق تھے۔ فلسفہ کی کتابوں کی بہت سے شرحیں اور حاشیے مرتب فرمائے۔ آخرکار فلسفہ سے دست بردار ہو کر راہ سلوک اختیار کی اور مرزا

مظہر جانِ جاناں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ آپ ہی کے ایماء پر علامہ غلام یحییٰ نے حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریہ تطبیق کی تردید پر قلم اٹھایا اور ۱۱۸۴ھ میں رسالہ ''کلمۃ الحق'' لکھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود حقیقتِ اشیاء اور حادث وقدیم کے مابین ربط کو ظاہر کرتے ہیں اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے، سراسر غلط ہے۔ ان دونوں مسلکوں کے درمیان تو کوئی تطابق کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ وحدت وجود کی بناء عالم اور موجد عالم کے مابین عینیت پر ہے اور وحدت شہود کی رو سے واجب اور ممکن کے درمیان غیریتِ تامہ ہے۔

اولاً ...... یہ کہ حقائقِ اشیاء وجودیوں کے نزدیک اعیانِ ثابتہ یعنی اسماء وصفات کے تعینات ہیں اور وحدت شہود کی رو سے جو شیخ مجدد کا مذہب ہے حقائق ممکنات عکوس ہیں اسماء وصفات کے جو ان کے اعدام متقابلہ میں مُنْتَبِعْ ہو گئے ہیں۔ ان دونوں مذہبوں میں بڑا فرق ہے۔ پہلے کے اعتبار سے ممکنات اسماء وصفات کے عین ہیں۔ دوسرے کے اعتبار سے وہ اسماء وصفات کے غیر ہیں کیونکہ وہ ظل ہیں اسماء وصفات کے اور ظل اصل کا عین نہیں ہوتا۔

ثانیاً...... یہ کہ شاہ ولی اللہ کا کہنا کہ اس باب میں شیخ مجدد کو تسامح ہوا یہ بھی سراسر غلط ہے کیونکہ شیخ مجدد کو واجب اور ممکن کی غیریت پر اصرار بلیغ ہے۔ ان کی عینیت کو وہ الحاد وزندقہ سمجھتے ہیں اور اس اصرار سے ان کے مکتوبات بھرے پڑے ہیں۔

ثالثاً... یہ کہ وحدت وجود کی رو سے خدا کی ذات میں تغیر واقع ہوتا ہے اور وہی ذات بصورتِ تعینات عالم بن جاتی ہے اور وحدتِ شہود کی رو سے عالم کی تخلیق سے خدا کی ذات میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا اور وہ بحالِ خود موجود رہتا ہے۔ ان دونوں مذہبوں میں اتنا بڑا فرق ہے کہ نہ تو ایک کو دوسرے پر محمول کیا جا سکتا ہے اور نہ ان

دونوں میں کوئی مطابقت ممکن ہے۔ علاوہ ازیں مولانا غلام یحییٰ کی تقریر سے متبادر ہوتا ہے کہ انہیں شاہ ولی اللہ پر یہ اعتراض بھی ہے کہ چونکہ وہ وحدت شہود کے متعلق بر بنائے کشف تقریر نہیں کر رہے لہٰذا انہیں حق نہیں کہ وہ وحدت شہود سے انکار کریں یا اس کی نسبت کہیں کہ وہ درحقیقت وحدتِ وجود ہی ہے۔ اس کی تائید ان کے مرشد حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے کلمۃ الحق کی تقریظ کے طور پر لکھا ہے۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

تیرہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ غلام علی دہلوی جو حضرت مرزا مظہر کے جانشین تھے، آپ نے فرمایا وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود کشف کے دو جدا جدا مقام ہیں۔ جو اہل سلوک ان مقامات سے گزرے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کی تطبیق محال ہے یعنی شاہ غلام علی کے نزدیک بھی شاہ ولی اللہ مقامِ وحدتِ وجود سے آگے نہیں بڑھے اور مقام وحدت شہود تک نہیں پہنچے۔ اس لئے ان کا نظریہ تطبیق حقیقت کے خلاف ہے۔

(مقاماتِ مظہری)

مختلف آراء

حضرت مولانا غلام یحییٰ کے جواب میں شاہ ولی اللہ کے چھوٹے صاحبزادے شاہ رفیع الدین دہلوی نے ''دمغ الباطل'' اور ان کے پوتے اسماعیل دہلوی نے ''عبقات'' لکھی لیکن ان دونوں کتابوں کی تقریریں کشف و شہود پر مبنی نہیں بلکہ محض حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریہ تطبیق کی حمایت پر مشتمل ہیں۔

بعد میں شاہ اسماعیل دہلوی نظریہ وحدت الوجود کے خلاف ہو گئے تھے اور سید

احمد بریلوی کے گروہ میں شامل ہو کر نظریہ وحدت الشہود کے قائل ہو گئے تھے۔ سید احمد بریلوی تو نظریہ وحدت الوجود کو ملحدین وجودیہ کی بدعت سے تعبیر کرتے تھے۔ انہوں نے بھی نظریہ وحدت الشہود کو کشف وشہود کی بناء پر صحیح قرار دیا ہے۔ (صراط مستقیم)

علامہ فضل حق خیر آبادی جو اپنے وقت میں فلسفہ کے امام شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے وحدت الوجود کی تائید میں ایک رسالہ ''روض المجود'' لکھا۔ ان کے علاوہ علامہ عبد العلی لکھنوی نے بھی وحدت الوجود کی حمایت میں ایک رسالہ ''وحدت الوجود'' لکھا۔ چونکہ دونوں حضرات کی تقریریں کشف وشہود سے خالی اور خالص فلسفیانہ ہیں اس لئے وہ بھی خارج از بحث ہیں۔ علامہ عبد العلی لکھنوی کے رسالہ ''وحدت الوجود'' کا حاشیہ اور خاتمہ نبیرۂ امام ربانی حضرت زید ابوالحسن فاروقی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ اس میں آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریۂ تطبیق کو نا قابل تسلیم قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

کجا اثبات یک وجود واجبی لا غیر وکجا اثبات دیگر وجود امکانی، کجا قول ہمہ اوست کہ مقام جمع است وکجا گفتار ہمہ از وست کہ مقام فرق است

حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال حضرت امام ربانی کے نظریہ توحید شہودی سے بے حد متاثر تھے۔ بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ انہوں نے اپنے تصور خودی کی بنیاد حضرت امام ربانی کے تصور وحدت الشہود پر رکھی ہے۔

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال اپنے انگریزی خطبات میں تصور وحدت الشہود کی تعریف میں لکھتے ہیں:

''سترہویں صدی کا ایک گران قدر مفکر...... شیخ احمد سرہندی، ہم عصر تصوف پر

جن کی بے باکانہ تشریحی تنقید نے ایک تکنیک (نظریہ وحدت الشہود) کو جنم دیا۔صوفیاء کے مختلف سلاسل طریقت جو سنٹرل ایشیاء اور عرب سے ہندوستان آئے ان میں صرف موصوف کی وہ تکنیک ہے جس نے ہندوستانی حدود و ثغور کو عبور کیا اور آج بھی پنجاب، افغانستان اور ایشیائی روس میں ایک زندہ قوت ہے''۔

ڈاکٹر قاسم السامرائی

کتاب ''سیرتِ مجدد الف ثانی'' کے مؤلف پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (کراچی) لکھتے ہیں۔

حال ہی میں لیڈن یونیورسٹی (ہالینڈ) کے فاضل ڈاکٹر السامرائی نے ایک تنقیدی مقالہ نظر ثانی کے لئے راقم کو ارسال فرمایا ہے۔ڈاکٹر قاسم نے تصور وحدت الوجود اور نظریہ وحدت الشہود کو ایک ہی حقیقت کی دو مختلف مصطلحات قرار دینے سے اختلاف کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ یہ دونوں نظریات اپنی علیحدہ قدر و قیمت رکھتے ہیں ان دونوں میں صرف لفظی اختلاف نہیں بلکہ معنوی اختلاف بھی ہے۔

حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ توحید شہودی کو اصل توحید اور عین الیقین وحق الیقین کی منزل تک پہنچنے کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے انقطاع فنا اور نسیان کے بغیر میسر نہیں آتا اور سالک کے لئے فنا (نسیان ماسوی اللہ) ایک ضروری امر ہے اور توحید شہودی کا مرتبہ فنا ونسیان وقطع علائق کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے اور یہی عین الیقین کا مرتبہ ہے۔لیکن توحید وجودی اس راہ کی ضروریات سے نہیں ہے کیونکہ توحید وجودی علم الیقین کے مرتبے میں ہے اور علم الیقین نہ صرف علمائے ظواہر بلکہ عامۃ الناس کو بھی میسر ہے۔نیز توحید وجودی معارف قلبیہ کے وقت حاصل ہوتی ہے اور توحید شہودی فنائے نفس کے معارف سے ہے۔(فافھم)

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بعض مشائخ کے بظاہر خلاف شرع اقوال کو توحید وجودی سے تعبیر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ابن منصور الحلاج اور سلطان بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہما جیسے بزرگوں کا مرتبہ ومقام علم الیقین سے بہت بلند ہے جوکہ توحید وجودی کا ایک درجہ ہے کیونکہ یہ بزرگ دراصل عین الیقین کے مرتبے پر فائز تھے جوکہ توحید شہودی کا مقام ہے۔ اس قسم کے اقوال ان سے صادر ہونے کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب ان پر عالم وجوب کی تجلیات چمکتی ہیں اور ماسوی اللہ ان کی نظروں سے پوشیدہ ہوجاتا ہے تو اس حال کے غلبے کی بناء پر ان کی زبان سے بلا اختیار اس قسم کے الفاظ صادر ہوجاتے ہیں۔ (واللہ اعلم بحقیقه الحال) (دفتر اول مکتوب: ۴۳)

لیکن واضح رہے کہ جب اکابر مشائخ اس مقام سے گزر کر حق الیقین کے مرتبے تک پہنچتے ہیں تو حدیدُ البصر (تیز بین) ہونے کی وجہ سے اس قسم کے کلمات سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس وقت یہ اکابر توحید شہودی سے بہرہ یاب ہوتے ہیں جوکہ عقل اور شرع دونوں کے تقاضے پورے کرتی ہے۔ بخلاف توحید وجودی کے کیونکہ توحید وجودی میں عقل وشرع دونوں میں تضاد اور مخالفت قائم رہتی ہے۔ لہٰذا دانش اور شعور کا یہی تقاضا ہے کہ عقل وشرع کی باہمی مخالفت کو دور کردیا جائے۔ اسی مکتوب گرامی (دفتر اول مکتوب: ۴۳) کی اگلی سطور میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے اپنے زمانے کے ان صوفیوں کی مذمت فرمائی ہے جو توحید وجودی کو عام کرنے میں مصروف رہتے تھے اور عین الیقین کی بجائے علم الیقین ہی میں بند تھے اور مشائخ کبار کے اقوال کو اپنی مرضی کے سانچوں میں ڈھالتے اور معانی متخیلہ مراد لیتے تھے اور اپنے آپ کو مقتدائے زمانہ تصور کرتے تھے نہ وہ صاحب حال تھے نہ صاحب مقام۔ لیکن سلطان بایزید بسطامی جیسے اکابر مشائخ کے سکر یہ کلمات کو سند بنا کر اپنے بے رونق بازار کو بارونق بنانے کی فکر

میں رہتے۔ وہ توحید وجودی کے اسرار و معانی سے بھی قطعاً نابلد اور بے خبر تھے۔

افسوس کہ آج کل کے اکثر گندم نما جو فروش صوفی بھی اسی طرح کے باطل خیالات میں گرفتار ہیں اور نافہمی کی بناء پر صوفیائے کرام کے درمیان تعصب کی فضا قائم کرنے کی مذموم کوششیں کر رہے ہیں۔ (اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ شُرُوْرِھِمْ)

امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض گزشتہ زمانے کے بعض مشائخ کی عبارتوں میں جو ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن سے واضح طور پر توحید وجودی ظاہر ہوتی ہے تو ان کی ایسی باتوں پر یہ قیاس کرنا چاہئے کہ انہوں نے ابتداء میں علم الیقین کے مقام میں اس قسم کے الفاظ فرمائے ہیں اور آخر کار ان کو اس مقام سے ترقی دے کر عین الیقین تک لے گئے ہیں۔

تصور وحدت الوجود اور حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی اس طرح تشریح و تنقیح فرمائی ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں تصورات میں تضاد نہیں۔ صرف اتنا فرق ہے جتنا جاننے اور دیکھنے میں ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے دفتر اول مکتوب: ۴۳ کی ابتداء میں تصریح فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں آپ کی تعلیمات سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ تصور وحدت الوجود احوال طریقت میں سے ایک حال ہے اور مقاماتِ توحید میں سے ایک مقام ہے۔ یہ آخری منزل نہیں بلکہ اس سے بلند تر بھی ایک مقام ہے جس کو توحید شہودی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آپ نے ارباب توحید وجودی کے تصورات و مکاشفات کی اس خوبی سے تاویل فرمائی ہے کہ جس سے ان کی تنقیصِ شان کا شائبہ بھی نہیں رہتا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اکابرین صوفیائے وجودیہ کے جن اقوال پر مخالفین نے کفر و شرک کے فتوے صادر کئے ہیں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے ان

اقوال کو منزلِ فنا، سکرِ وقت اور غلبۂ حال پر محمول کر کے مخالفانہ خُردہ گیری سے بچایا ہے۔

یہ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ امتیاز ہے جس سے صوفیائے وجودیہ کے مؤیدین بھی سرفراز نہیں ہو سکے۔ چنانچہ آپ نے ایک مکتوب میں فرمایا ہے کہ متصوفہ گرامی میں جو کوئی وحدت الوجود کا قائل ہے اور اشیاء کو عین حق دیکھتا ہے اور ہمہ اوست کا حکم دیتا ہے اس کا مقصود یہ نہیں کہ اشیاء اور حق جل وعلا متحد ہو گئے ہیں، تنزیہہ سے تنزل کر کے تشبیہہ پر آگئے ہیں، واجب سے ممکن اور بے مثال سے مثال ہو گیا ہے۔ یہ سب باتیں کفر و بے دینی اور گمراہی و زندقہ ہیں۔ بلکہ ہمہ اوست کے معنی تو یہ ہوئے کہ وہ خود نہیں ہیں صرف اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ (دفتر دوم مکتوب: ۴۴) اسی لئے آپ نے حضرت ابن منصور الحلاج کے قول اَنَا الْحَقّ اور حضرت بایزید بسطامی کے قول سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ کی تاویل فرماتے ہوئے ایک مکتوب میں فرمایا:

بہت سے حضرات ایسے بھی ہیں جو غلبۂ محبت کی وجہ سے یہ احکام دیتے ہیں مگر ایسا غلبۂ محبت اور استیلائے عشقِ محبوب کی وجہ سے ہوتا ہے کہ محب کی نظر سے غیر محبوب اوجھل ہو جاتا ہے اور وہ سوائے محبوب کے کچھ نہیں دیکھتا نہ یہ کہ محبوب کے سوا کوئی چیز موجود ہی نہیں کیونکہ یہ حس عقل اور شریعت دونوں کے خلاف ہے۔ (دفتر اول مکتوب: ۳۱)

غرضیکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے جہاں کہیں تصور وحدت الوجود کی تردید فرمائی ہے اس سے مقصود اس تعبیر و تشریح کی مخالفت ہے جس سے خالق و مخلوق کے درمیان اتحاد و حلول کا شائبہ پیدا ہوتا ہے۔ آپ نے بتایا ہے کہ تصور وحدۃ الوجود توحید کا ابتدائی مرتبہ ہے جو فنائیت اور غلبۂ محبت سے پیدا ہوتا ہے۔ مقام وجودیت سے آگے مقام ظلیت ہے اور سب سے بڑھ کر مقام عبدیت ہے۔ آپ کے نزدیک حضرت بایزید بسطامی، حضرت ابن عربی اور دیگر صوفیائے وجودیہ رحمہم اللہ اسی مقام وجودیت پر ہی رکے نہ رہے تھے بلکہ یہاں سے ترقی کر کے عین الیقین اور حق الیقین کے مرتبوں

پر پہنچے تھے اور مقام عبدیت سے مشرف ہو گئے تھے۔ (وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِكَ)

عوارضِ توحید وجودی

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توحید وجودی کے قائلین ذات اور کائنات کے درمیان اتحاد و عینیت، احاطہ و معیتِ ذاتیہ کی نسبتیں ثابت کرتے ہیں یہ سب وہم و خیال کی پیداوار ہیں۔ حق یہ ہے کہ ذات اور کائنات کے درمیان خالقیت اور مخلوقیت، دالیت و مدلولیت اور ظاہریت و مظہریت کے تعلق کے سوا اور کوئی تعلق یا نسبت ثابت نہیں ہے۔ یعنی مخلوق اپنے خالق کے وجود پر علامت ہے۔ کائنات ذات کے وجود پر دلالت ہے اور خلق حق تعالیٰ کے اسمائی و صفاتی کمالات کا مظہر ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حق اور خلق کے درمیان یہی نسبتیں بعض عوارض کی بناء پر بعض لوگوں کیلئے احکامِ وھمیہ کے حصول کا باعث بن جاتی ہیں۔ آپ نے دفتر اول مکتوب: ۱۳۱ میں ان عوارض و اسباب کی تشریح فرمائی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ توحید وجودی کا قول کرنے والے سالکین کو تین قسم کے عوارض پیش آتے ہیں۔

عارضِ اول

بعض سالک توحید کے مراقبوں کی اتنی کثرت کرتے ہیں کہ ان مراقبوں کی صورت ان کی قوتِ خیالیہ پر نقش کا لحجر ہو جاتی ہے یعنی کلمۂ نفی اثبات کا تکرار کرتے وقت ذہن میں اس کا معنی ملحوظ رکھتے ہیں اور یہی معنی کثرتِ تکرار کی وجہ سے ان کے قلب و ذہن میں راسخ ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ وحدتِ وجود کا قول کرنے پر مصر ہو جاتے ہیں۔

عارضِ ثانی

بعض سالکوں کو توحیدِ وجودی کا ظاہری علم (جو تکرار کی وجہ سے اور فتوحات و فصوص کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے) ایک خاص قسم کا ذوق بخش دیتا ہے۔ جس سے رہائی پانا مشکل ہو جاتا ہے اور وہ علمی اور ذوقی طور پر توحید وجودی کا قول کرتے ہیں۔

عارضِ ثالث

کچھ سالکین ایسے بھی ہوتے ہیں جو غلبۂ محبت کی بنا پر محبوب کے علاوہ ہر شئے کی نفی پر مجبور ہو جاتے ہیں کیونکہ محبت کی شدت غیر محبوب کے وجود کو قبول نہیں کرتی۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے اور توحید وجودی کی یہ قسم پہلی دونوں قسموں کی توحید سے اعلیٰ ہے اور حال کے دائرہ میں داخل ہے۔ اگرچہ یہ بھی ظاہری حواس، عقل اور شریعت کے موافق نہیں لیکن توحید وجودی کی پہلی دونوں قسمیں ضعیف اور علم وقال کے دائرہ میں داخل ہیں، حال سے ان کا کچھ بھی تعلق نہیں۔ لہٰذا توحید وجودی کے ان احکامِ وہمیہ کو شریعت وحقیقت کے ساتھ تطبیق دینا بیجا تکلف کے مترادف ہے۔

ارباب توحید وجودی کے تینوں گروہوں کے بارے میں مفصل گفتگو دفتر اول مکتوب: ۲۹۱ میں موجود ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

خلاصۃ المرام

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائے سلوک میں وحدت الوجود کو قبول فرمایا تھا لیکن بعد میں انکار فرمادیا اور توحید وجودی پر اصرار کرنے والے بزرگوں کے احوال واقوال کی تاویل فرماتے رہے۔ آپ کا یہ موقف ترویجِ شریعت کے لیے تجدیدی

حکمتوں پر مبنی تھا۔ آپ کا کلام تضادات سے مبرا ہے لیکن احوال کی تبدیلی کے پیش نظر بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں آپ نے صراحت کے ساتھ فرمادیا کہ

''اگر قبول وحدت وجود بودہ است از کشف بودہ است نہ از روئے تقلید واگر انکارست ہم از الہام است'' [۱] (دفتر اول مکتوب: ۳۱)

(یعنی) اگر ابتدا میں اس فقیر کو وحدت الوجود قبول رہا ہے تو وہ کشف کی بنیاد پر تھا نہ کہ تقلید کے طور پر اور اگر اب وحدت الوجود سے انکار کر رہا ہے تو یہ بھی الہام کی وجہ سے ہے، اور الہام میں انکار کی گنجائش نہیں ہے اگرچہ دوسروں کے لئے الہام حجت نہیں۔

آپ کے ارشاد سے واضح طور پر آپ کا وحدت الوجود کی صحت سے انکار ثابت ہو رہا ہے۔ ہمارے ایک ہم عصر مصنف کیپٹن واحد بخش سیال چشتی صابری نے اپنی تصنیف ''وحدت الوجود و وحدت الشہود'' میں یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ حضرت امام ربانی بھی وحدت الوجود کے قائل تھے۔ ان کے اور ابن عربی قدس سرہٗ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ ان کی یہ تحقیق ایک مفروضے سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ اسی طرح دونوں نظریات میں تطبیق دیکر نزاعِ لفظی ثابت کرنے والے حضرات نے بھی تکلفاتِ بعیدہ کا ارتکاب فرمایا ہے۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وحدت الوجود غلبہ سکر کا نتیجہ ہے اور سکر کا تعلق مقامِ ولایت سے ہے۔ اس سے بالاتر مقامِ صحو وارشاد ہے جس کا تعلق مقامِ نبوت سے ہے۔ وحدت الشہود کے معارف علومِ نبوت سے مقتبس ہیں اور یہ امر واقعی ہے کہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آج تک آپ جیسا صاحب کشف والہام عارف پیدا نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عربی کے فلسفہ توحید پر جس طرح آپ

نے تبصرہ فرمایا ہے کسی کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ آپ کے بیان کردہ ایرادات کا شافی جواب دے سکے۔ جن حضرات نے آج تک ان حقائق کے بارے میں لب کشائی فرمائی ہے وہ علم و عقل اور فلسفہ کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف رہے ہیں۔ کشف و شہود کی بنیاد پر وہ توحید وجودی اور توحید شہودی پر قلم نہ اٹھا سکے لہٰذا حضرت مجدد کے نظریۂ توحید پر ان کے اعتراضات سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہیں۔

حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ
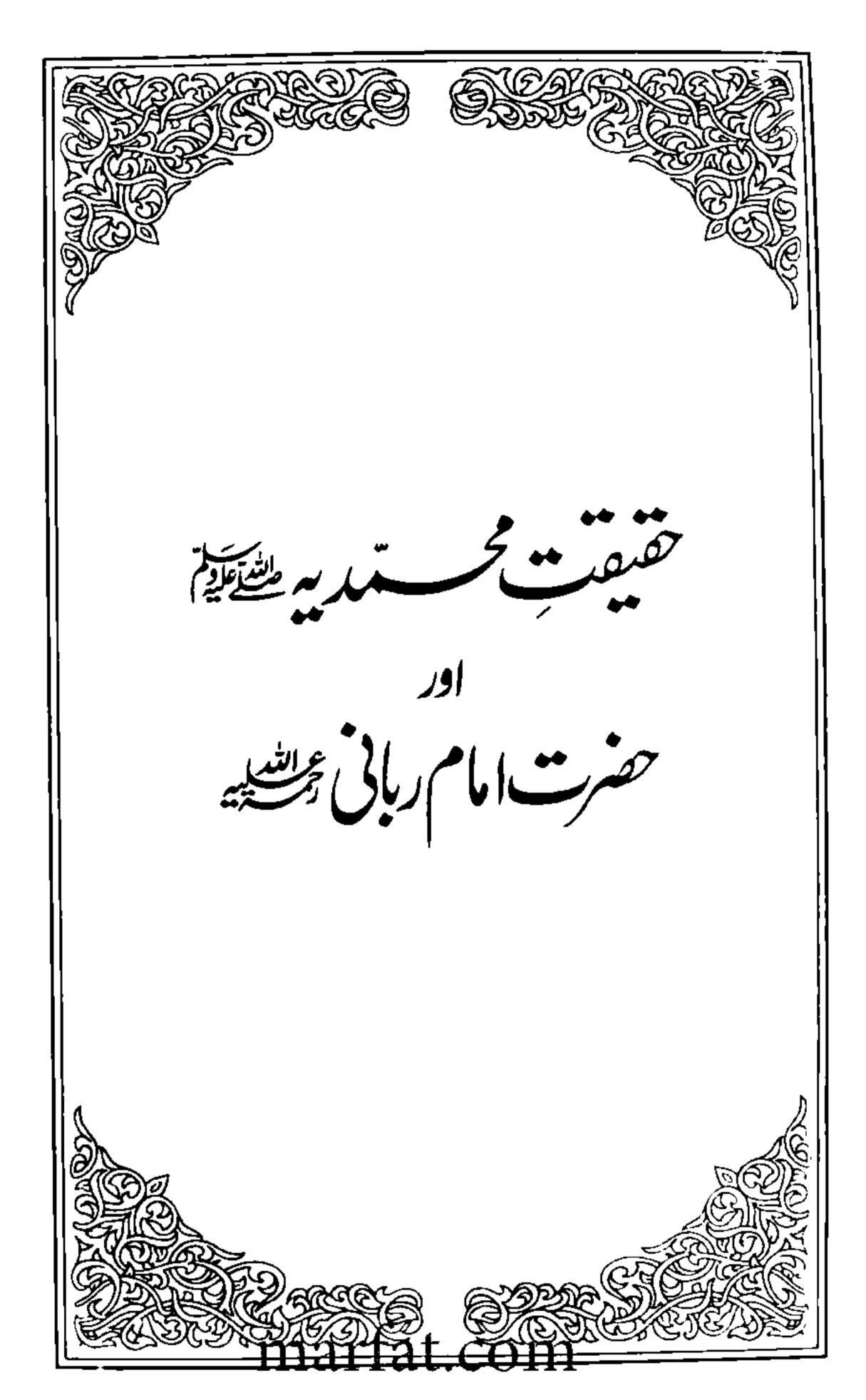
علمائے راسخین اور صوفیائے محققین کی کشفی تحقیقات کے مطابق حقیقت محمدیہ ﷺ حقائق کونیہ میں سے ایک حقیقت ہے جسے نور ذاتی، ظہور اول اور حقیقت الحقائق کہتے ہیں جس کا ادراک ناممکن ہے۔ اسے مختلف تعبیرات و اصطلاحات سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کی قدرے تفصیلات ہدیہ قارئین ہیں۔

حقیقت محمدیہ اسم اعظم ہے

هِيَ الذَّاتُ مَعَ التَّعَيُّنِ الْاَوَّلِ وَهُوَ الْاِسْمُ الْاَعْظَمُ یعنی حقیقت محمدیہ وہ ذات ہے تعین اول کے ساتھ اور وہی اسم اعظم ہے۔ (کتاب التعریفات: ۴۰)

عارف باللہ شیخ عبدالغنی نابلسی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح خطبہ دیوان ابن الفارض میں وَقَرَنَ اِسْمَهُ الشَّرِيْفَ بِاَعْظَمِ اَسْمَآئِهِ الْحُسْنٰى کی شرح میں فرمایا وَهُوَ اِسْمُ اللّٰهِ فَاِنَّهُ الْاِسْمُ الْاَعْظَمُ عَلٰى مَا عَلَيْهِ الْاَكْثَرُ یعنی حضور ﷺ اللہ کا اسم ہیں پس بے شک وہ اسم اعظم ہیں اسی پر اکثریت کا اتفاق ہے۔

صوفیائے وجودیہ کے نزدیک ذات لاہوت کے تنزلات کو تعبیری الفاظ میں اسماء کہا جاتا ہے۔ مرتبہ ذات (لاتعین) کے بعد اسماء کے مراتب شروع ہوتے ہیں جن میں پہلا وحدت کا ہے باقی سارے مراتب کا ظہور اور ان کی بقاء اسی مرتبہ سے وابستہ ہے۔

اللہ کا اسم اعظم بھی وحدت ہے اور آپ اللہ کے اسم اعظم کے ساتھ متحقق ہیں اسی لیے اس مرتبے واسماء کے مراتب کا اسم اعظم کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

فَالْحَقِيقَةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ صُوْرَةٌ لِإِسْمِ اللهِ الْجَامِعِ لِجَمِيعِ الْأَسْمَاءِ الْإِلٰهِيَّةِ لِأَنَّه' صَاحِبُ الْإِسْمِ الْأَعْظَمِ (کتاب التنبیہات) یعنی پس حقیقت محمدیہ تمام اسماء الہیہ کے جامع اسم اللہ کی صورت ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ صاحب اسم اعظم ہیں۔

حقیقت سے مراد مبدأ فیض ہے

حضرت شیخ عبدالنبی شامی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں۔

قَالَ سَيِّدُ نَا شَيْخُ الْمَشَائِخْ سَيِّدِيْ شَيْخ اٰدَمُ قَدَّسَ اللهُ سِرَّهٗ اِنَّ حَقِيْقَةَ الْمُحَمَّدِيِ الذَّاتُ الْجَامِعُ الْمُنَزَّهُ عَنِ التَّنَزُّلِ پس باید فہمید کہ اطلاق حقیقت بر چند وجہ است درینجا مراد از حقیقت مبدٔ فیض است نہ حقیقتی کہ مرکب از جنس و نوع باشد تا محل اعتراض گردد

(مجموعۃ الاسرار مکتوب: ۲۹)

یعنی ہمارے شیخ المشائخ شیخ آدم (بنوری) قدس سرہ نے فرمایا کہ حقیقت محمدی ایک جامع ذات ہے جو ہر قسم کے تنزل (زوال) سے پاک ہے پس جاننا چاہیے کہ حقیقت کا اطلاق کئی وجہ سے ہوتا ہے یہاں حقیقت سے مراد مبدأ فیض ہے، وہ حقیقت مراد نہیں جو جنس اور نوع سے مرکب ہوتی ہے کہ اس پر اعتراض کیا جا سکے۔

حضرت شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک یہاں حقیقت محمدیہ سے مراد حضور سرور عالم ﷺ کا مبدأ فیض ہے اور آپ کا

مبدأ فیض مرتبہ شان العلم ہے جو شان جامع ہے اور شان العلم کلی ہے ان کے نزدیک حقیقت محمدیہ ﷺ کیلئے تنزل کی اصطلاح محل نظر ہے خاص کر جبکہ تنزل سے زوال مراد لیا جائے۔ واللہ اعلم

حقیقت محمدیہ نورِ ذاتی ہے

حضرت شیخ عارف الصاوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ ابوالحسن الشاذلی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب صلوٰۃ النور الذاتی کی شرح میں فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النُّوْرِ الذَّاتِیِّ اَیْ نُوْرُ ذَاتِ اللّٰہِ اَیِ الَّذِیْ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی بِلَا مَادَّةٍ لِاَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الْوُجُوْدِ وَمَادَّةٌ لِكُلِّ مَوْجُوْدٍ

یعنی اے اللہ درود، سلام اور برکت نازل فرما ہمارے سردار محمد ﷺ پر جو نور ذاتی ہیں یعنی جو اللہ کی ذات کے نور ہیں یعنی جن کو اللہ تعالیٰ نے بغیر مادہ کے پیدا فرمایا ہے کیونکہ آپ مفتاح وجود اور ہر موجود کے مادہ ہیں۔

نور ذاتی کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ کا وجود بغیر واسطہ کے اللہ تعالیٰ کی ذاتی تجلی سے ظاہر ہوا۔ واللہ اعلم

حقیقت محمدیہ کا ادراک ناممکن ہے

حضرت سید عبداللہ المیرغنی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

فَلَمْ یُدْرِكْهُ مِنَّا سَابِقٌ وَلَا لَاحِقٌ وَ كَیْفَ یُدْرِكُ مَنْ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ وَ ذَاتُهٗ مِنْ نُوْرِ ذَاتِ الرَّحْمٰنِ وَمَنْ لَهٗ كُلُّ مَرَاتِبِ الْاِحْسَانِ وَهُوَ الْحَبِیْبُ الْاَكْرَمُ وَالْمَخْصُوْصُ بِالتَّجَلِّی الْاَعْظَمِ وَمِنْ هُنَا قَالَ

بَعْضُ الْعَارِفِيْنَ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ اَجْمَعِيْنَ لَوِ انْكَشَفَتْ حَقِيْقَةُ الْمُحَمَّدِيَّةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْخَلْقِ لَارْتَدُّوْا جَمِيْعًا (نفحات القدس)

یعنی پس ہم میں سے کسی سابق اور لاحق نے حقیقت محمدیہ کا ادراک نہیں کیا اور آپ کس طرح ادراک میں آسکتے ہیں حالانکہ آپ کا خلق قرآن ہے اور آپ کی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات کے نور سے ہے اور آپ کیلئے احسان کے تمام مراتب ہیں اور آپ حبیب اکرم ہیں اور تجلی اعظم کے ساتھ مخصوص ہیں۔اسی لیے بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ اگر حقیقت محمدی خلق پر ظاہر ہو جائے تو سب ہلاک ہو جائیں۔

شرح تعرف میں ہے:

قَالَ اَبُوْيَزِيْدَ لَوْ بَدَءَ لِلْخَلْقِ مِنَ النَّبِيِّ ذَرَّةٌ لَمْ يَقُمْ مَا دُوْنَ الْعَرْشِ یعنی بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر مخلوق کیلئے نور نبی سے ایک ذرہ ظاہر ہو جائے تو جو کچھ عرش کے نیچے ہے قائم نہ رہ سکے۔

حقیقت محمدیہ ظہور اول و حقیقت الحقائق ہے

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حقیقت محمدی عَلَيْهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا که ظهور اول ست و حقیقة الحقائق است بآں معنی که حقائق دیگر چه حقائق انبیاء کرام و چه حقائق ملائکه عظام علیه وعلیهم الصلوة والسلام کالظلال اند مر اورا واو اصل حقائق ست قَالَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ (دفتر سوم مکتوب:۱۲۲)

یعنی حقیقت محمدی علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا جو ظہور اول

اور حقیقت الحقائق ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے حقائق سب اس کے ظلال کی مانند ہیں اور وہ تمام حقائق کی اصل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے اول خدا تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا

اسی مکتوب میں کچھ آگے تحریر فرماتے ہیں:

حقیقت محمدی علیہ و علی الہ الصلوٰۃ والسلام کہ حقیقۃ الحقائق ست آنچہ در آخر کار بعد از طی مراتب ظلال برین فقیر منکشف گشتہ است تعین و ظہور حبی است کہ مبدأ ظہورات و منشاء خلقِ مخلوقات است در حدیث قدسی کہ مشہور است آمدہ است کُنتُ کَنزاً مَخفِیًا فَاَحبَبتُ اَن اُعرَفَ فَخَلَقتُ الخَلقَ لِاُعرَفَ

اول چیزے کہ ازاں گنجینۂ مخفی بر منصۂ ظہور آمد حب بودہ است کہ سبب خلق خلائق گشتہ اگر این حب نہ مے بود درِ ایجاد نہ مے کشود و عالم در عدم راسخ و مستقر مے بود سر حدیث قدسی لَولَاكَ لَمَا خَلَقتُ الاَفلَاكَ راکہ در شان خاتم الرسل واقع ست علیہ و علیہم الصلوات و التسلیمات اینجا باید جست و حقیقت لَولَاكَ لَمَا اَظهَرتُ الرَّبُوبِیَّۃَ را درین مقام باید طلبید

ترجمہ: جو کچھ آخر کار مراتب ظلال کے طے کرنے کے بعد اس فقیر پر منکشف ہوا ہے یہ ہے کہ حقیقت محمدی جو حقیقۃ الحقائق ہے اس حب کا تعین اور ظہور ہے جو ظہورات کا مبدأ اور مخلوقات کی پیدائش کا منشاء ہے جیسے کہ اس حدیث قدسی میں آیا ہے جو مشہور ہے "میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس میں نے خلق کو پیدا کیا" اول وہ چیز جو اس پوشیدہ خزانہ سے میدان ظہور میں آئی یہی حُب ہے جو مخلوقات کی

پیدائش کا سبب ہوئی ہے اگر یہ حب نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم، عدم میں راسخ اور مستقر رہتا۔ حدیث قدسی لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ (تو اگر نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا) کے سر کو جو حضرت خاتم الرسل کی شان میں ہے اس جگہ ڈھونڈنا چاہیے اور لَوْلَاكَ لَمَا أَظْهَرْتُ الرَّبُوبِيَّةَ (اگر تو نہ ہوتا میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا) کی حقیقت کو اس مقام میں طلب کرنا چاہے۔

حقیقت محمدیہ تعین حبی اور تعین وجودی ہے

چند سطور کے بعد مزید فرماتے ہیں:

اول اعتبارے کہ پیدا شد از برائے ایجاد عالم حب ست بعد ازاں اعتبار وجود کہ مقدمہ ایجاد ست چہ حضرت ذات را جل شانہ بے اعتبارِ این حب و بے اعتبار این وجود از عالم و از ایجادِ عالم استغنا ست إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (العنکبوت:٦) نص قاطع ست

ترجمہ: عالم کے ایجاد کیلئے پہلے جو اعتبار پیدا ہوا وہ حب ہے بعد ازاں اعتبار وجود جو ایجاد کا مقدمہ ہے کیونکہ حضرت ذات جل شانہٗ اس حب اور اس وجود کے اعتبارات کے بغیر عالم اور عالم کی ایجاد سے مستغنی ہے ''بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے غنی ہے'' آیت قرآنی اس پر نصِ قاطع ہے۔

نیز رقمطراز ہیں:

باید دانست کہ در تعین اول کہ تعین حبی ست چون بدقت نظر کردہ میشود بفضل اللہ سبحانہ معلوم می گردد کہ مرکز آن تعین حب ست کہ حقیقت محمدی ست علیہ وعلی الہ الصلوۃ والسلام

ترجمہ: جاننا چاہیے کہ تعین اول میں جو کہ تعین حبی ہے جب بڑی باریک نظر سے دیکھا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تعین کا مرکز حب ہے جو حقیقت محمدی ہے۔ (آپ اور آپ کی آل پر صلوٰۃ وسلام ہو)

حدیث کُنۡتُ کَنۡزًا مَخۡفِیًّا سے معلوم ہوا کہ تعین حبی پہلا اعتبار ہے جو تخلیق کائنات کے لئے ظاہر ہوا اور تعین حبی کا مرکز حقیقت محمدیہ ہے اور حدیث لولاک سے ثابت ہوا کہ تعین وجودی دوسرا اعتبار ہے جو ایجاد عالم کا مقدمہ بنا۔

گویا تعیّن وجودی، تعیّن حبی کا ظل ہے اور تعیّن حبی، تعیّن وجودی کیلئے واسطہ ہے۔ (فتدبر)

حقیقت محمدیہ شیخ اکبر کی نظر میں

حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ اور آپ کے تابعین صوفیائے وجودیہ کے نزدیک حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات (جس کو تعیّن اول اور تعیّن حبی کہا جاتا ہے) مرتبۂ وحدت کا نام ہے اور تعین ثانی کو واحدیت سے تعبیر کرتے ہیں اور ہر دو تعیّن کو تعیّن وجوبی کہتے ہیں اور قدیم جانتے ہیں اور باقی تین تعینات (روحی، مثالی اور جسدی) کو تعیّن امکانی کہتے ہیں (تحقیق الحق فی کلمۃ الحق مترجم: ۸۴، دفتر سوم مکتوب: ۱۲۲) اسی طرح حقیقت محمدیہ اور حقائق ممکنات (اعیان ثابتہ) کیلئے وجوب کا حکم ثابت کرتے ہیں اور واجب وممکن کے درمیان امتیاز کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ خود فرماتے ہیں لِعَدَمِ التَّمَیُّزِ بَیۡنَهُمَا اور فصوص الحکم میں ہے:

وَاَعۡیَانُنَا فِیۡ نَفۡسِ الۡاَمۡرِ ظِلُّهٗ لَا غَیۡرُهٗ (فصوص الحکم کلمہ یوسفیہ)

یعنی ہمارے اعیان ثابتہ (حقائق ممکنات) حقیقت میں حق تعالیٰ کا ظل ہیں نہ کہ اس کا غیر۔

ان کے نزدیک اصل اور ظل میں عینیت ہے اور اعیان ثابتہ کو اسماء الٰہیہ کی صورِ علمی کا ظہور کہتے ہیں اور حقیقت محمدیہ سے حضرتِ اجمال علم مراد لیتے ہیں اور اس کو مرتبۂ لاتعین کا تعین اول اور تجلیٔ ذات سمجھتے ہیں اور اس تعین اول کو تعین علمی اور صورتِ شان العلم قرار دے کر خارج میں عین ذات کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک خارج میں ذات محض کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں۔

حقیقت محمدیہ امام ربانی کی نظر میں

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ اور دیگر صوفیائے شہودیہ کے نزدیک حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت، حقیقت الحقائق، تعین حبی، تعین وجودی اور ظہور نفس اسم الٰہی کا نام ہے۔ انبیائے عظام اور ملائکہ کرام وغیرہ کے حقائق حقیقت محمدیہ کے ظلال کی مانند ہیں اور وہ اصل حقائق ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک ذات واجب (لاتعین) کیلئے تعینات، تنزلات وظلال کا اطلاق جائز نہیں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

نزد این فقیر ہیچ تعینے و متعینے نیست کدام تعین بود کہ لاتعین را متعین سازد (دفتر سوم مکتوب: ۱۲۲) یعنی فقیر کے نزدیک کوئی تعین اور متعین نہیں ہے وہ کون سا تعین ہے جو لاتعین (ذات واجب حق تعالیٰ) کو متعین بنائے۔

نیز ایک سوال کے جواب میں آپ فرماتے ہیں:

در عبارتِ فقیر این قسم الفاظ اگر واقع شود از قبیل صنعت مشاکلہ باید دانست

یعنی فقیر کی عبارتوں میں اس قسم کے الفاظ (تعین اور ظل وغیرہ) اگر واقع ہوں تو ان کو صنعت مشاکلہ کے قبیل سے جاننا چاہیے۔

صنعتِ مشاکلہ

اَلْمُشَاکَلَةُ ذِکْرُ الشَّیْئِ بِلَفْظِ غَیْرِہٖ لِوُقُوْعِہٖ فِیْ صُحْبَتِہٖ کَقَوْلِہٖ تَعَالٰی جَزَآءُ سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُھَا (مطول)

ترجمہ: کسی شئی کا کسی دوسرے لفظ کے ساتھ اس کی مصاحبت کی وجہ سے ذکر کرنا مشاکلہ کہلاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "گناہ کی سزا اسی کی مثل گناہ ہے۔" یعنی گناہ کی سزا میں اسی گناہ کی مناسبت سے گنہ گار کو عذاب دیا جائے گا یہ مطلب نہیں کہ گناہ کی سزا گناہ ہے۔ یہاں دوسرے لفظ سیئہ کا مفہوم پہلے لفظ سیئہ سے مختلف ہے کیونکہ پہلا سَیِّئَة اپنے اصل مفہوم پر ہے اور دوسرا لفظ سَیِّئَة دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے اسی طرح مشائخ وعلماء کا کلام بھی بعض اوقات صنعت مشاکلہ کے قبیل سے ہوتا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک پہلے دونوں تعینوں کو تعین وجوبی کہنا غلط ہے کیونکہ جب حقیقۃ الحقائق (سب سے پہلی حقیقت) مخلوق و حادث ہے تو دوسرے مابعد کے حقائق بھی مخلوق وحادث ہوں گے تعین وجوبی ممکنات کی حقیقت نہیں ہوسکتا۔ ممکن کی حقیقت بھی ممکن ہوگی نہ کہ واجب۔ آپ کے نزدیک حقیقت محمدیہ کا مخلوق ہونا حدیث نبوی اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ سے ثابت ہے اور اسی طرح امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک قَبْلَ خَلْقِ السَّمٰوٰاتِ بِاَلْفَیْ عَامٍ اور قَبْلَ خَلْقِ اٰدَمَ بِاَرْبَعَةِ عَشَرَ اَلْفِ عَامٍ (المواہب اللدنیہ مع الزرقانی جلد اول: ۴۹) اور اس کی مثل احادیث سے خِلقت کا وقت متعین بھی ثابت ہوتا ہے جو حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت کے مخلوق اور حادث ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت ابن عربی قدس سرہٗ کا حقائق ممکنات (یعنی اعیان ثابتہ) کو ذات

واجب تعالیٰ کا ظل قرار دینا بھی حقیقت معاملہ تک نارسائی کی وجہ سے ہے کیونکہ کوئی مخلوق خالق کا ظل نہیں ہوسکتی۔ ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ مخلوق کو مخلوقیت کی نسبت کے سوا کوئی نسبت حاصل نہیں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے وضاحت فرمائی ہے کہ جب یہ فقیر مرتبہ ظلیت کی سیر میں تھا تو اس قسم کے علوم بندہ پر بھی وارد ہوئے تھے۔ بعد میں جب معاملہ آگے بڑھا تو ظاہر ہوا کہ وہ علوم و معارف سکریہ تھے جیسا کہ آپ نے فرمایا:

این قسم علوم کہ اثبات نسبت نماید درمیان واجب تعالیٰ و ممکن و شرع بہ ثبوت آنہا وارد نہ شدہ است ہمہ از معارف سکریہ است و از نارسائی ست بہ حقیقتِ معاملہ ع ممکن چہ بود کہ ظل واجب باشد تعالیٰ و واجب را چرا ظل بود کہ ظل موہم تولید بہ مثل ست و منبی از شائبہ عدم کمال لطافت اصل ہر گاہ محمد رسول اللہ را از لطافت ظل نبود خدائے محمد را چگونہ ظل باشد (دفتر سوم مکتوب:۱۲۲)

ترجمہ: اس قسم کے علوم جو واجب اور ممکن کے درمیان کسی نسبت کا اثبات کریں کہ جس کے ثبوت میں شرع وارد نہ ہو وہ تمام علوم معارف سکریہ سے ہیں اور حقیقت معاملہ تک نہ پہنچنے کی وجہ سے ہیں۔ ممکن کیا شئی ہے جو واجب تعالیٰ کا ظل بنے۔ واجب تعالیٰ کا ظل کیسے ہوسکتا ہے کہ ظل سے تولید مثل کا وہم ہوتا ہے اور کمال لطافت کے نہ ہونے سے خبر دیتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے رسول محمد ﷺ کا ظل بوجہ کمال لطافت کے نہ تھا تو محمد ﷺ کے خدا کا ظل کیسے ہوسکتا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک حقیقت محمدیہ ذات کے مرتبہ شان العلم کے اعتبار سے قابلیت اولیٰ کا نام ہے جو نفسِ اسم الٰہی کا ظہور ہے نہ کہ اس اسم کی صورتِ

علمی کا ظہور، کیونکہ کسی چیز کی نفس شیٔ اور اس کی صورت علمیہ کے درمیان بہت بڑا فرق ہے جیسا کہ نفسِ آگ اور اس کی صورت علمی میں فرق سے واضح ہے۔ نیز ارشاد فرماتے ہیں:

وبغیر آنسرور علیہ و علی آلہ الصلوۃ والسلام ہیچ کس در نظر نے درآید کہ ظہورِ نفسِ اسم الٰہی باشد تعالیٰ اِلاّ قرآن مجید کہ آن نیز ظہور نفس اسم الٰہی ست جل سلطانہ چنانچہ شمہٴ ازان بالا ذکر یافتہ است غَایَۃُ مَافِی الْبَابِ منشاء ظہور قرآنی از صفات حقیقیہ است ومنشاء ظہور محمدی از صفاتِ اضافیہ ناچار آن را قدیم و غیر مخلوق گفتہ اند واین را حادث و مخلوق و معاملہ کعبہ ربانی ازین دو ظہور اسمی ہم عجیب ترست کہ آنجا ظہور معنے تنزیہی ست بے کسوتِ صور واشکال (دفتر سوم مکتوب:۱۰۰)

ترجمہ: اور آنسرور ﷺ کے علاوہ کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو نفس اسم الٰہی (تعالیٰ) کا ظہور ہو البتہ قرآن مجید کہ وہ بھی نفس اسم الٰہی کا ظہور ہے (جل سلطانہ) جیسا کہ اختصار کے ساتھ اوپر گزر چکا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ظہور قرآنی کا منشاء صفاتِ حقیقۃ سے ہے اس لیے اس کو قدیم اور غیر مخلوق کہتے ہیں اور ظہور محمدی کا منشاء صفاتِ اضافیہ سے ہے لہٰذا اس کو حادث اور مخلوق کہا ہے اور کعبہ ربانی کا معاملہ ان دونوں ظہور اسمی سے بھی زیادہ عجیب ہے کہ وہاں صورتوں اور شکلوں کے لباس کے بغیر معنی تنزیہی کا ظہور ہے۔

قول فیصل

طائفہ علیہ صوفیاء رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک حقیقت شی سے مراد اسم الٰہی ہے جو کہ اس شیٔ کا مبدأ تعین ہے اور یہ شیٔ اس اسم کیلئے ظل اور عکس کی مانند ہے۔ حقیقت محمدیہ

سے مراد ذات محمدیہ نہیں بلکہ وہ اسم الٰہی مراد ہے جو حضور ﷺ کے عالم خلق کا مربی ہے اور وہ شان العلم ہے۔

حقیقت کعبہ سے مراد وہ مرتبہ وجوب ہے جو حضور سرور عالم ﷺ کے عالم امر کا مربی ہے اور شان العلم سے بلند تر ہے اس اعتبار سے حقیقت کعبہ حقیقت محمدیہ سے افضل ہے۔

نیز حقیقت کعبہ عالم اکوان کیلئے مسجود ہے جبکہ حقیقت محمدیہ ساجد ہے نہ کہ مسجود لہٰذا حقیقت کعبہ شان مسجودیت کی وجہ سے حقیقتِ محمدیہ ﷺ سے افضل ہے اور ساجدیت و مسجودیت کا فرق اہل علم وفہم پر واضح ہے جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے فرمایا:

این حقیقت را جل سلطانہا اگر مسجود حقیقت محمدی گویند چہ محذور لازم آید۔۔۔ آرے حقیقت محمدی از حقائق سائر افراد عالم افضل ست اما حقیقت کعبۂ معظمہ از عالم عالم نیست (دفتر سوم مکتوب: ۱۲۴)

ترجمہ: اگر کعبہ کی اس حقیقت کو (جو کہ ذات بے چون اور شایان مسجودیت ہے) مسجودِ حقیقت محمدی کہا جائے تو کون سا امر مانع ہے ہاں حقیقت محمدی تمام افراد عالم کے حقائق سے افضل ہے لیکن حقیقت کعبہ جنس عالم (مخلوق) سے نہیں ہے۔

اس مسئلہ کا شافی حل حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے فرزند ارجمند حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی قدس سرہٗ نے ایک مکتوب میں بیان فرمایا ہے جو علمائے حرمین شریفین کے نام تحریر فرمایا تھا۔ نیز حضرت شیخ عبدالنبی شامی نقشبندی خلیفۂ مجاز حضرت شیخ آدم بنوری قدس سرھما نے مجموعۃ الاسرار میں ارقام فرمایا ہے۔ دونوں کتابوں سے علی الترتیب اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

ثُمَّ اعْلَمْ اَنَّ لَفْظَةَ الْحَقِيْقَةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ فِيْ عِبَارَاتِ شَيْخِنَا

وَاِمَامِنَا الْوَاقِعَ فِیْ تَصَانِیْفِهِ الشَّرِیْفَةِ عَلٰی مَعَانٍ مُخْتَلِفَةٍ وَاَنْحَاءٍ شَتّٰی فَمَتٰی قُوْبِلَتْ بِالْحَقِیْقَةِ الْاَحْمَدِیَّةِ وَالْکَعْبَةِ الرَّبَّانِیَّةِ یُرَادُ بِهَا الْاِسْمُ الْاِلٰهِیُّ الْجَامِعُ الَّذِیْ یُنَاسِبُ تَرْبِیَةَ الْعَالَمِ السِّفْلِیِّ وَمَتٰی قُوْبِلَتْ بِالْحَقِیْقَةِ الْاِلٰهِیَّةِ یُرَادُ بِهَا الشَّأْنُ الذَّاتِیُّ الْجَامِعُ الَّذِیْ یَتَوَلّٰی تَرْبِیَةَ الْعَالَمِ الْعَلَوِیِّ وَهُوَ حَاوٍ عَلٰی جَمِیْعِ الشُّیُوْنَاتِ الذَّاتِیَّةِ وَاَصْلٌ وَّمَبْدَاءٌ لِّلْاِسْمِ الْجَامِعِ الْمُتَضَمِّنِ لِجَمِیْعِ الْاَسْمَاءِ فَیَکُوْنُ هٰذَا الشَّأْنُ کُلًّا لِسَائِرِ الْحَقَائِقِ وَهِیَ اَبْعَاضُهٗ وَاَجْزَاؤُهٗ وَهِیَ الْمُعَبَّرَةُ بِحَقِیْقَةِ الْحَقَائِقِ وَ هِیَ حَقِیْقَتُهُ الَّتِیْ لَا وَاسِطَةَ بَیْنَهَا وَ بَیْنَ الذَّاتِ الْمُقَدَّسِ کَمَا ذَکَرَهٗ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فِیْ اٰخِرِ مَکْتُوْبِهٖ لَهٗ قَبْلَ وَفَاتِهٖ بِاَیَّامٍ قَلِیْلَةٍ اَنَّ الْحَقِیْقَةَ الْمُحَمَّدِیَّةِ فَوْقَ جَمِیْعِ الْحَقَائِقِ (مکتوبات سعیدیہ مکتوب:۶۸)

ترجمہ: حقیقت محمدیہ کے الفاظ ہمارے شیخ اور امام کی تصانیف میں مختلف معانی اور اقسام میں آئے ہیں۔ حقیقت محمدیہ جب حقیقت احمدیہ اور حقیقت کعبہ ربانیہ کے مقابلے میں بولی جائے تو اس سے وہ جامع اسم الٰہی مراد ہے جو عالم سفلی کی تربیت کے لیے مناسبت رکھتا ہے اور جب حقیقت الٰہیہ کے مقابلے میں بولی جائے تو اس سے مراد وہ جامع شان ذاتی ہے جو عالم علوی کی تربیت کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور تمام شیونات ذاتیہ پر حاوی ہے اور اصل و مبدأ ہے اس جامع اسم کا جو تمام اسماء کو شامل ہے۔ پس یہ شان تمام حقائق کا کل ہے اور باقی حقائق اس کے اجزاء ہیں اور اسے حقیقۃ الحقائق سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ وہ حقیقت ہے کہ اس کے اور ذات مقدس کے درمیان کوئی واسطہ نہیں جیسا کہ حضرت مجدد رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے چند دن پہلے اپنے آخری مکتوب میں تحریر فرمایا کہ حقیقت محمدیہ تمام حقائق سے فوق ہے۔

حضرت شیخ عبدالنبی شامی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۱۴۶ھ رقم طراز ہیں:

باید فہمید کہ حضرت کعبہ را دو حقیقت است حقیقتی است در مرتبہ مخلوقہ کہ آن قابلیتی است از قابلیات نور اول کہ نور محمدی است علیہ السلام و حقیقتی است در مرتبہ وجوب کہ صفت معبودیتِ مسجود لہ است کہ ہمان حقیقت مقتضی مسجود الیہ بودن کعبہ است و حضرت را صلی اللہ تعالی علیہ وسلم و علی آلہ وسلم نیز دو حقیقت است حقیقتی در مرتبہ مخلوقہ کہ ذات نور اول است جامع بہ جمیع قابلیات کہ حقیقت اول کعبہ قابلیتی است ازین قابلیات و حقیقتی است در مرتبۂ وجوب کہ آن قابلیت ذات است مر اعتبارِ علمی را تا متعلق شود با جمیع شیونات و صفات بطریق اجمال مر این قابلیت قابلیتی است از قابلیات مسجود لہٗ پس در قول حضرتِ ایشان فضیلت کعبہ بہ اعتبار حقیقت ثانی است نہ اول (فافہم)

(مجموعۃ الاسرار مکتوب: ۸۱)

ترجمہ: معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت کعبہ کی دو حقیقتیں ہیں ایک حقیقت مرتبہ مخلوق کی ہے اور یہ نور اوّل کی قابلیتوں میں سے ایک قابلیت ہے۔ وہ نور اول نور محمدی ہے اور دوسری حقیقت مرتبہ وجوب کی ہے جو معبودیت یعنی جس کو سجدہ کیا جائے کی حقیقت ہے اور کعبہ کی یہی حقیقت اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کی مقتضی ہے اور آنحضرت ﷺ کی بھی دو حقیقتیں ہیں۔ ایک حقیقت مرتبہ مخلوق کی ہے جو نور اوّل کی ذات ہے اور تمام قابلیتوں کو جمع کرنے والی ہے اور کعبہ بھی ان قابلیتوں میں سے ایک قابلیت ہے اور دوسری حقیقت مرتبہ وجوب کی ہے جو ذات کی قابلیت ہے اور علمی اعتبار سے ہے، تاکہ تمام

شیون وصفات کو اجمالی طریقے سے جمع کرنے والی ہے اور یہ قابلیت معبودیت کی قابلیتوں میں سے ایک قابلیت ہے چنانچہ ہمارے حضرت ایشاں رحمۃ اللہ علیہ کا قول فضیلت کعبہ کے متعلق دوسری حقیقت ہے نہ کہ پہلی، پس اسے سمجھئے۔

حقیقت کعبہ اگرچہ حقیقت محمدی سے افضل ہے مگر کعبہ کی حقیقت اپنے مقام اصلی سے اوپر عروج نہیں کرتی جبکہ حقیقت محمدیہ بفحوائے آیت کریمہ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (الضحیٰ:۴) ہر دم عروج لامتناہی سے مشرف ہے۔ نیز صورت کعبہ مخلوق ہے اور حقیقت محمدیہ سبب ظہور مخلوق ہے اسی بنا پر سرور عالم ﷺ افضل الخلائق ہیں۔ اس مقام کا حل یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ صورتِ کعبہ سے افضل ہے اور حقیقت کعبہ حقیقت محمدیہ سے افضل ہے۔ **واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم**

اہل تحقیق پر یہ امر بخوبی روشن ہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے مکاتیب قدسیہ اور تصانیف شریفہ میں لفظ حقیقت محمدیہ مختلف معانی اور متعدد اقسام پر استعمال ہوا ہے۔ ہر جگہ ایک ہی مخصوص معنی یا قسم مراد لینا فہم سقیم کی علامت ہے۔ لہٰذا جب حقیقت محمدیہ حقیقت کعبہ کے مقابلے میں بولا جائے گا تو مراد اسم الٰہی ہوگا جو عالم سفلیات کی تربیت کی مناسبت رکھتا ہے اور جب حقیقت الٰہیہ کے مقابلے میں بولا جائے گا تو مراد شان ذاتی ہوگی جو عالم علویات کی تربیت کا متولی ہے اور تمام شیونات ذاتیہ کو حاوی ہے۔

حقیقتِ محمدیہ ﷺ کی مختلف تعبیرات واصطلاحات

صوفیاء کرام کی تصریحات کے مطابق مرتبہ وحدت ٥ قلم الاعلیٰ ٥ اسم الٰہی ٥ امر اللہ ٥ اسم اعظم ٥ مبدأ اول ٥ تجلی اول ٥ نور اول ٥ ظہور اول ٥ شہود اول ٥ تعین اول تنزل اول ٥ فیض اول ٥ روح اول ٥ ظل اول ٥ قلم اول ٥ لوح اول ٥ عقل اول

حقیقۃ الحقائق ٥ قابلیت اولیٰ ٥ برزخ البرازخ ٥ برزخ کبریٰ ٥ سدرۃ المنتہیٰ ٥ حد فاصل ٥ مرتبہ صورتِ حق ٥ انسان کامل ٥ اُم الکتاب ٥ القلب الواصل ٥ الکتاب المسطور ٥ روح القدس ٥ روح الاعظم ٥ روح کلی ٥ الامام المبین ٥ مرأۃ الحق ٥ المادۃ الاولیٰ ٥ المعلم الاول ٥ نفس الرحمٰن ٥ مرأۃ الحضرتین ٥ البرزخ الجامع ٥ مجمع البحرین مرأۃ الکون ٥ مرکزۃ الدائرۃ ٥ مفتاح الوجود ٥ الوجود الساری ٥ نور الانوار ٥ سر الاسرار ٥ نفس الانفاس ٥ عرش العروش ٥ طامۃ الحقائق الکبریٰ ٥ بصر الوجود ٥ بصیرۃ الشہود ٥ الروح القدوسی ٥ السر السبوحی ٥ صورتِ ناسوتِ خلق ٥ معنی لاہوت حق ٥ بحر قاموس ٥ الجمع المطمطم ٥ طراز رداء الکبریا المطلسم ٥ حرف الغین المعجم ٥ نقطۃ الحق المبہم مبدأ الکل ٥ مرجع الکل فی الکل ٥ قرآن حقائق الذات ٥ فرقان تجلیات الصفات حضرت الاسماء والصفات ٥ الحق المخلوق بہ کل شئے ٥ مظہر کامل ٥ عالم جبروت ٥ علم اجمالی ٥ حقیقت انسانیہ ٥ حُب ذاتی ٥ نور ذاتی ٥ حب جبروتی ٥ لوح قضا ٥ تعیّن حبی تعین وجودی ٥ رابطہ بین الظہور والبطون ٥ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللهُ نُوْرِی ٥ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللهُ العَقل ٥ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللهُ اللَّوح ٥ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللهُ القَلَم ٥ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللهُ دُرَّۃَ بَیضَا وغیرھا حقیقت محمدیہ ﷺ ہی کی مختلف تعبیرات، تشریحات اور اصطلاحات ہیں۔

حضرت مجددِ الف ثانی رضی اللہ عنہ

(بزبانِ اقبال مرحوم)
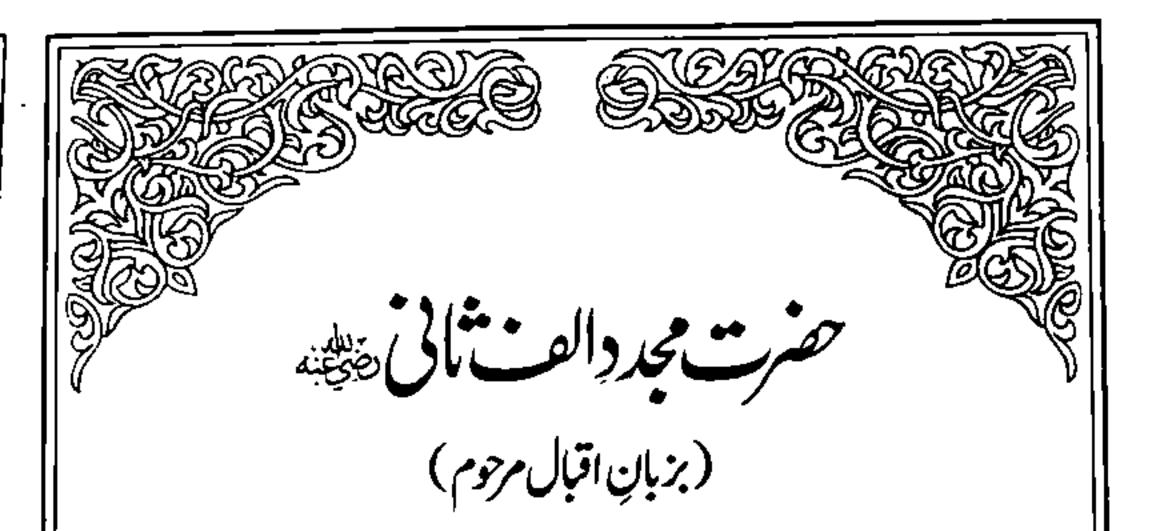
میاں بشیر احمد بیرسٹرایٹ لاء نے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے بالِ جبریل کے ان اشعار کا مفہوم دریافت کیا تو علامہ نے جواب دیا کہ یہ شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندی کی طرف اشارہ ہے جو مسلمانانِ ہند کے سب سے زبردست رہنما گذرے ہیں۔

(محمود نظامی۔ ملفوظات اقبال مطبوعہ لاہور: ۲۹،۲۸)

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی — ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند — اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی

میری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی — شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی

شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی — رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی

عشق کی تیغِ جگر دار اڑا لی کس نے — علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

سینہ روشن ہو تو ہے سوزِ سخن عینِ حیات — نہ ہو روشن تو سخن مرگِ دوام اے ساقی
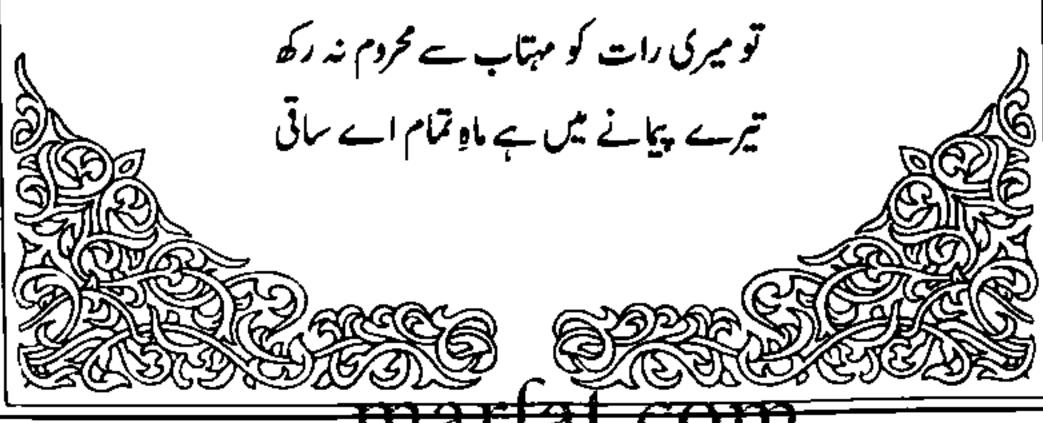
تو میری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ

تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی

تفضیلِ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

اور

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ
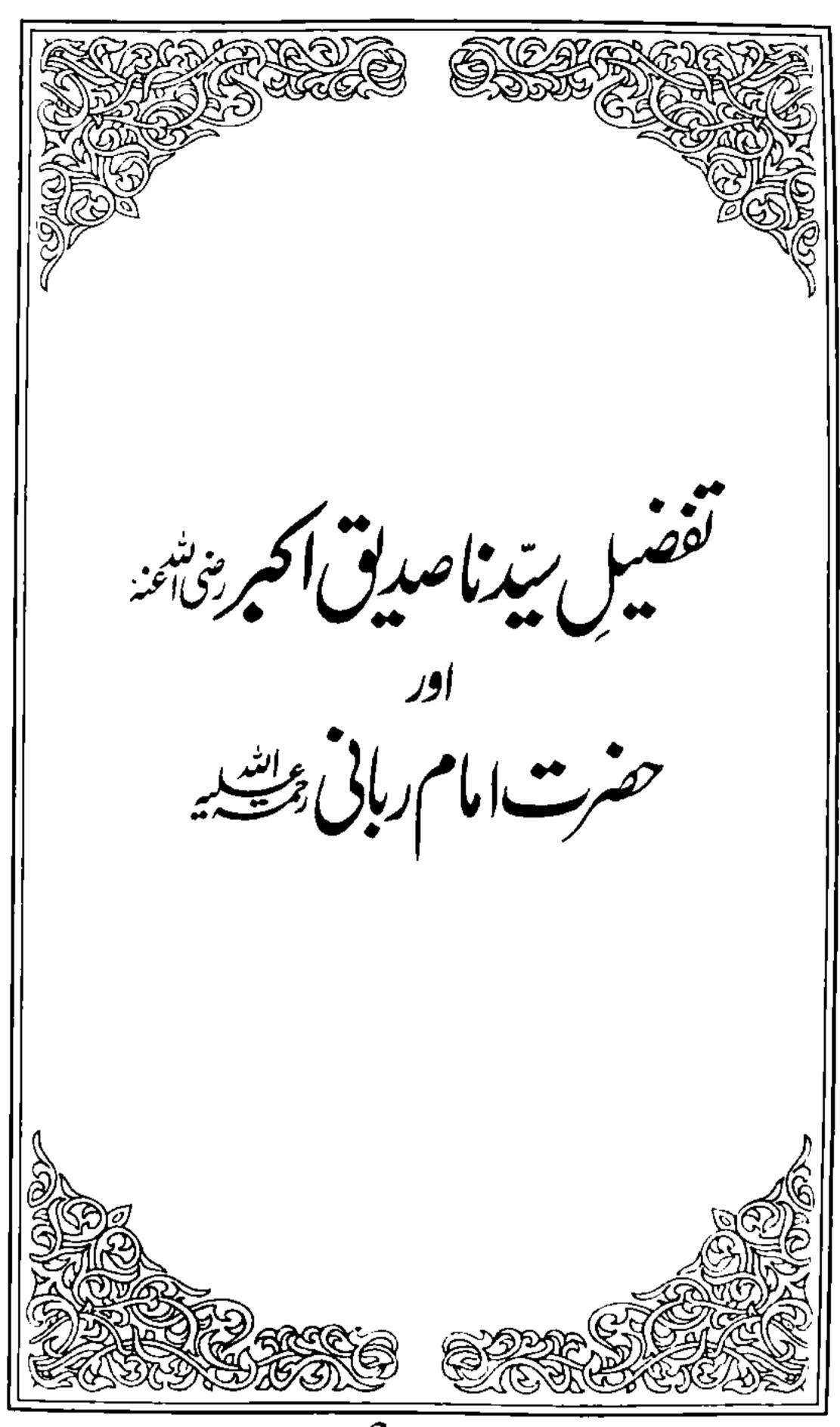
سید المرسلین ﷺ کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق افضل البشر بعد الانبیاء سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات ہے جس پر صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم کا اجماع واتفاق ہے اس کے برعکس عقیدہ رکھنے والا اجماع امت کا منکر، دائرہ اہل سنت سے خارج اور گمراہ ہے۔ زیر نظر مضمون میں اسی موضوع پر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے ارشاداتِ عالیہ اور مشاہداتِ روحانیہ پیش کئے گئے ہیں۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ افضلیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق رقم طراز ہیں:

اجماع سلف برا فضیلتِ حضرت صدیق بر جمیع بشر بعد از انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات منعقد گشتہ است احمقی باشد کہ توہم خرقِ ایں اجماع نماید (دفتر اول مکتوب: ۲۰۲)

ترجمہ: سلف صالحین کا اس امر پر اجماع ہو چکا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد سب سے افضل حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ احمق ہے جسے اس اجماع کو توڑنے کا وہم ہو۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

امام برحق و خلیفہ مطلق بعد حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات

والتسلیمات حضرت ابو بکر صدیق است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت عمر فاروق است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت عثمان ذوالنورین است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت علی بن ابی طالب است رضی اللہ عنہ و افضلیت ایشاں بترتیب خلافت است افضلیت حضرات شیخین باجماع صحابہ و تابعین ثابت شدہ است چنانچہ نقل کردہ اند آں را اکابر آئمہ کہ یکے ازیشاں امام شافعی است شیخ ابوالحسن اشعری کہ رئیس اہل سنت است فرماید کہ افضلیت شیخین بر باقی امت قطعی است انکار نہ کند افضلیت شیخین را بر باقی صحابہ مگر جاہل یا متعصب حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ می فرماید کہ کسے کہ مرا بر ابی بکر و عمر فضل بدہد مفتری ست او را تازیانہ زنم چنانکہ مفتری را زنند (مکتوبات شریف دفتر دوم مکتوب:۶۷)

یعنی حضرت خاتم الرسل ﷺ کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان خلفاء راشدین کی افضلیت ترتیب خلافت کے لحاظ سے ہے۔ حضرات شیخین کی افضلیت صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے اجماع سے ثابت شدہ ہے۔ چنانچہ اسے اکابر آئمہ نے نقل کیا ہے جن میں سے ایک حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ ہیں۔ رئیس اہل سنت شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ افضلیت شیخین باقی تمام امت پر قطعی ہے دوسرے صحابہ کرام پر افضلیت شیخین کا سوائے جاہل یا متعصب کے اور کوئی بھی انکار نہیں کرتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں (قَالَ عَلِیٌّ رضی اللہ عنہ لَا یُفَضِّلُنِیْ اَحَدٌ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ اِلَّا جَلَدْتُہٗ حَدَّ الْمُفْتَرِیْ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۱۵۷) جو شخص مجھے حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دے وہ مفتری ہے میں اسے اسی طرح کوڑے

لگاؤں گا جس طرح مفتری کو (۸۰ کوڑے) لگائے جاتے ہیں۔

ایک اور مقام پر حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں:

اپنے آپ کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل جاننے والا زندیق یا جاہل مطلق ہے۔ شخصے کہ خود را از حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل داند امر او از دو حال خالی نیست زندیق محض است یا جاہل صرف (دفتر اول مکتوب: ۲۰۲)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلْمَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُوْلُ خَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَبُوْبَكْرٍ وَ خَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ اَبِيْ بَكْرٍ عُمَرُ (سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۰۶) سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے افضل سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔

قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ مِنْ اَكَابِرِ الشِّيْعَةِ اُفَضِّلُ الشَّيْخَيْنِ بِتَفْضِيْلِ عَلِيٍّ اِيَّاهُمَا عَلٰى نَفْسِهٖ وَ اِلَّا لَمَا فَضَّلْتُهُمَا كَفٰى بِيْ وِزْرًا اَنْ اُحِبَّهٗ ثُمَّ اُخَالِفَهٗ (الصواعق المحرقۃ جز ۱: ۱۸۰، مکتوب: ۲۶۶) یعنی اکابرین شیعہ میں سے عبد الرزاق نے کہا میں شیخین (حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کو اس لئے افضل کہتا ہوں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے آپ سے افضل کہا ہے میرے گناہگار ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعویٰ بھی کروں اور پھر ان کے اقوال کی مخالفت بھی کروں۔

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت و جماعت کی علامات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا

مِنْ عَلَامَاتِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ تَفْضِيْلُ الشَّيْخَيْنِ وَمُحَبَّةُ

الْخَتَنَیْنِ (النبراس: ۳۰۲) شیخین کریمین کی فضلیت اور دونوں دامادوں (حضرات عثمان و علی) کی محبت اہل سنت کی علامت ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر فضلیت دینے والا اہل سنت سے خارج ہے۔

کسیکہ حضرت امیر را افضل از حضرت صدیق گوید از جرگۂ اہل سنت می براید (دفتر اول مکتوب: ۲۰۲)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک افضلیت شیخین اور افضلیت عثمان کا منکر بدعتی، گمراہ اور یزید بدنصیب کا ساتھی ہے۔

بالجملہ افضلیت شیخین یقینی است و افضلیت حضرت عثمان دونِ اوست اما احوط آن ست کہ منکر افضلیت حضرت عثمان را بلکہ منکر افضلیت شیخین را نیز حکم بکفر نکنیم و مبتدع و ضال دانیم ..... و ایں منکر قرین یزید بے دولت است (دفتر اول مکتوب: ۲۶۶)

آپ نے اپنے روحانی مکاشفات و کیفیات کو ایک مقام پر یوں تحریر فرمایا ہے:

حضرت امیر حاملِ بار ولایت محمدی بودہ اند اکثر سلاسل اولیا بایشان منتسب گشت و کمالات حضرتِ امیر بیش از کمالات حضرات شیخین بر اکثر اولیاء عزلت کہ بکمالاتِ ولایت مخصوص اند ظاہر شد اگر نہ اجماع اہلسنت بر افضلیت شیخین بودے کشفِ اکثر اولیاء عزلت بافضیلت حضرت امیر حکم کردے زیرا کہ کمالاتِ حضرات شیخین شبیہ بکمالات انبیاء است عَلَیْهِمُ الصَّلَوٰاتُ وَ التَّسْلِیْمَاتُ دست ارباب ولایت از دامانِ آن کمالات کوتاہ

است و کشفِ ارباب کشوف بواسطۂ علو درجاتِ آنہا در راہ کمالاتِ ولایت در جنبِ آن کمالات كَالْمَطْرُوْحِ فِي الطَّرِيْقِ اند کمالات ولایت زینہ ہا انداز برائے عروج کمالات نبوت پس مقدمات را از مقاصد چہ خبر بود و مبادی را از مطالب چہ شعور امروز این سخن بواسطۂ بعد عہد نبوت بر اکثرے گرانست و از قبول دور لیکن چہ توان کرد۔۔ در پس آئینہ طوطی صفتم ساختہ اند۔۔۔ ہر چہ او ستاد ازل گفت ہمان میگویم ۔۔۔ اَمَّا الْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَالْمِنَّۃُ کہ درین گفتگو بعلماء اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم موافقم و بہ اجماع ایشان متفق استدلالی ایشان را بر من کشفی ساختہ اند و اجمالی را تفصیلی این فقیر را تا زمانے کہ بکمالاتِ مقام نبوت بمتابعتِ پیغمبر خود نرسانیدند و ازان کمالات بہرۂ تام ندادند بر فضائلِ شیخین بطریق کشف اطلاع نہ بخشیدند و غیر از تقلید راہے نمودند اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ روزے شخصے نقل کرد کہ نوشتہ اند کہ نامِ حضرتِ امیر بر درِ بہشت ثبت کردہ اند بخاطر رسید کہ حضراتِ شیخین را از خصائص آن موطن چہ باشد بعد از توجہ تام ظاہر شد کہ دخولِ این امت در بہشت باستصواب و تجویزِ این دو اکابر خواہد بود گویا حضرتِ صدیق بر درِ بہشت ایستادہ اند و تجویزِ دخولِ مردم میفرمایند و حضرتِ فاروق دست گرفتہ بدرون مے برند و مشہود میگردد کہ گویا تمام بہشت بنورِ حضرتِ صدیق مملو است درنظرِ این حقیر حضراتِ شیخین را درمیان جمیع صحابہ شانِ علحدہ

است و درجۂ منفردہ گویا ہیچ احدے مشارکت ندارند (دفتر اول مکتوب: ۲۵۱)

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ ولایت محمدی کے حامل ہیں اس لئے اکثر سلاسل اولیاء انہی سے منتسب ہو گئے ہیں اور حضرت علی کے کمالات حضرات شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے کمالات کی نسبت اکثر گوشہ نشین اولیاء پر (جو ولایت کے کمالات سے مخصوص ہیں) زیادہ ظاہر ہوئے ہیں۔ اگر حضرات شیخین کی افضلیت پر اہل سنت کا اجماع نہ ہوتا تو اکثر اولیائے گوشہ نشین کا کشف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا حکم کر دیتا...... چونکہ حضرات شیخین کے کمالات، انبیاء علیہم الصلوات کے کمالات کے مشابہ ہیں اور ارباب ولایت کی ان کمالات تک رسائی نہیں ہے اور اہل کشف کا کشف شیخین کے کمالات نبوت کے درجات کی بلندی کے باعث رستے ہی میں ہے، کمالات ولایت ان کے کمالات نبوت کے مقابلے میں کَالْمَطْرُوْحِ فِي الطَّرِيْقِ (رستے میں پھینکے ہوئے کی مانند) ہیں۔ کمالات ولایت، کمالات نبوت کے عروج تک پہنچنے کے لئے زینہ (سیڑھی) ہیں پس مقدمات کو مقاصد کی کیا خبر ہے اور مبادی کو مطالب کا کیا شعور ہے..... آج یہ بات عہد نبوت کے بُعد کی وجہ سے اکثر لوگوں پر گراں اور قبولیت سے دور معلوم ہوتی ہے، لیکن کیا کیا جائے

در پسِ آئینہ طوطی صفتم ساختہ اند
ہر چہ استادِ ازل گفت ہماں می گویم

(مثلِ طوطی مجھے آئینے کے پیچھے ہے رکھا...... وہی کہتا ہوں جو استادِ ازل سے ہے پڑھا)

لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ میں اس گفتگو میں علمائے اہل سنت شَكَرَ اللهُ تَعَالٰى سَعْيَهُمْ کے موافق ہوں اور ان کے اجماع سے متفق ہوں۔ حق تعالیٰ نے مجھ پر ان کے استدلالی علم کو کشفی اور اجمالی کو تفصیلی کر دیا ہے۔

اس فقیر کو جب تک اپنے پیغمبر کی متابعت کے باعث مقام نبوت کے کمالات تک نہیں پہنچا دیا گیا اور ان کمالات سے پورا پورا حصہ نہیں دیدیا گیا اس وقت تک فضائل شیخین کو کشف کے طریقے پر اطلاع نہیں بخشی گئی اور تقلید کے علاوہ اور کوئی راہ نہیں دکھائی گئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اعراف ۷: ۴۳) (تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بیشک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں)۔

ایک دن کسی شخص نے بیان کیا کہ (راویوں نے) لکھا ہے کہ حضرت امیر (علی المرتضیٰ) رضی اللہ عنہ کا نام بہشت کے دروازے پر ثبت کر دیا گیا۔ اس فقیر کے دل میں گزرا کہ حضرات شیخین کے لئے اس مقام پر کیا خصوصیتیں ہوں گی؟ پوری طرح توجہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس امت کا بہشت میں داخلہ ان دونوں اکابر حضرات کی تجویز اور استصواب پر ہوگا۔ گویا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بہشت کے دروازے پر کھڑے ہیں اور لوگوں کے داخلے کی تجویز فرماتے ہیں اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ ان کا ہاتھ پکڑ کر اندر لیجاتے ہیں اور ایسا مشاہدہ میں آتا ہے کہ گویا تمام بہشت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے نور سے بھری ہوئی ہے۔

اس حقیر کی نظر میں حضرات شیخین، تمام صحابہ کے درمیان ایک علیحدہ شان اور یگانہ درجہ رکھتے ہیں گویا کہ کوئی بھی اس میں ان کا شریک نہیں ہے۔

علمائے متکلمین کی تحقیقات بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی تائید کرتی ہیں۔

حضرت علامہ جلال الدین دوانی رحمۃ اللہ علیہ ارقام پذیر ہیں:

وَالْاِمَامُ بَعْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَبُوْبَكْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ثَبَتَتْ اِمَامَتُهٗ بِالْاِجْمَاعِ ثُمَّ عُمَرُ الْفَارُوْقُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ثُمَّ عُثْمَانُ

ذُو النُّوْرَیْنِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ثُمَّ عَلِیُّ الْمُرْتَضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَہٗ وَالْاَفْضَلِیَّۃُ بِھٰذَا التَّرْتِیْبِ وَ مَعْنَی الْاَفْضَلِیَّۃِ اَنَّہٗ اَکْثَرُ ثَوَابًا عِنْدَ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی لَا اَنَّہٗ اَعْلَمُ وَاَشْرَفُ نَسَبًا وَمَا اَشْبَہَ ذَالِکَ (العقائد العضدیہ)

یعنی نبی اکرم ﷺ کے بعد امام برحق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کی امامت اجماع سے ثابت ہو چکی۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بالترتیب امام ہوئے اور افضلیت اسی ترتیب کے مطابق ہے اور افضلیت کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ ثواب پانے والے ہیں نہ کہ اس معنی میں کہ وہ سب سے زیادہ عالم اور نسباً اعلیٰ و معزز ہیں وغیر ہا۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

اَجْمَعَ اَھْلُ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ عَلٰی اَنَّ اَفْضَلَ الصَّحَابَۃِ اَبُوْبَکْرٍ فَعُمَرُ فَعُثْمَانُ فَعَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ (شرح فقہ اکبر:۱۱۹) اہل سنت و جماعت کا اس امر پر اجماع ہو چکا ہے کہ تمام صحابہ کرام میں سب سے افضل ابوبکر ہیں، ان کے بعد عمر، پھر عثمان اور پھر علی (رضی اللہ عنہم) ہیں۔

حضرت علامہ ابوالحسن دوسی رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ بدء الامالی میں تحریر فرماتے ہیں:

وَ لِلصِّدِّیْقِ رُجْحَانٌ جَلِیٌّ
عَلَی الْاَصْحَابِ مِنْ غَیْرِ احْتِمَالٖ

یعنی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بغیر کسی شک و احتمال کے افضلیت حاصل ہے۔

حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اَلْاِمَامُ الْحَقُّ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِنْدَنَا وَعِنْدَ

الْمُعْتَزِلَةِ وَاَكْثَرُ الْفِرَقِ اَبُوْبَكْرٍ وَعِنْدَ الشِّيْعَةِ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَلَا عِبْرَةَ (شرح المقاصد جلد دوم: ۲۸۶)

یعنی ہم اہل سنت و جماعت، معتزلہ اور اکثر فرقوں کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے بعد امام برحق سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، جبکہ شیعہ کے ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

حضرت امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

نُثْبِتُ الْخِلَافَةَ بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلًا لِاَبِيْ بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ تَفْضِيْلًا لَهٗ وَتَقْدِيْمًا عَلٰى جَمِيْعِ الْاُمَّةِ ثُمَّ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَهُمُ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُوْنَ وَالْاَئِمَّةُ الْمَهْدِيُّوْنَ

(التعلیقات الاثریہ علی عقیدۃ الطحاویہ ۱: ۵۳)

یعنی ہم رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے ہوئے اور تمام امت سے مقدم سمجھتے ہوئے سب سے پہلے خلافت کا اثبات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے کرتے ہیں، پھر ان کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے اور پھر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لئے اور وہ تمام خلفائے راشدین اور ہدایت یافتہ امام ہیں:

صوفیائے محققین کے نزدیک بھی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تفضیل وتقدیم پر اجماع ہو چکا ہے جیسا کہ صاحب التعرف ارقام پذیر ہیں:

اَجْمَعَ الصُّوْفِيَّةُ عَلٰى تَقْدِيْمِ اَبِيْ بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ (النبراس: ۳۰۲)

حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا سبب بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ذَكَرَ الْمُحَقِّقُوْنَ اَنَّ فَضِيْلَةَ الْمَبْحُوْثِ عَنْهَا فِى الْكَلَامِ هِىَ كَثْرَةُ الثَّوَابِ اَىْ عِظَمُ الْجَزَاءِ عَلٰى اَعْمَالِ الْخَيْرِ لَا شَرَفَ النَّسَبِ وَاِلَّا لَزِمَ اَنْ يَكُوْنَ وَلَدُ النَّبِىِّ اَفْضَلُ مِنَ النَّبِىِّ الَّذِىْ لَيْسَ اَبُوْهُ نَبِيًّا وَلَا كَثْرَةُ الطَّاعَاتِ الظَّاهِرَةِ لِاَنَّ الثَّوَابَ لَيْسَ عَلٰى حَسَبِ مِقْدَارِهَا لِاَنَّ اِنْفَاقَ اَحَدِنَا جَبَلَ اُحُدٍ ذَهَبًا لَا يَبْلُغُ مُدَّ الصِّحَابَةِ وَلَا نَصِيْفَهُمْ كَمَا فِى الْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ وَالسِّرُّ فِىْ ذَالِكَ اَنَّ اَصْلَ الْخَيْرِ هُوَ الْاِخْلَاصُ فِى الْعَمَلِ وَمُحَبَّةُ الْحَقِّ سُبْحَانَهُ وَدَوَامُ الْحُضُوْرِ مَعَهُ وَهِىَ اُمُوْرٌ بَاطِنَةٌ وَلِذَا قَالَ بَكْرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُزْنِىْ مَا فَضَّلَكُمْ اَبُوْ بَكْرٍ بِصَوْمٍ وَصَلٰوةٍ وَلٰكِنْ بِشَىْءٍ فِىْ قَلْبِهٖ اِنْتَهٰى فَلَا يَخْفٰى اَنَّ كَثْرَةَ الثَّوَابِ لَا تُعْلَمُ اِلَّا بِاَخْبَارِ الشَّارِعِ وَلَا مَدْخَلَ فِيْهَا لِلْعَقْلِ وَالْمَنَاقِبِ الظَّاهِرَةِ

(النبر اس:۲۹۹)

یعنی محققین نے بیان کیا ہے کہ کلام میں مبحوث عنہا کی فضیلت کثرت ثواب ہے یعنی اعمال خیر پر جزاء کی زیادتی، نہ کہ نسبی شرف ہے ورنہ لازم آئے گا کہ اس نبی کا بیٹا افضل ہو اس نبی سے کہ جس کا باپ نبی نہیں ہے اور نہ ہی ظاہری اطاعت کی کثرت باعث فضیلت ہے۔ کیونکہ ثواب مقدار کے اعتبار سے نہیں ہے اس لئے کہ ہمارا جبل احد کے برابر سونا خرچ کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مُد اور نصف مُد کو بھی نہیں پہنچتا جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ نیکی کی اصل عمل میں اخلاص، حق سبحانہ کی محبت اور دوام حضور مع اللہ ہے اور یہ تمام باطنی امور ہیں اسی لئے بکر بن عبداللہ مزنی

نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کثرت صوم وصلوٰۃ کی وجہ سے فضیلت حاصل نہیں بلکہ جو چیز ان کے قلب مبارک میں ہے اس وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔ یہ امر پوشیدہ نہ رہے کہ کثرت ثواب تو حضرت شارعؑ کے آگاہ فرمانے سے ہی معلوم ہوتا ہے اور اس میں عقل اور ظاہری مناقب کا کوئی دخل نہیں ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اَفْضَلُهُمْ عَلٰی تَرْتِیْبِ الْخِلَافَةِ وَالْمُرَادُ بِالْاَفْضَلِیَّةِ اَكْثَرُ الثَّوَابِ

(تکمیل الایمان) یعنی چاروں خلفائے کرام رضی اللہ عنہم کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے اعتبار سے ہے اور یہ افضلیت کثرت ثواب کی وجہ سے ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اَبُوْبَكْرِ الصِّدِّيْقُ اِمَامٌ حَقٌّ بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ ثُمَّ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ ...... وَلَا نَعْنِيْ الْاَفْضَلِيَّةَ مِنْ جَمْعِ الْوُجُوْهِ حَتّٰى يَعُمَّ النَّسَبُ وَالشَّجَاعَةُ وَالْقُوَّةُ وَالْعِلْمُ وَاَمْثَالُهَا بَلْ هِيَ عِظَمُ نَفْعِهِ فِي الْاِسْلَامِ فَاَمِيْرُ اُمَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزِيْرَاهُ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ بِاعْتِبَارِ الْهِمَّةِ الْبَالِغَةِ فِيْ اِشَاعَةِ الْحَقِّ فَاِنَّ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجْهَيْنِ وَجْهٌ يَاْخُذُ عَنِ اللهِ وَجْهٌ يُعْطِي الْخَلْقَ وَلَهُمَا فِي الْعَطَاءِ لِلْخَلْقِ تَالِيْفًا لِلنَّاسِ وَجَمْعًا لَهُمْ وَتَدْبِيْرًا لِلْحَرْبِ يَدٌ طُوْلٰى (العقیدۃ الحسنۃ)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام برحق حضرت ابوبکر صدیق پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی (رضی اللہ عنہم) ہیں ہماری مراد افضلیت من جمع الوجوہ نہیں ہے جو نسب، شجاعت، قوت اور علم وغیرہا کو عام ہو بلکہ افضلیت اسلام میں عظیم خدمات کی

وجہ سے ہے۔ پس نبی اکرم ﷺ کی امت کے لئے امیر اور آپ ﷺ کے وزیر اشاعتِ حق (اسلام) میں ہمت بالغہ کے اعتبار سے حضرات ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی دو جہتیں ہیں ایک جہت سے اللہ تعالیٰ سے لیتے ہیں، دوسری جہت سے مخلوق کو عطا فرماتے ہیں۔ لوگوں کی جمع و تالیف اور حربی تدبیر کے لئے اعطائے خلق میں ان دونوں حضرات کو ید طولیٰ حاصل ہے۔

واضح رہے کہ خلیفہ رسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اتقی، اکرم، اعظم درجۃ، ارحم، افضل الامۃ، اعلم، اعلم بالسنۃ، اشجع جیسے اسم تفضیل کے صیغوں سے ملقب ہیں جیسا کہ درج ذیل آیات کریمہ، احادیث مبارکہ، آثار صحابہ اور اقوال علماء سے بالترتیب ثابت ہے۔

- ...... وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى (اللیل ۹۲: ۱۷)
- ...... اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات ۴۹: ۱۳)
- ...... اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ (التوبہ ۹: ۲۰)
- ...... اَرْحَمُ اُمَّتِيْ بِاُمَّتِيْ اَبُوْبَكْرٍ (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۷۹۰)
- ...... اَبُوْ جُحَيْفَةَ يَقُوْلُ دَخَلْتُ عَلٰى عَلِيٍّ فَقُلْتُ يَا اَفْضَلَ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا فَقَالَ مَهْلًا يَا اَبَا جُحَيْفَةَ اُخْبِرُكَ بِاَفْضَلِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا؟ قُلْتُ نَعَمْ بِاَبِيْ وَاُمِّيْ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث: ۲۰۳۳)
- ...... وَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ اَعْلَمَنَا (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۴۶۶)
- ...... اَنَّهٗ كَانَ اَعْلَمَهُمْ بِالسُّنَّةِ (المدخل الی السنن الکبری للبیہقی، رقم الحدیث: ۳۲)
- ...... قَالَ عَلِيٌّ وَاَنَّهٗ اَشْجَعُ الصَّحَابَةِ (تاریخ الخلفاء: ۱/ ۱۴)
- ...... هُوَ اَعْلَمُ الصَّحَابَةِ عَلَى الْاِطْلَاقِ (صواعق محرقہ: ۳۳)

مغالطہ آفرینوں کے لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا بصیرت افروز اور نصیحت آموز ارشاد گرامی ملاحظہ ہو:

راہ ہائے کہ بجنابِ قدس موصل اند دو اند راہے ست کہ بقربِ نبوت تعلق دارد عَلٰی اَرْبَابِهَا الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ و موصل اصل الاصل ست واصلانِ این راہ بالاصالت انبیاء اند عَلَیْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَ التَّسْلِیْمَاتُ و صحابۂ ایشان و از سائر امتان تا کرا باین دولت بنوازند اگرچہ قلیل بوند بلکہ اقل و درین راہ توسط و حیلولت نیست ہر کہ ازین واصلان فیض مے گیرد بے توسط احدے از اصل اخذ مے نماید و ہیچ یکے دیگرے را حائل نیست و را ہے ست کہ بقربِ ولایت تعلق دارد اقطاب و اوتاد و بدلاء و نجباء و عامۂ اولیاء اللہ بہ ہمیں راہ واصل اند و راہِ سلوک عبارت ازین راہ ست بلکہ جذبۂ متعارفہ نیز داخلِ ہمین ست و توسط و حیلولت درین راہ کائن ست و پیشوائے واصلانِ این راہ و سرگروہ اینہا و منبع فیضِ این بزرگواران حضرتِ علی مرتضیٰ ست کَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْکَرِیْمَ و این منصبِ عظیم الشان بایشان تعلق دارد درین مقام گویا ہر دو قدمِ مبارکِ آنسرور عَلَیْهِ وَ عَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ بر فرقِ مبارکِ اوست کَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَجْهَهٗ و حضرتِ فاطمہ و حضراتِ حسنین رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ درین مقام با ایشان شریک اند انگارم کہ حضرتِ امیر قبل از نشأ عنصری نیز ملاذ و ملجأ این مقام بودہ اند چنانچہ بعد از نشا عنصری و ہر کرا فیض و

ہدایت ازین راہ مے رسید بتوسطِ ایشان میرسید چہ ایشان نزد نقطۂ منتہائے این راہ اند و مرکزِ این مقام بایشان تعلق دارد و چون دورۂ حضرتِ امیر تمام شد این منصب عظیم القدر بحضراتِ حسنین ترتیباً مفوض و مسلم گشت و بعد از ایشان ہمان منصب بہ یکے از ائمہ اثنا عشر علی الترتیب والتفصیل قرار گرفت (دفتر سوم مکتوب:۱۲۳)

یعنی جناب قدس کی طرف پہنچانے والے دو رستے ہیں۔ایک رستہ وہ ہے جس کا تعلق قرب نبوت ﷺ کے ساتھ ہے اور وہ اصل الاصل تک پہنچانے والا ہے۔اس راہ کے واصلین بالاصالت انبیاء کرام علیہم الصلوات اور ان کے صحابہ ہیں، باقی امتوں میں سے جسے چاہیں اِس دولت سے نواز دیں لیکن وہ قلیل بلکہ اقل ہیں، اس راہ میں توسط اور حیلولہ نہیں ہے، جو بھی ان واصلین میں سے فیض حاصل کرتا ہے وہ بغیر کسی توسط کے اصل سے اخذ کرتا ہے، کوئی بھی ایک دوسرے کے لئے حائل نہیں ہے۔

دوسرا رستہ قربِ ولایت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، اقطاب، اوتاد، ابدال ونجباء اور عام اولیاء اللہ سب اسی راہ سے واصل ہوئے ہیں، راہِ سلوک سے مراد یہی راہ ہے بلکہ جذبہ متعارفہ بھی اسی میں داخل ہے اور توسط اور حیلولہ بھی اسی راہ میں ثابت ہے اور اس راہ کے پیشوائے واصلین، سرخیل اور ان بزرگوں کے منبع فیض حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ عظیم الشان منصب آپ سے تعلق رکھتا ہے۔اس مقام میں گویا حضور اکرم ﷺ کے دونوں مبارک قدم آپ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے سر مبارک پر ہیں، حضرت سیدہ فاطمہ اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم بھی اس مقام میں ان کے شریک ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر نشاء عنصری سے پیشتر بھی اس مقام کے ملجا وماویٰ تھے جیسا کہ آپ نشاء عنصری کے بعد ہیں اور جس کسی کو بھی اس راہ سے فیض وہدایت پہنچتی

ہے وہ آپ ہی کے توسط سے پہنچتی ہے کیونکہ آپ اس راہ کے نقطۂ منتہی کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز آپ سے تعلق رکھتا ہے، جب حضرت امیر کا دور ختم ہو گیا تو یہ عظیم القدر منصب حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو بالترتیب سپرد ہوا، ان کے بعد وہی منصب ائمہ اثنا عشرہ رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کو علی الترتیب والتفصیل دیا گیا۔

علمِ کلام

اور

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ
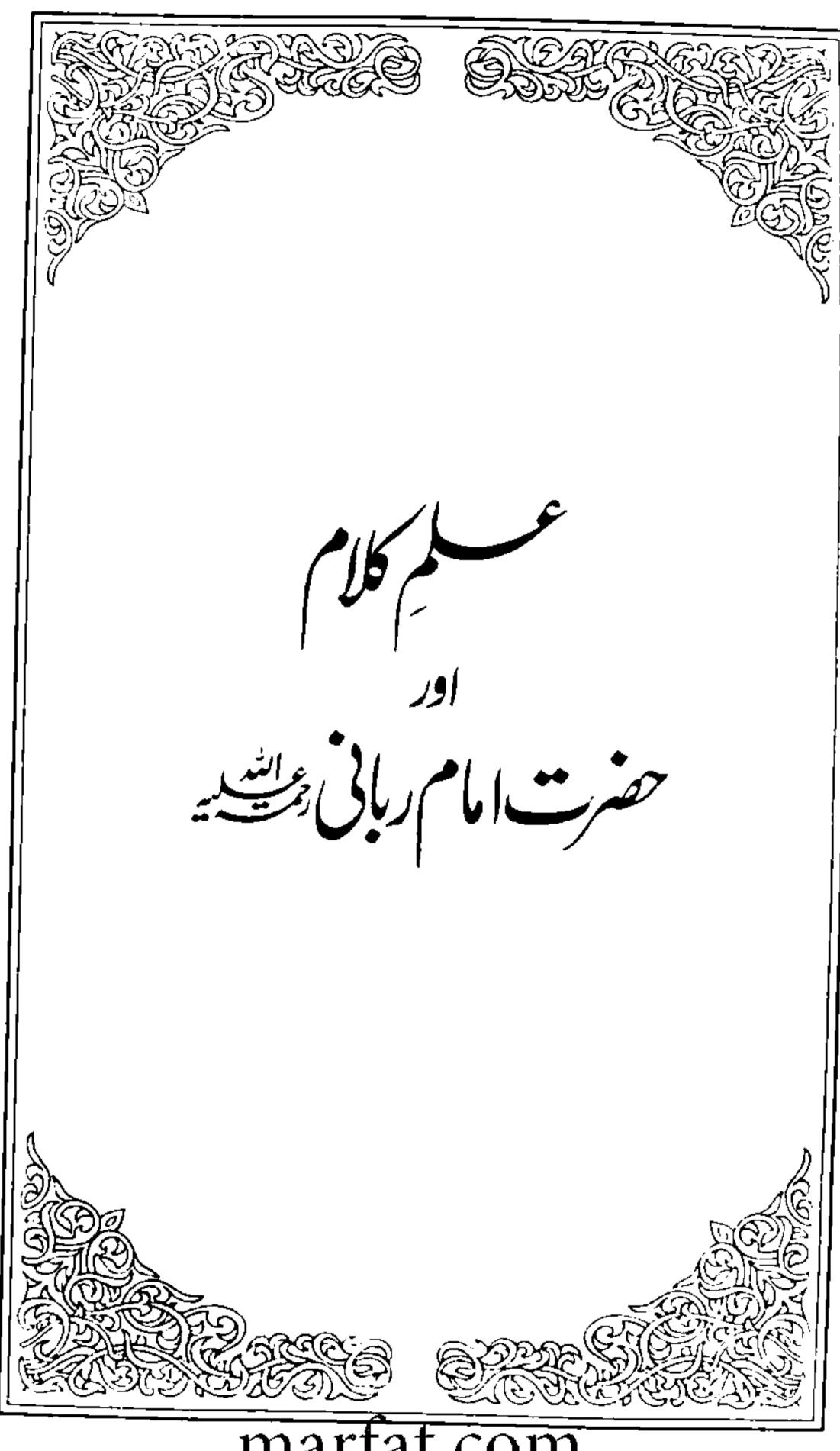
دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور عالمگیر مذہب ہے جو بنیادی طور پر چار عنوانات پر مشتمل ہے۔

۱.....عقائد وایمانیات ۲.....اعمال وعبادات

۳.....معاشرت ومعاملات ۴.....اخلاقیات وسیاسیات وغیرہا

ان مذکورہ عنوانات میں اول درجہ عقائد کا ہے۔عقائد کا مفرد عقیدہ ہے اور عقیدہ، عقد سے مشتق ہے۔عقد کا معنی باندھنا اور گرہ لگانا ہے یعنی چند بنیادی حقائق کے متعلق یقین باطنی اور تصدیق قلبی کو اس طرح پختہ کرنا اور خیالات کو یوں مستحکم کرنا جس طرح گرہ باندھی جاتی ہے، عقیدہ اور ایمان کہلاتا ہے۔عقیدہ کی جمع عقائد ہے اور عقائد اسلامیہ کے مسائل کو فقہ اکبر اور علم الکلام کہا جاتا ہے اور فقہ کے مسائل احکام اجتہادیہ کو فقہ اصغر کہا جاتا ہے۔

چونکہ دین اسلام ہر قسم کے افراط وتفریط سے پاک مذہب ہے اس لئے عقائد اسلامیہ میں بھی کسی قسم کی افراط وتفریط اور کمی وبیشی نہیں پائی جاتی۔اہل سنت وجماعت جو دین اسلام کی سب سے بڑی وحدت اور مسلمانوں کی عالمگیر اکثریت ہے اس کے عقائد بھی ہر قسم کے افراط وتفریط اور حشو وزوائد سے پاک ومعتدل ہیں۔کیونکہ اعتدال میں ہی عافیت وخیریت ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا سے

عیاں ہے۔ حضرت علامہ جیون صدیقی رقمطراز ہیں:

فَاِنَّهَا مُتَوَسِّطَةٌ بَيْنَ الْجَبْرِ وَالْقَدْرِ بَيْنَ الرِّفْضِ وَالْخُرُوْجِ بَيْنَ التَّشْبِيْهِ وَالتَّعْطِيْلِ الَّذِيْ فِيْ وَغَيْرِهَا وَعَلٰى طَرِيْقِ سُلُوْكٍ جَامِعٍ بَيْنَ الْمُحَبَّةِ وَالْعَقْلِ فَلَا يَكُوْنُ عِشْقًا مَحْضًا مُفْضِيًا اِلَى الْجَذْبِ وَلَا عَقْلًا صِرْفًا مُوْصِلًا اِلَى الْاِلْحَادِ وَالْفَلْسَفَةِ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهُ (نور الانوار:۶) یعنی بے شک عقائد اہل سنت، جبریہ اور قدریہ، رافضیہ اور خارجیہ، تشبیہ و تعطیل کے درمیان متوسط ہیں جو ان کے علاوہ ہیں۔ ایسے ہی عقائد اہل سنت محبت اور عقل کے درمیان جامع ہیں جو نہ تو محض عشق ہی ہیں کہ انسان کو کیفیت جذب تک پہنچا دیں اور نہ ہی صرف عقل پر انکا مدار ہے کہ انسان کو الحاد و فلسفہ (کفر) تک پہنچا دیں، ہم اس قسم کے فاسد عقائد سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

علم کلام کا تعارف

علم کلام وہ علم ہے جس میں ذات وصفات باری تعالیٰ اور اعتقاداتِ اسلامیہ کے متعلق بحث ہوتی ہے، جس کی تحصیل سے بندۂ مومن عقائد دینیہ کا بذریعہ دلائل اثبات اور مخالفین کے ایرادات کا ابطال بآسانی کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

سراج الامہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ امت محمدیہ اور ملت مصطفویہ کے وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے علم کلام کی باقاعدہ ترتیب و تدوین فرمائی بعد ازاں دیگر علمائے اعلام نے منکرین کے شکوک و شبہات کو رفع کر کے اس فن کی ترویج و اشاعت میں بھرپور کردار ادا کیا، فرق ضالہ کی دسیسہ کاریوں اور ملل باطلہ کی دھوکہ دہیوں سے قصر اہل سنت کو متزلزل ہونے سے محفوظ کر دیا اور دین اسلام کے عالیشان محل کو انہدام سے بچالیا، یوں بمصداق آیہ کریمہ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ

مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ (الصف۸:۶۱) ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھرنے سے مامون ہو گیا۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

جس طرح مسائل عملیہ فرعیہ میں اہل سنت کا اطلاق حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ پر ہوتا ہے ایسے ہی مسائل کلامیہ میں اہلسنت کا اطلاق ماتریدیہ، اشعریہ اور حنابلہ پر ہوتا ہے۔

جس طرح مسائل متفقہ میں جملہ مجتہدین متفق و متحد ہیں اور ان مسائل پر تمام اہلسنت کاربند ہونگے ایسے ہی کتاب وسنت سے صراحۃً ثابت شدہ مسائل اعتقادیہ میں تمام متکلمین اہلسنت متفق ہیں اور تمام اہلسنت ان مسائل کے معتقد و پابند ہونگے۔

البتہ جس طرح کتاب وسنت سے استنباط شدہ مسائل مختلفہ میں مقلدین اپنے اپنے امام کے اجتہادی استنباطات اور فقہی تخلیقات کی تقلید و اطاعت کریں گے ایسے ہی وہ مسائل اعتقادیہ جن میں قدرے اخفا و پوشیدگی ہے ان میں تمام اہلسنت اپنے اپنے متکلم امام کی اجتہادی تحقیقات اور علمی تدقیقات کے پابند ہونگے۔

یوں ائمہ اربعہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے مقلدین بالترتیب حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کہلوائیں گے اور حضرت امام ابومنصور ماتریدی، حضرت امام ابوالحسن اشعری اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے پیروکار بالترتیب ماتریدی، اشعری اور حنبلی کہلوائیں گے۔ فرقہ ظاہریہ اور جمہور اہل حدیث (محدثین کرام) بھی عقائد میں خود کو حنبلی کہلواتے ہیں (بغیۃ الرائد)۔ حضرات مالکیہ اور شوافع عقائد کلامیہ میں حضرت امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار ہیں اس لئے انہیں اشاعرہ یا اشعریہ کہا جاتا ہے جبکہ

جمہور احناف عقائد کلامیہ میں حضرت امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا امام مانتے ہیں اس لئے انہیں ماتریدی کہا جاتا ہے۔

متکلمین ماتریدیہ اور متکلمین اشعریہ کے درمیان ۴۰ مسائل کلامیہ میں اختلاف ہے مگر علمائے کرام نے ان مسائل مختلفہ میں سے اکثر مسائل میں مطابقت کر کے اسے لفظی نزاع قرار دیا ہے مگر عقائد مجددیہ کے مطابق ۱۲ اور المتون المعتبرہ کے مطابق ۱۳ مسائل میں ہنوز اختلاف پایا جاتا ہے۔

ماتریدیہ کا موقف اسلم ہے

عقائد اسلامیہ اور مسائل دینیہ انوارِ مشکوٰۃ نبوت سے مقتبس ہیں اس لئے ان کی فہم و تفہیم محض نور فراست اور کشف صحیح سے ہی ممکن ہے اور آیہ کریمہ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ اور ارشاد نبوی ﷺ بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ اٰيَةً کے مطابق ہم من وعن ان کی تبلیغ و تفہیم کے مکلف ہیں۔ بنابریں عقل ناتمام اور فلسفیانہ اطوار و استدلال کے ذریعے عقائد و مسائل کی تفہیم و تکمیل سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ورنہ بدیہی عقائد بحث و نظر کا شکار ہو جاتے ہیں اور معترضین اسی فلسفیانہ انداز کے ساتھ ان کی تردید و تغلیط کرتے ہیں جو اکابرین دین پر زبان طعن دراز کرنے کا باعث اور اسلاف کرام کا طریقہ ترک کرنے کا موجب بن جاتا ہے۔ علمائے اشعریہ نے فلسفی موشگافیوں کے ذریعے نظر و استدلال کا طریقہ ایجاد کیا جس سے شترِ بے مہار، مادر پدر آزاد اور ائمہ مجتہدین سے بداعتقاد لوگ منظر عام پر آتے گئے یوں ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھر گیا اور لوگ مختلف گروہوں اور فرقوں میں منقسم ہو گئے جبکہ علم الہدیٰ حضرت شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب و تلامذہ نے مقاصد پر اقتصار اور فلسفیانہ باریک بینیوں سے اعراض فرمایا (مبدأ و معاد منہا: ۴۲) اسی لئے حضرت امام

ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک متکلمین ماتریدیہ کا مؤقف اسلم ہے۔
علامہ کوثری مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

بلاد ماوراء النہر بدعات کی آلودگی سے پاک تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ دلوں پر بلاشرکتِ غیرے حدیثِ نبوی ﷺ کا سکہ جاری تھا۔ احادیث و آثار کا یہ سلسلہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا تا آنکہ ماوراء النہر کے امام السنۃ ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ جن کو امام الہدیٰ کے لقب سے پکارا جاتا ہے وہ منظر عام پر آئے۔ انہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو مسائل و دلائل کی تحقیق و تدقیق کی نذر کر دیا اور اپنی گراں بہا تصانیف میں عقل و مذہب دونوں کو پیش نظر رکھا۔ (اسلامی مذاہب)

حضرت امام ربانی علم کلام کے مجتہد ہیں

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مسائل کلامیہ میں گو مشائخ ماتریدیہ کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں، مگر جب سے حضور اکرم ﷺ نے آپ کو واقعہ میں ''تو از مجتہدانِ علم کلامی (مبدأ و معاد منہا: ۲۸) کا مژدہ سنایا ہے تب سے علم کلام کے ہر مسئلہ میں آپ تقلید و تخمین کے لحاظ سے نہیں بلکہ الہام و فراست کی بناء پر خاص رائے اور مخصوص علم رکھتے ہیں۔ جس کا بین ثبوت آپ کے مکتوبات شریفہ اور رسائل مبارکہ میں جا بجا مسائل کلامیہ کا تذکرہ ہے۔ خصوصاً رسالہ کثیر البرکات جسے حضور اکرم ﷺ نے، اپنی امت کے مشائخ کی بہت بڑی جماعت کے ہمراہ تشریف فرما، اپنے دست اقدس میں لئے ہوئے کمال کرم سے بوسہ دیا اور مشائخ کو دکھا کر فرمایا ''ایں نوع معتقدات می باید حاصل کرد'' اس قسم کے عقائد حاصل کرنے چاہئیں (دفتر اول مکتوب: ۱۶)
بعض حضرات کے نزدیک رسالہ کثیر البرکات سے مراد دفتر اول مکتوب: ۲۶۶ ہے جو عقائد و مسائل دینیہ اور فضائل نقشبندیہ پر مشتمل ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کی ان تحقیقاتِ غریبہ سے مشتے نمونہ از خروارے صرف ایک مثال پیش خدمت ہے۔

پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والا بت پرست باشندہ جسے دعوت حق نہیں دی گئی اس کے جنتی اور جہنمی ہونے کے متعلق علمائے متکلمین اہل سنت کا اختلاف ہے۔

متکلمین اشاعرہ کا موقف

ان کے نزدیک شاهق الجبل صنم پرست دائمی جنتی ہے اگرچہ بت پرست ہے۔ کیونکہ اس تک کوئی دعوت حق نہیں پہنچی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (الاسراء ۱۷:۱۵) سے واضح ہے۔

متکلمین ماتریدیہ کا موقف

ان کے نزدیک شاهق الجبل بت پرست دائمی جہنمی ہے کیونکہ اس نے شرک کا ارتکاب کیا ہے بنابریں اس پر جنت حرام ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ (المائدہ ۵:۷۲) سے عیاں ہے۔

حضرت ابن عربی کا موقف

ان کے نزدیک روز قیامت کسی پیغمبر کو اس قسم کے لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا جائے گا جس نے دعوت حق کو قبول کرلیا اسے جنت میں بھیج دیا جائے گا اور جس نے قبول حق سے انکار کیا اسے جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

حضرت امام ربانی کا موقف

آپ ارشاد فرماتے ہیں نزد ایں فقیر مستحسن نیست، چہ آخرت دار جزا است نہ دار تکلیف تا بعثت پیغمبرے نمودہ آید اس فقیر کے نزدیک یہ مطابقت مستحسن نہیں کیونکہ آخرت دار جزا ہے نہ کہ دار تکلیف کہ کسی پیغمبر علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث فرمایا جائے۔ مزید رقمطراز ہیں:

مدت مدید کے بعد عنایت خداوندی جل سلطانہٗ نے رہنمائی فرمائی اور اس معما کا حل منکشف فرمایا کہ یہ جماعت (پہاڑوں کے مشرک باشندے) نہ بہشت میں رہے گی نہ دوزخ میں بلکہ دوبارہ زندہ کرنے کے بعد ان کا حساب و کتاب ہوگا اور ان کے گناہوں کے اندازے کے مطابق انہیں عتاب وعذاب ہوگا اور ادائیگی حقوق کے بعد غیر مکلف حیوانات کی مانند انہیں معدوم مطلق اور لاشئی کر دیا جائے گا فلہٰذا بہشت میں دائمی خلود کس کا ہوگا اور کون دوزخ میں جلے گا۔

آخر میں رقمطراز ہیں کہ

ایں معرفت غریبہ را چون در محضر انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات عرضہ نمودہ شد ہمہ تصدیق آن فرمودند و مقبول داشتند والعلم عنداللہ سبحانہ یعنی اس نادر معرفت کو جب واقعہ یا خواب میں انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے حضور پیش کیا گیا تو تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے اس کی تصدیق بھی فرمائی اور شرف قبولیت سے بھی نوازا۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب:۲۵۹)

متابعتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

اور

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ
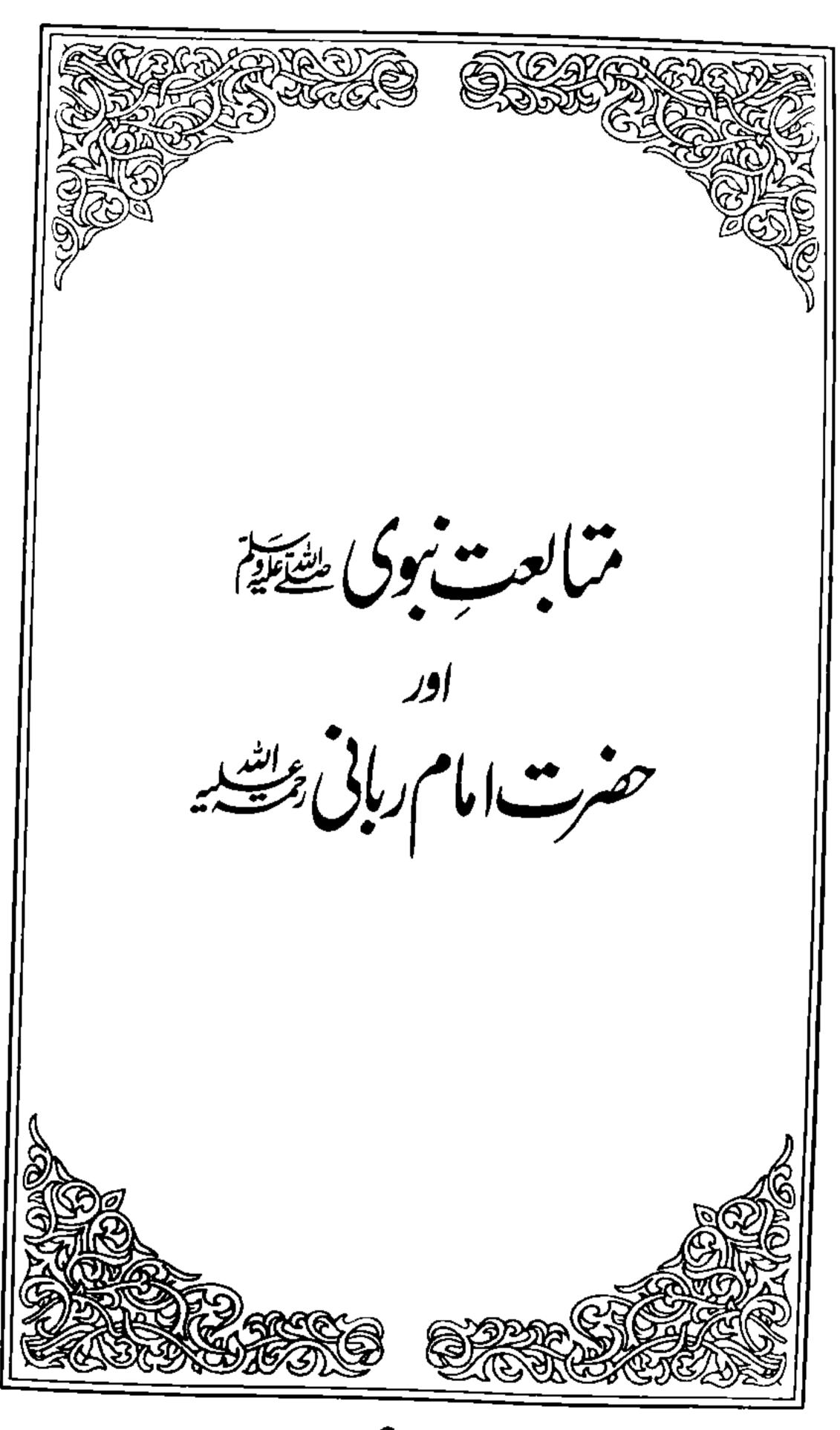
انسان کی سعادت ابدی اور شرافت سرمدی محبت الٰہیہ پر موقوف ہے اور اس نعمت عظمیٰ کا حصول حضور اکرم ﷺ کی متابعت کے ساتھ مربوط ہے اور متابعت نبوی مرتبہ محبوبیت کے حصول کا باعث ہے آیہ کریمہ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ جس پر دال ہے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا

عجب ایں نیست کہ محبوب جہانی ز ہمہ
عجب آنست کہ محبانِ تو محبوباں اند

متابعت نبوی کی بدولت ہی صحابہ کرام، اہلبیت عظام، علمائے راسخین اور عرفائے کاملین رضی اللہ عنہم تصفیہ قلوب اور تزکیہ نفوس سے شادکام ہوئے، انہیں ظاہری و باطنی کمالات اور صوری و معنوی برکات حاصل ہوئے، انہیں حریم قدس تک رسائی نصیب ہوئی..... حجابات اٹھے اور عالم غیب کے اسرار کھلے۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ کی تفسیر کرتے ہوئے ارقام پذیر ہیں۔

یَصِلُوْنَ بِسُلُوْکِہٖ جَنَابَ الْقُدْسِ وَیُفْتَحُ عَلَیْہِمْ اَبْوَابُ الْغَیْبِ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَہُ اللّٰہُ عِلْمَ مَالَمْ یَعْلَمْ

اہل طریقت نے متابعت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں

۱.....متابعت ظاہری ۲.....متابعت باطنی

متابعت ظاہری مرتبۂ نبوت سے متعلق ہے اور متابعت باطنی مرتبۂ ولایت سے۔ مرتبۂ نبوت سے ان احکام شرعیہ کی طرف اشارہ ہے جو عالم وجوب سے بواسطہ جبریل (علیہ السلام) سرور عالم ﷺ پر نازل ہوئے اور آپ نے خلق خدا تک پہنچا دیئے۔ مرتبہ ولایت سے مراد وہ اسرار توحید و معرفت ہیں جو سرور کائنات ﷺ نے مقام لی مع اللہ سے بلا واسطہ جبریل (براہ راست) حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے حاصل کر کے خاصانِ امت کو سکھا دیئے۔ (البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب:۲۱)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے متابعت نبوی ﷺ کے ذرہ کو دنیوی لذات اور اُخروی تنعمات سے کئی مرتبے فاضل تر قرار دیا ہے آپ تحریر فرماتے ہیں:

ذرۂ ایں متابعتِ مرضیہ از جمیع تلذذاتِ دنیوی و تنعماتِ اُخروی بمراتب بہتر ست (دفتر اول مکتوب:۱۱۴)

خواجہ حکیم سنائی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ متابعتِ نبوی ﷺ کی اہمیت وافادیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

گردِ نعلِ اسپ سلطانِ شریعت سرمہ کن
تا بود نورِ الٰہی با دو چشمت مقترن
مژہ در چشم سنائی چون سنانے باد تیز
گر سنائی زندگی خواہد زمانے بے سنن

متابعتِ نبوی ﷺ کے ہفت درجات

آنسرور ﷺ کی متابعت جو دینی اور دنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے کئی درجات و

مراتب رکھتی ہے۔

درجہ اول

عوام اہل اسلام کا ہے یہ تصدیق قلبی کے بعد اطمینانِ نفس سے قبل جو کہ درجہ ولایت سے مربوط ہے احکامِ شرعیہ کی بجا آوری اور سنت سنیہ کی اتباع ہے۔ علمائے ظواہر، عابد اور زاہد حضرات جن کا معاملہ ابھی تک اطمینانِ نفس تک نہیں پہنچا سب اس درجہ میں مشترک ہیں۔ اس متابعت صوری کے حصول میں سب برابر ہیں۔ چونکہ نفس اس مقام میں کفر و انکار سے آزاد نہیں ہوتا تو لازمی طور پر یہ خاص درجہ صرف متابعت کی صورت رکھتا ہے۔ متابعت کی یہ صورت حقیقی متابعت کی مانند آخرت کی فلاح اور خلاصی کا موجب، عذابِ نار سے نجات دلانے والی اور دخولِ جنت کی بشارت سنانے والی ہے۔ حق تعالیٰ نے کمالِ کرم سے انکارِ نفس کا اعتبار نہ کر کے صرف تصدیقِ قلبی پر کفایت فرمائی ہے اور نجات کو اس تصدیق کے ساتھ مربوط فرما دیا ہے۔

درجہ دوم

آنسرور ﷺ کے ان اقوال و اعمال کی متابعت ہے جو باطن سے تعلق رکھتے ہیں جیسے اخلاق کی تہذیب، صفاتِ رذیلہ کی مدافعت، باطنی امراض اور اندرونی بیماریوں کا ازالہ کرنا ہے۔ متابعت کا یہ درجہ مقام طریقت سے متعلق اور ان ارباب سلوک سے مخصوص ہے جو طریقہ صوفیاء کو شیخ مقتدا سے اخذ کر کے سیر الی اللہ کی وادیوں اور بیابانوں کو قطع کرتے ہیں۔

درجہ سوم

آنسرور ﷺ کے احوال، اذواق اور مواجید کی متابعت ہے جو ولایتِ خاص کے

مقام سے تعلق رکھتا ہے اور یہ درجہ ان اربابِ ولایت کے ساتھ مخصوص ہے جو مجذوب سالک یا سالک مجذوب ہوں۔

درجہ چہارم

متابعت کا یہ وہ درجہ ہے کہ پہلے درجے میں اس متابعت کی صورت تھی یہاں اس متابعت کی حقیقت ہے۔ متابعت کا یہ درجہ علمائے راسخین شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے ساتھ مخصوص ہے جو اطمینان نفس کے بعد حقیقتِ متابعت کی دولت سے متحقق ہیں۔ اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کو تمکینِ قلب کے بعد اگرچہ ایک طرح کا اطمینانِ نفس حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن نفس کو کمال درجہ اطمینان کمالاتِ نبوت کے حصول کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ یہ کمالات علمائے راسخین کو بطریق وراثت حاصل ہوتے ہیں۔ اس مرتبہ میں عارف مقطعات قرآنیہ کے اسرار کے فہم اور کتاب وسنت کے متشابہات کی تاویل سے فائز المرام ہوتا ہے۔ یہ خیال نہ کریں کہ یہ تاویل یَدْ کی قدرت اور وجہ کی تاویل ذات سے کرنے کی مانند ہے کیونکہ یہ تاویل علم ظاہر سے پیدا ہوتی ہے۔ ان کا اسرار سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اسرارِ خاصہ ہیں جو بالاصالت انبیائے کرام علیہم السلام کا حصہ ہیں اور وراثتاً صدیقین اور اولیاء کو عطا کئے جاتے ہیں۔ اس دولتِ عظمیٰ تک پہنچنا دوسرے راستوں کی نسبت ولایت کی راہ سے زیادہ آسان اور اقرب ہے اور وہ سنت سنیہ کا التزام اور بدعت نامرضیہ کے اسم ورسم سے اجتناب ہے۔ آج یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے، کیونکہ سارا جہاں دریائے بدعت میں غرق اور سنت نبوی ﷺ سے دور ہے۔

درجہ پنجم

آنسرور ﷺ کے صرف ان کمالات کا اتباع ہے جن کے حصول میں علم وعمل کا

کوئی دخل نہیں بلکہ ان کمالات کا حصول محض فضل ربانی اور احسانِ رحمانی پر موقوف ہے۔
یہ درجہ اس قدر بلند ہے کہ سابقہ درجات کو اس درجہ سے ادنیٰ نسبت بھی نہیں ہے۔ یہ کمالات بالاصالت اُولوالعزم انبیائے عظام علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہیں ان کے طفیل بعض اولیائے کرام کو ان کمالات سے مشرف فرمادیتے ہیں۔

درجہ ششم

آنسرور ﷺ کے ان کمالات کا اتباع ہے جو آنسرور ﷺ کے مقامِ محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جس طرح درجہ پنجم میں کمالات کا فیضان محض فضل و احسان پر تھا اسی طرح اس درجہ ششم میں ان کمالات کا فیضان محض محبت پر موقوف ہے جو کہ تفضل و احسان سے فوق ہے۔ یہ درجہ اگرچہ بالاصالت حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے لیکن حضور اکرم ﷺ کی تبعیت میں اولیائے صدیقین میں سے اقل قلیل کو نصیب ہوتا ہے۔ پہلے درجہ کے علاوہ متابعت کے یہ پانچ درجات مقاماتِ عروج کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور ان کا حصول بھی صعود (عروج) سے ہی مربوط ہے۔

درجہ ہفتم

متابعت کا یہ درجہ ہبوط و نزول سے متعلق ہے اور یہ درجہ سابقہ درجات کا جامع ہے کیونکہ اس مقام نزول میں تصدیق قلبی بھی ہے اور تمکین قلبی بھی، نفس کا اطمینان بھی اور اجزائے قالب کا اعتدال بھی ہے، جو طغیان و سرکشی سے باز آگئے ہیں۔ سابقہ درجات گویا اس درجہ متابعت کے اجزاء تھے اور یہ درجہ ان اجزاء کے کل کی مانند ہے۔ اس درجہ میں پہنچ کر تابع متبوع کے اس قدر مشابہہ ہو جاتا ہے کہ دور سے دیکھنے والا خیال کرتا ہے کہ یہ دونوں (تابع و متبوع) متحد ہو گئے ہیں اور ان دونوں کے درمیان امتیاز ختم

ہو گیا ہے۔ کامل تابعدار وہ شخص ہے جو ان سات درجات سے آراستہ ہو۔

(ملخصاً از دفتر دوم مکتوب: ۵۴ و مکتوباتِ سعیدیہ مکتوب: ۸۵)

(رَزَقَنَا اللهُ سُبْحَانَهٗ بِحَقِيْقَةِ الْمُتَابَعَةِ الْمَرْضِيَّةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالْبَرَكَةُ وَالتَّحِيَّةُ)

نسبتِ نقشبندیہ

اور

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ
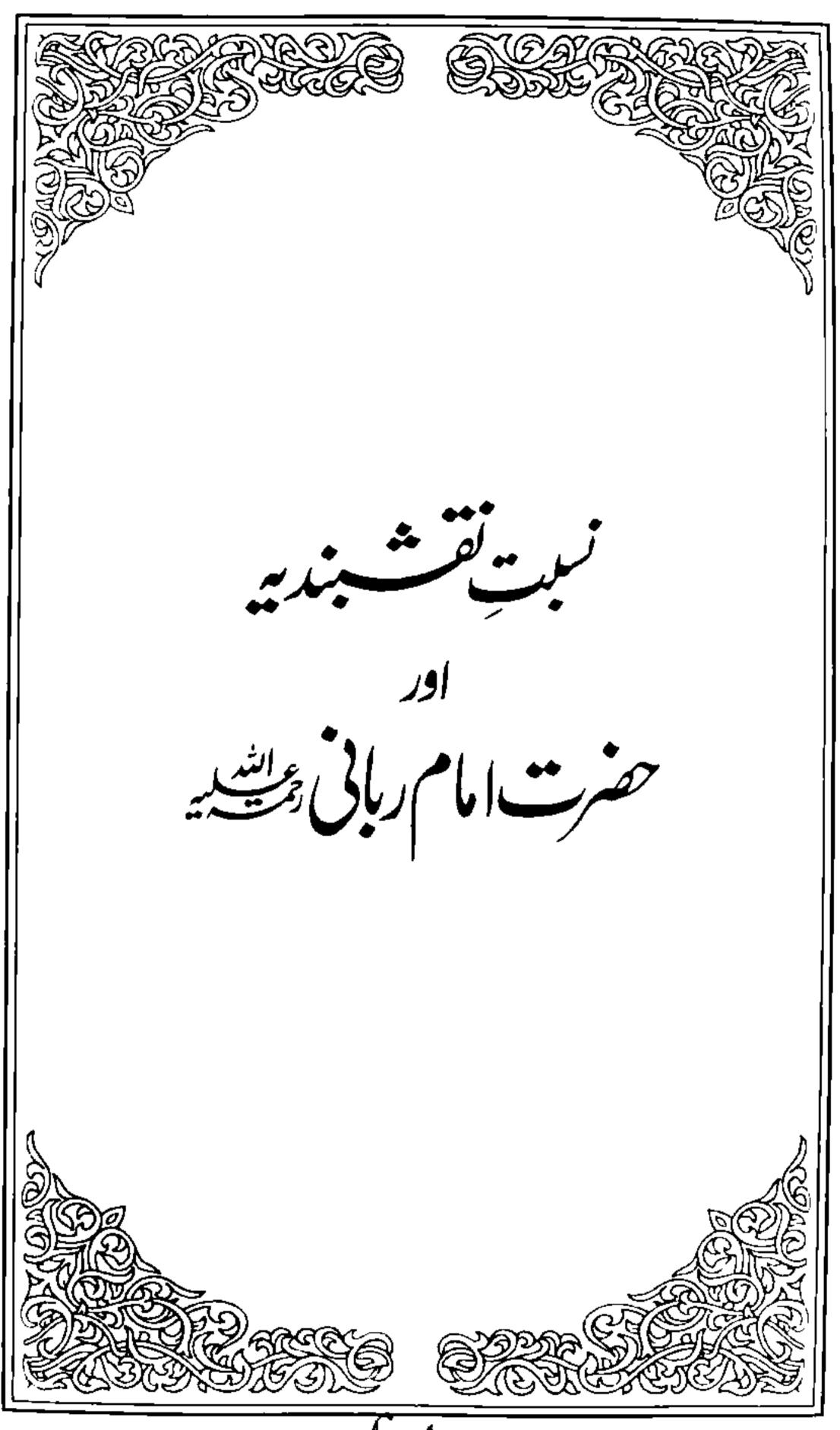
تمام صوفیاء کرام اس امر پر متفق ہیں کہ وصول الی اللہ کی سعادت کا حاصل ہونا سرکارِ دو عالم ﷺ کی اتباع پر موقوف ہے جیسا کہ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران ۳:۳۱) اس امر پر دلیل تام ہے۔ چونکہ رحمت عالم ﷺ کی فردیت کامل واکمل ہے اور آپ کی ذاتِ اقدس تمام انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی صفات وکمالات کا مجموعہ ہے اور آپ ہی تمام انوار وتجلیات کا مورد اور مصدر ہیں۔ لہٰذا اولیاء کرام جب آپ کی اتباع میں وصول کے مرتبوں کی جانب گامزن ہوتے ہیں تو آپ کی فردیت کاملہ کی کوئی جہت اور حقیقت محمدیہ کی کوئی تجلی ان کے قلوب پر منعکس ہوتی ہے تو اس جہت یا تجلی سے اس ولی کا ایک خاص باطنی تعلق پیدا ہو جاتا ہے جس کو اصطلاح طریقت میں نسبت کہا جاتا ہے۔ یہ خاص نسبت اس ولی سے منسوب ہونے والوں میں اتباع سنت وشریعت کی برکت سے ظہور پذیر ہوتی رہتی ہے اور صوفیاء کے سلاسل میں نسبتوں کی یہی صورت اختلاف صوفیاء کی بنیاد ہے۔ اصولی طور پر تمام صوفیاء متحد الاصل ہیں البتہ مقصود کے حصول کے طرق ومعالجات میں کسی قدر فرق ہے۔

نسبت علاقہ بین الطرفین کا نام ہے۔ نسبت سے مراد وہ ملکہ راسخہ محمودہ ہے جو سالک اکتساب سے حاصل کرتا ہے اور وہ ملکہ اس کی روح کو جمیع جہات سے احاطہ کر لیتا ہے اور اس کی صفت لازمی بن جاتا ہے اور اس کا مرنا جینا اسی پر واقع

ہوتا ہے۔ (سردلبراں)

سلاسل کی نسبتوں کے متعلق حضرت سید نورالحسن عرف نور میاں رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت مولانا فضل الرحمان گنج مراد آباد رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت احمد میاں کے خلیفہ تھے) نے جو نہایت اہم امور بیان فرمائے ہیں وہ ملخصاً ہدیہ قارئین ہیں۔

نسبت سلاسل

سلسلہ نقشبندیہ

بزرگانِ نقشبندیہ میں نسبتِ صدیقی کا ظہور ہے۔ یہ طریقہ اَقْرَبُ الطُّرُق اور سَهْلُ الْوُصُوْل ہے کہ معاملات صدیقی شاہد اسی معنی کے ہیں اور نسبت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ابراہیمی تھی اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صمنیت کبریٰ حاصل تھی کہ مَاصَبَّ اللّٰهُ فِيْ صَدْرِيْ شَيْئًا اِلَّا وَ قَدْ صَبَبْتُهٗ فِيْ صَدْرِ اَبِيْ بَكْرٍ

(الاسرارالمرفوعہ: ۳۴۲)

لہٰذا فیض اس نسبت کا القاء سینہ بہ سینہ ہے جو حضرت شاہِ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے شائع ہوا اور نسبت معیت روشن ہوئی۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے پیرومرشد حضرت خواجہ امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ تک ذکر خفی کو ذکر جہری کے ساتھ جمع کرنے کا رواج تھا لیکن جب حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ سے بطریقِ اویسیت مستفیض ہوئے تو آپ نے دوبارہ اس سلسلے میں ذکرِ خفی کو جاری کیا۔

(مجموعہ رسائل: ۱۲ مطبوعہ کانپور ۱۹۱۳ء)

سلسلہ نقشبندیہ کی نسبت خاصہ کا نام "تجلی ذاتی دائمی ہے" اور یہ نسبت تمام نسبتوں سے بلند ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

كَمَا وَقَعَ فِيْ عِبَارَاتِهِمْ اِنَّ نِسْبَتَنَا فَوْقَ جَمِيْعِ النِّسَبِ وَاَرَادُوْا بِالنِّسْبَةِ الْحُضُوْرَ الذَّاتِيَّ الدَّائِمِيَّ (دفتر اول مکتوب:۲۱)

جیسا کہ اس سلسلے کے اکابر کی تحریروں میں ہے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بلند وبالا ہے اور نسبت سے ان کی مراد حضور ذاتی دائمی ہے۔

قطب الارشاد حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ الغفار نسبت نقشبندیہ کی جامعیت وعظمت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں ۔ نسبت خواجگان قدس اللہ ارواحہم آں نسبت شریف کہ جامع جمیع نسبتہاست وخلاصہ ومنتہائے مجموع طریقہاست (فقرات:۳۸)

یعنی نسبت خواجگان قدس اللہ ارواحہم وہ نسبت شریفہ ہے جو جمیع نسبتوں کی جامع ہے اور تمام طریقوں کا خلاصہ ومنتہا ہے۔

ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرماتے ہیں:

خواجگان این سلسلہ علیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم بہر زراقی ورقاصی نسبت ندارند کارخانۂ ایشاں بلند است (مکتوب:۲۴۳)

اس سلسلہ عالیہ کے خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کسی مکار اور رقاص کے ساتھ نسبت نہیں رکھتے، ان کا کارخانہ بلند ہے۔

چونکہ اس نسبت کا اقتباس حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ولایت سے ہوا ہے۔لہٰذا جس طرح آپ تمام امت سے افضل ہیں اسی طرح آپ کی نسبت بھی تمام نسبتوں سے افضل ہے۔

اس نسبت میں لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کا فیضان شامل ہونے کی وجہ سے اس کے مزاج ومذاق میں حضور وسرور، سکون واطمینان اور معیت ومحبت ذاتیہ کا غلبہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے اِنَّ اللّٰہَ لَیَتَجَلّٰی لِلنَّاسِ عَامَّۃً وَیَتَجَلّٰی لِاَبِیْ بَکْرٍ خَاصَّۃً (کنز العمال، رقم الحدیث:۳۲۶۲۹) ✿

یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں پر عام تجلی فرماتا ہے اور ابوبکر پر خاص تجلی فرماتا ہے۔ شاید اس خاص تجلی سے مراد ''تجلی ذاتی دائمی'' ہے۔ (واللہ اعلم)

سلسلہ نقشبندیہ میں دو راستوں سے فیض آتا ہے ایک راستہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہے اور دوسرا راستہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ باقی تمام سلاسل طریقت حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ذریعے واصل ہوتے ہیں اور حضرات نقشبندیہ دونوں راستوں سے واصل بالذات ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام حضور و آگاہی سب سے اعلیٰ و بالا ہے اسی لئے اس سلسلہ کو ''سلسلۃ الذہب'' کہا گیا ہے۔

سلسلہ قادریہ

بزرگانِ قادریہ میں نسبت فاروقی کا ظہور ہے اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نسبت موسوی تھی۔ اسی بناء پر جلالت الٰہیہ اور تصرفات عظیمہ اس سلسلے کی مناسبت ہے جو حضرت سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے ظہور پذیر ہوئی۔

(مجموعہ رسائل: ۱۳)

سلسلہ سہروردیہ

بزرگانِ سہروردیہ میں نسبت عثمانی کا ظہور ہے اور حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

✿ دوسری حدیث یوں ہے یَا اَبَا بَکْرٍ! اَعْطَاکَ اللّٰہُ الرِّضْوَانَ الْاَکْبَرَ فَقَالَ لَہٗ بَعْضُ الْقَوْمِ وَمَا الرِّضْوَانُ الْاَکْبَرُ قَالَ یَتَجَلّٰی اللّٰہُ لِعِبَادِہٖ فِی الْاٰخِرَۃِ عَامَّۃً وَیَتَجَلّٰی لِاَبِیْ بَکْرٍ خَاصَّۃً (المستدرک للحاکم، رقم الحدیث: ۴۴۶۳)

کی نسبت نوحی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کو قبول کم ہوا اور امت نے ایذا پہنچائی، حضرت عثمان بھی شہید ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلے کا رواج بھی کم ہے البتہ اس طریقے میں عبادات اور تعمیر اوقات کی طرف بڑا التفات ہے۔

سلسلہ چشتیہ

بزرگانِ چشتیہ میں خاص طور پر نسبت علوی کا ظہور ہے اور وہ فیض عینیت کہ عَلِيٌّ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْ عَلِيٍّ (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۷۱۹) سے عبارت ہے اس طریقے میں بہت ہے اور فنافی الشیخ کا یہی منشاء ہے۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نسبت عیسوی تھی تو اس میں وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کی مناسبت ہے کہ چشتیہ کا درد بے سماع آرام پذیر نہیں ہوتا۔ (مجموعہ رسائل: ۱۳)

تصریحاتِ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ طریقت کے چاروں بڑے سلسلے خلفائے اربعہ کی نسبتوں کے مظاہر ہیں اور سالکین کا سلوک انہی چار طریقوں پر واقع ہے جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے رسالہ مکاشفاتِ عینیہ میں اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ قرب الٰہی کے لئے دو راستے ہیں۔ پہلا راستہ قربِ نبوت کا ہے......دوسرا راستہ قربِ ولایت کا ہے۔

قرب نبوت کا فیض...... حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حاصل ہوتا ہے۔

قربِ ولایت کا فیض...... حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے ملتا ہے۔

باقی دونوں خلفاء (حضرت فاروق وعثمان رضی اللہ عنہما) بھی قرب نبوت کے سلوک سے وابستہ ہیں۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر کا سلوک سیر انفسی سے تعلق رکھتا ہے اور حضرت علی المرتضیٰ کا سلوک سیر آفاقی سے تعلق رکھتا ہے۔ گو دونوں سلوک مشکوٰۃ انوارِ

نبوت سے مقتبس ہیں لیکن دونوں حضرات کے ساتھ علیحدہ علیحدہ طور پر مخصوص ہو گئے ہیں۔

دوسرے سلاسل (قادریہ، سہروردیہ اور چشتیہ وغیرہا) اکثر طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریق قرب ولایت کے ذریعے مقصود تک پہنچتے ہیں جبکہ سلسلہ نقشبندیہ دونوں طریقوں (قرب نبوت اور قرب ولایت) سے موصل ہے لیکن قرب نبوت کی نسبت اس میں غالب ہے۔ تمام سلسلوں کے اکابر مشائخ ابتدائی دور میں اسی نسبت کا سلوک طے کر کے مقصود تک پہنچتے رہے مگر بعد میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مسلک کا شیوع ہوا تو اکثر مشائخ نے اسی مسلک کو اختیار کر لیا اس کی دو وجہیں تھیں۔

پہلی وجہ...... یہ کہ حضرت صدیق اکبر کے مسلک میں پوشیدگی وخفا کی وجہ سے مبتدی کو اس پر چلانا دشوار تھا جیسا کہ عارف جامی نے فرمایا:

نقشبنداں عجب قافلہ سالار اند

کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را

اسی طرح حضرت فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے مسلک میں پوشیدگی تھی ان پر چلنا بھی آسان نہ تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مسلک ظہور رکھتا تھا۔ لہٰذا آسان ہونے کی وجہ سے یہی مسلک ظاہر زیادہ شائع ہوا۔

دوسری وجہ...... یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ ارشاد تینوں خلفاء کرام رضی اللہ عنہم سے پیچھے ہے۔ لہٰذا اسلاسل کا انتساب قرب زمانہ کی بناء پر انہی کے ساتھ ہوا۔

اس سے یہ مفہوم ہرگز اخذ نہ کیا جائے کہ تسلیک وتکمیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ومنحصر ہے اور خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم غیر مکمل تھے (نعوذ باللہ منہا) یہ بہت بڑی جسارت ہے جن لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی انہوں نے صرف حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مسلک پر سلوک طے کیا اور خلفائے ثلاثہ کی راہوں سے بے خبر رہے اور اسی بے

خبری میں دوسری راہوں کی نفی کر دی۔ رسالہ مکاشفاتِ عینیہ میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت فرمائی ہے کہ حضرت سیدنا غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مسلک سے سلوک طے کر کے ترقی کرتے ہوئے غیبِ ذات تک پہنچے ہیں۔

نسبت نقشبندیہ مجددیہ کی انفرادیت

انہی اختصاصاتِ سلاسل کی بنیاد پر صوفیاء میں مخصوص مکاتیب فکر قائم ہوئے وہ اپنی نسبتوں اور طبائع کے میلان سے مجبور ہو کر ایک جانب عملاً مائل ہوتے ہیں اور دوسری جانب سے طبعاً گریز کرتے ہیں۔ یہ مقتضائے نسبت ہی ہے جو حضراتِ نقشبندیہ کو تواجد، ذکر بالجہر اور رقص وسماع سے دور رکھتا ہے کیونکہ ان کی نسبت صدیقی ہے، ان کا طریق فیض القائے سینہ بہ سینہ ہے۔ چونکہ ان کی سیر انفسی ہے لہٰذا اس نسبت میں سکوت واخفاء اور دوام حضور کا غلبہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سلسلہ نعرہ ہائے اشتیاق اور رقص وسماع کی طرف التفات نہیں رکھتا اور اس سلسلے میں شرع کے جواہر نفیسہ دے کر وجد وحال کے اخروٹ ومنقیٰ نہیں خریدتے اور نص (کتاب وسنت) کو چھوڑ کر فص (فصوص الحکم) کی طرف نہیں جھکتے اور فتوحاتِ مدنیہ (وحی) کے مقابلے میں فتوحات مکیہ (کشف) کی طرف التفات نہیں کرتے۔ امام طریقت عارف برحق حضرت سیدنا مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اسی نسبت کی تجدید واحیاء پر مامور ہوئے ہیں۔

سماع ورقص اور وجد امام ربانی کی نظر میں

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اصحاب وجد وحال، اربابِ قلوب میں سے ہیں۔ اربابِ تمکین کو وجد وحال اور رقص وسماع کی ہرگز ضرورت نہیں رہتی چنانچہ

آپ ارشاد فرماتے ہیں:

سماع و وجد جماعہ را نافع است کہ بتقلبِ احوال متصف اند و بہ تبدلِ اوقات متسم وقتے حاضر اند و وقتے غائب گاہے واجد اند و گاہے فاقد ایشانند ارباب قلوب ۔۔۔۔ (دفتر اول مکتوب: ۲۸۵)

کچھ آگے فرماتے ہیں:

فَهُمْ اَبْنَاءُ الْوَقْتِ وَمَغْلُوْبُوْهُ فَمَرَّةً يَعْرُجُوْنَ وَ اُخْرٰى يَهْبِطُوْنَ ارباب تجلیات ذاتیہ کہ بتمام از مقام قلب برآمدہ بمقلب قلب پیوستہ اند و بہ کلیت از رقیتِ احوال بحولِ احوال محرر گشتہ اند محتاج بہ سماع و وجد نیستند چہ وقت ایشان دائمی است و حال شان سرمدی لَا بَلْ لَا وَقْتَ لَهُمْ وَ لَا حَالَ فَهُمْ اٰبَآءُ الْوَقْتِ وَ اَرْبَابُ التَّمْكِيْنِ وَ هُمُ الْوَاصِلُوْنَ الَّذِيْنَ لَا رُجُوْعَ لَهُمْ اَصْلًا وَ لَا فَقْدَ لَهُمْ قَطْعًا فَمَنْ لَّا فَقْدَ لَهٗ لَا وَجْدَ لَهٗ

ترجمہ: سماع اور وجد اس جماعت کے لئے مفید ہے جو تقلب احوال سے (جن کے احوال بدلتے رہتے ہیں) متصف ہیں اور تبدیلی اوقات کے ساتھ داغدار ہیں جو ایک وقت میں حاضر اور دوسرے وقت میں غائب ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ واجد (اپنے مقصود کو پانے والے) ہوتے ہیں اور کبھی فاقد (گم کرنے والے) یہ لوگ ارباب قلوب ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ ابن الوقت (وقت کے بیٹے) ہیں اور وقت کے مغلوب ہیں کبھی عروج کرتے ہیں اور کبھی ہبوط (نیچے آجاتے ہیں) (لیکن ان کے برعکس) ارباب تجلیات ذاتیہ جو مقام قلب سے کلی طور پر باہر آکر مقلب قلب (حق تعالیٰ) کے ساتھ وابستہ ہو گئے ہیں اور کلیتہً احوال کی غلامی سے نکل کر محولِ احوال (احوال کو

تبدیل کرنے والے یعنی حق تعالیٰ) کی بارگاہ میں پہنچ گئے ہیں۔ وہ لوگ سماع و وجد کے محتاج نہیں ہیں کیونکہ ان کا وقت دائمی ہے اور ان کا حال سرمدی ہے، نہیں بلکہ ان کے لئے نہ وقت ہے اور نہ حال۔ یہ لوگ ابوالوقت (وقت کے باپ) ہیں اور اصحابِ تمکین (اطمینان والے) ہیں اور یہ ایسے واصل ہیں جو رجوع سے قطعاً محفوظ ہیں اور نہ فقد ہے (ان سے ان کا مقصود گم نہیں ہوسکتا) لہٰذا جن کے لئے فقد نہیں ان کے لئے وجد بھی نہیں۔

اسی مکتوب میں کچھ آگے تحریر فرماتے ہیں:

آرامِ این بزرگواران بہ عبادات است و تسکین در ادائے حقوقِ بندگی و طاعات۔۔۔۔ ایشان را احتیاج بہ سماع و وجد نیست عبادات ایشان را کار سماع می کند و نورانیتِ اصل از عروج کفایت می بخشد جماعہ مقلدان از اہل سماع و وجد کہ بر عظم شان این بزرگواران واقف نیستند خود را از عشاق می گیرند و ایشان را از زہاد گوئیا عشق و محبت را منحصر در رقص و وجد میدانند

ترجمہ: ان بزرگواروں کا آرام وچین عبادات میں ہے اور ان کی تسکین بندگی و طاعات کے حقوق کی ادائیگی میں ہے ان کو سماع و وجد کی کچھ حاجت نہیں ان کی عبادات ان کے لئے سماع کا کام کرتی ہیں اور اصل کی نورانیت عروج سے کفایت کرتی ہے اہل سماع و وجد کے مقلدوں کا ایک گروہ جو ان بزرگواروں کی عظیم شان سے واقف نہیں ہے وہ اپنے آپ کو عشاق میں سے سمجھتے ہیں اور ان کو زاہدوں میں سے جانتے ہیں گویا یہ لوگ عشق و محبت کو رقص و وجد میں منحصر سمجھتے ہیں۔

نیز فرماتے ہیں:

مبتدی را سماع و وجد مضراست و منافی عروج ہر چند بشرائط واقع شود وجدِ او معلول است حالِ او وبال است حرکتِ او طبعی است تحرکِ او مشوب بہ ہوائے نفسانی وَ اَعْنِیْ بِالْمُبْتَدِیْ مَنْ لَّا یَکُوْنُ مِنْ اَرْبَابِ الْقُلُوْبِ وَاَرْبَابُ الْقُلُوْبِ مُتَوَسِّطُوْنَ بَیْنَ الْمُبْتَدِئِیْنَ وَالْمُنْتَہِیْنَ

(دفتر اول مکتوب:۲۸۵)

ترجمہ: مبتدی کے لئے سماع و وجد مضر (نقصان دہ) ہے اور عروج کے منافی ہے اگرچہ شرائط کے موافق ہی کیوں نہ ہو اس (مبتدی) کا وجد علت کی وجہ سے ہے لہٰذا اس کا حال وبال ہے اس کی حرکت طبعی ہے اور اس کا تحرک ہوائے نفسانی سے مخلوط ہے اور مبتدی سے میری مراد وہ شخص ہے جو اربابِ قلوب میں سے نہیں ہے اور ارباب قلوب وہ ہیں جو مبتدی اور منتہی کے درمیانی مقام (متوسطین) میں ہوتے ہیں۔

حقیقت نماز سے بے خبر

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

جم غفیر ازین طائفہ تسکین اضطراب خود را از سماع و نغمہ و وجد و تواجد جستند و مطلوبِ خود را در پردہائے نغمہ مطالعہ نمودند لاجرم رقص و رقاصی را دینِ خود گرفتند باآنکہ شنیدہ باشند مَاجَعَلَ اللّٰہُ فِی الْحَرَامِ شِفَاءً بلے اَلْغَرِیْقُ یَتَعَلَّقُ بِکُلِّ حَشِیْشٍ وَ حُبُّ الشَّیْءِ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ اگر شمہ از حقیقتِ کمالاتِ صلاتیہ بر ایشاں منکشف شدے ہرگز دم از سماع و نغمہ نزدندے و یادِ وجد و تواجد نہ کردندے۔

ع چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند (دفتر اول مکتوب:۲۶۱)

ترجمہ: اس طائفہ کی ایک کثیر جماعت نے اپنے اضطراب و بے قراری کی تسکین کو سماع ونغمہ اور وجد وتواجد میں تلاش کیا اور اپنے مطلوب کو نغمہ کے پردوں میں مطالعہ کیا اور رقص ورقاصی کو اپنا مسلک بنالیا ہے حالانکہ انہوں نے سنا ہو گا مَا جَعَلَ اللّٰہُ فِی الْحَرَامِ شِفَاءً (اللہ تعالیٰ نے حرام چیز میں شفا نہیں رکھی) ہاں اَلْغَرِیْقُ یَتَعَلَّقُ بِکُلِّ حَشِیْشٍ وَحُبُّ الشَّیْءِ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ (ڈوبنے والا شخص ہر ایک تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے اور کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے) اگر نماز کے کمالات کی کچھ بھی حقیقت ان پر منکشف ہو جاتی تو وہ ہرگز سماع ونغمہ کا دم نہ بھرتے اور وجد و تواجد کو یاد نہ کرتے

ع جب حقیقت نہ ملی ڈھونڈ لی افسانے کی راہ

بدعت فی الطریقت

حضرت امام ربانی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

جماعہ از متاخرین خلفائے ایشان ترک اوضاع این بزرگواران گرفتہ بعضے امور درین طریق احداث نمودہ اند وسماع و رقص و جہر اختیار کردہ منشاء آن عدم وصول است بہ حقیقت نیات اکابر این خانوادۂ بزرگ خیال کردہ اند کہ بہ این محدثات و مبدعات تکمیل و تتمیم این طریقہ می نمایند ندانستہ اند کہ در تخریب واضاعت آن می کوشند (دفتر اول مکتوب:۲۸۶)

ترجمہ: سلسلہ نقشبندیہ کے خلفائے متاخرین کی ایک جماعت نے ان بزرگوں کے اوضاع واطوار کو ترک کر کے بعض ایسے نئے امور مثلاً سماع ورقص اور ذکر جہر اختیار کر لیے ہیں۔ اس کی وجہ عدم وصول ہے یہ لوگ اس بزرگ خاندان کے اکابرین کی

نیتوں کی حقیقت تک نہیں پہنچے اور خیال کر بیٹھے ہیں کہ ان محدثات (نئی باتوں) اور مبدعات (بدعتوں) سے اس طریقہ کی تکمیل و تتمیم کر رہے ہیں حالانکہ یہ نہیں سمجھتے کہ اس طرح سے وہ طریقہ کو خراب اور ضائع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اپنی طریقت کی حفاظت اہم ترین امر ہے

آج کل اکثر نقشبندی اور مجددی حضرات حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے مسلک کے برعکس تواجد، ذکرِ جہر اور رقص و سماع کی رسموں پر عمل پیرا ہیں اور اس نسبتِ جامعہ کے باطنی فیوض و برکات سے خالی ہیں اور دوسرے سلاسل کی طرح اس سلسلہ کے لوگوں میں بھی تعلیم و تربیت کا تفاوت اور عملی طریقت کا فقدان نظر آ رہا ہے۔ افسوس کہ اس خالص نسبت کے حامل افراد بہت کم ہیں اور یہ نسبت کبریتِ احمر (سرخ گندھک) سے بھی زیادہ نایاب ہے۔

اس کی چند وجوہات ہیں

پہلی وجہ..... یہ ہے کہ انہوں نے اس نسبت کی اصل حقیقت سے بے خبری کی بناء پر محض اپنی دکانوں کو چمکانے کا کاروبار شروع کر رکھا ہے۔

دوسری وجہ..... یہ ہے کہ مجددی تعلیمات کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے جس ذہانت، استعداد اور اخلاص کی ضرورت تھی اس کے فقدان سے اس نسبت کے صحیح خدوخال اپنے مریدوں پر واضح اور وارد نہ کر سکے اور خود بھی اس نسبت کی علمی اور عملی تشکیل سے محروم رہ گئے۔

تیسری وجہ..... یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنی نسبت کے ساتھ ساتھ دوسری نسبتوں سے بھی اختلاط و انتساب رکھتے ہیں۔ لامحالہ اپنے مزاج کی مجبوری اور اپنی

طبع کے میلان کے سبب جس نسبت کا غلبہ پاتے ہیں اسی پر فریفتہ ہو کر وہی رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ (وَلِلنَّاسِ فِيمَا يَعْشِقُونَ مَذَاهِبُ) حالانکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ السبحانی نے اپنی نسبت میں دوسری نسبت کو خلط ملط کرنے پر سختی سے منع فرمایا ہے۔

آپ نے ارقام فرمایا:

اِحداثے کہ دَر طریقت پیدا کنند نزدِ فقیر کم از بدعتے نیست...... چون امرِ محدث در طرِیقت پیدا شد راہِ فیوض و برکاتِ آں طریق مسدود گشت پس محافظتِ طریقت از اہم مہام آمد (دفتر اول مکتوب: ۲۶۷)

ترجمہ: وہ نئی بات جو طریقت میں پیدا کرتے ہیں فقیر کے نزدیک بدعت سے کم نہیں جب کوئی نیا طریقہ سابقہ طریقت میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے فیوض و برکات کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ اس لئے اپنی طریقت کی حفاظت اہم ترین امر ہے۔

اہلِ سنت اور اہلِ بدعت
حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ
کی نظر میں
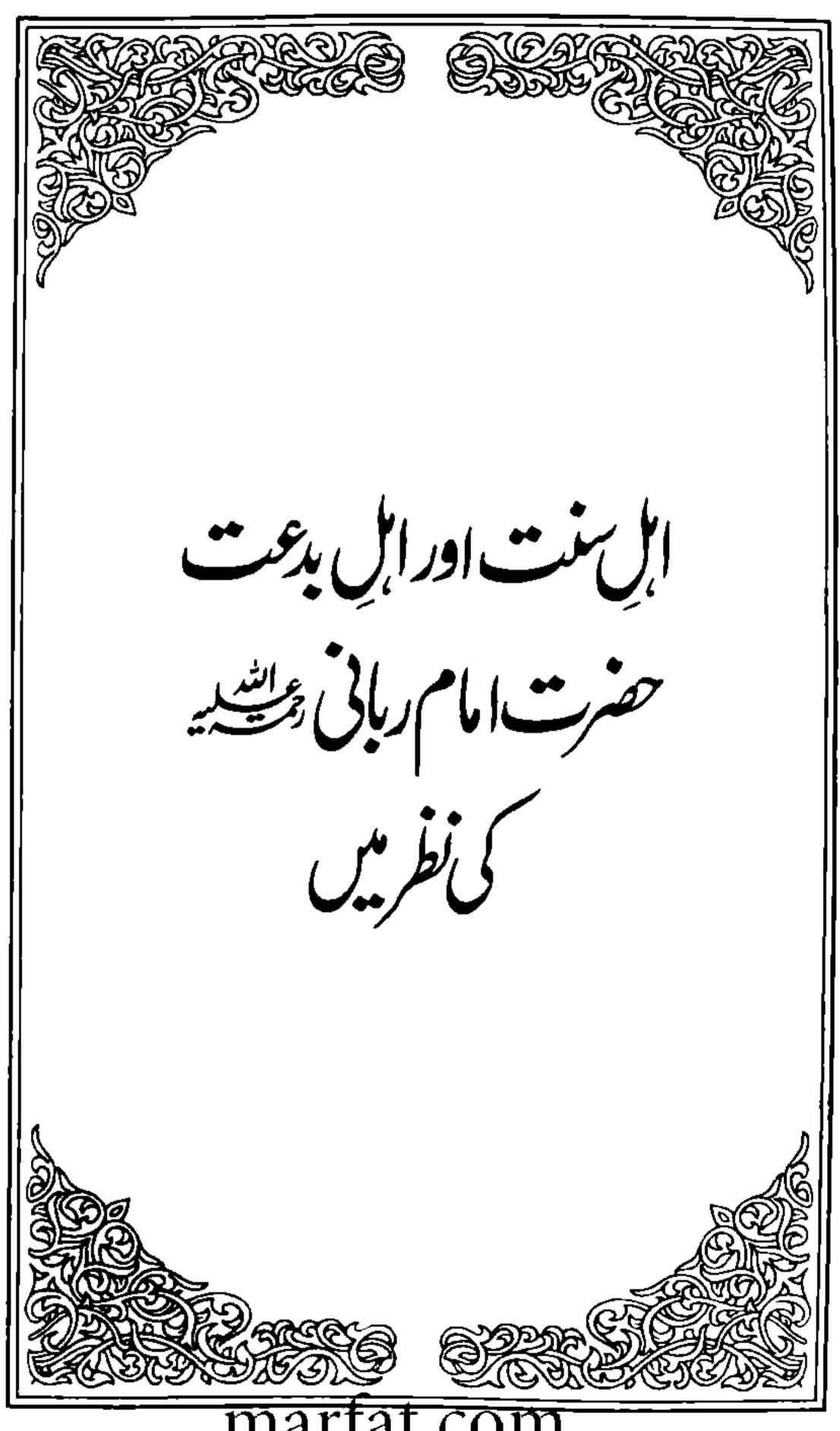
کتاب وسنت کی روشنی میں مسلک حق اہلسنت و جماعت کی تعبیر وتشریح

اسلام کی آسان اور سادہ تعبیر یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ نے جو کچھ ہمیں کرنے کا حکم دیا اور جس کام سے منع نہ کیا وہ اسلام ہے اور جس سے روک دیا وہ اسلام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر ۵۹:۷)

ترجمہ: اور رسول کریم ﷺ جو کچھ تم کو دیں وہ لے لو (اس پر عمل کرو) اور جس کام سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کریم کے اولین مخاطب تھے۔ انہوں نے دعوت اسلام کو دل وجان سے قبول کیا، اپنی زندگیوں کو اسوۂ رسول ﷺ کے سانچے میں ڈھالا اور وہ ہر امتحان وابتلاء میں ثابت قدم رہے۔ ان کا جذبہ ء اطاعت و استقامت بارگاہ خداوندی میں اس قدر مقبول ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والے انسانوں کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز زندگی کو معیار حق قرار دے دیا اور ان کی اتباع کرنے والوں کو اپنی رضا اور کامیابی کی سند عطا فرما دی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

تَحْتَهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذَالِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (التوبہ ۹:۱۰۰)

ترجمہ: اور وہ لوگ (صحابہ کرام) جنہوں نے (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ) پہلے پہل ہجرت کی اور آپ کی نصرت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور جو (بعد میں آنیوالے) لوگ ان (صحابہ کرام) کی اچھے طریقے سے اتباع کریں گے اللہ ان سب سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں واضح کر دیا گیا کہ بعد میں آنے والے جو لوگ صحابہ کرام کی اتباع کریں گے وہی اللہ کی رضا کے مستحق ٹھہریں گے۔

کتاب وسنت، دین اسلام کے دو بنیادی اصول ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللهِ وَ سُنَّةَ نَبِيِّهٖ (مؤطا امام مالک، رقم الحدیث: ۳۳۳۸)

ترجمہ: میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم انہیں مضبوطی سے تھامے رہو گے تو گمراہ نہیں ہو گے ان میں ایک تو خدا کی کتاب ہے اور دوسری رسول خدا کی سنت ہے۔

فلہذا ثابت ہوا کہ مسلمان وہی ہو سکتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ اور صحابہ کرام کے طریقہ سے وابستہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب وسنت کے عاملین اور طریق صحابہ کے حاملین اہلسنت و جماعت کہلاتے ہیں۔

متعدد احادیث مبارکہ میں سنت نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات) اور جماعت صحابہ کرام کے ساتھ وابستہ رہنے کو معیار حق قرار دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

❁ فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ

(سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۶۰۷)

ترجمہ: پس میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کو لازم پکڑو۔

❁ مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ (صحیح ابن خزیمہ، رقم الحدیث: ۱۹۷)

ترجمہ: جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ میری امت سے نہیں۔

❁ (عن معاویة) اِنَّ هٰذِهِ الْمِلَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّ سَبْعِیْنَ ثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِی النَّارِ وَوَاحِدٌ فِی الْجَنَّةِ وَهِیَ الْجَمَاعَةُ

(سنن ابی داود، رقم الحدیث: ۴۵۹۷)

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے تہتر فرقے ہونگے۔ ان میں سے بہتر فرقے جہنمی ہوں گے اور ان میں صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا اور وہ ''جماعت'' ہے

قَالُوْا وَمَنْ هِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۶۴۱)

ترجمہ: صحابہ نے پوچھا وہ ناجی گروہ کونسا ہوگا تو آپ نے فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کرام کے راستے پر ہوگا۔

❁ عَنِ ابْنِ عُمَرَ... قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَدُ اللّٰهِ عَلَی الْجَمَاعَةِ

(المستدرک للحاکم، رقم الحدیث: ۳۹۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

بحمدہٖ تعالیٰ حقائق بالا کے پیش نظر اظہر من الشمس ہوا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسلک اہلسنت وجماعت ہی حق وصداقت کا عنوان ہے۔

سنت کا مفہوم

سنت کا لفظ لغت میں چہرہ' پیشانی' صورت' سیرت' طریقہ' راستہ' نہج وغیرہ کے

معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

۞ ...... اَلسُّنَّةُ الطَّرِيقَةُ الْمَحْمُودَةُ الْمُسْتَقِيمَةُ وَلِذٰلِكَ قِيلَ فُلَانٌ مِّنْ أَهْلِ السُّنَّةِ مَعْنَاهُ مِنْ أَهْلِ الطَّرِيقَةِ الْمُسْتَقِيمَةِ الْمَحْمُودَةِ

(لسان العرب باب السنن جز ۱۳: ۲۲۰)

ترجمہ: سنت، اچھے اور سیدھے راستے کو کہتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اہل سنت سے ہے یعنی اچھے اور سیدھے راستے والوں سے ہے۔

۞ ...... اصول فقہ کی کتابوں میں سنت کی تعریف یہ ہے:

مَا صَدَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ غَيْرِ الْقُرْآنِ مِنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ أَوْ تَقْرِيرٍ

(مسلم الثبوت مع شرح فواتح الرحموت از علامہ محب اللہ بہاری)

ترجمہ: سنت وہ امور ہیں جو حضور ﷺ سے قرآن مجید کے علاوہ صادر ہوئے ہیں قول یا فعل یا تقریر کی صورت میں۔

۞ ...... حدیث میں جہاں کہیں لفظ سنت آیا ہے اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی سنت ہی ہے کہیں اضافت کے ساتھ اور کہیں اضافت کے بغیر بھی لفظ سنت کا اطلاق سنت نبوی پر ہی کیا گیا ہے۔ (کما صرح فی اکثر کتب الحدیث)

۞ ...... حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

وَالْمُرَادُ بِالسُّنَّةِ الطَّرِيقَةُ الْمَسْلُوكَةُ فِي الدِّينِ

(اشعۃ اللمعات جلد اول)

ترجمہ: سنت سے مراد وہ راستہ ہے جو دین میں مقرر کر دیا گیا۔

الغرض رسول اکرم ﷺ نے ہمارے عمل کے لیے جو راہ دین متعین فرما دی ہے اس راہ کو سنت کہتے ہیں۔

حدیث اور سنت کا فرق

لغوی معنی کے لحاظ سے حدیث، حکایت اور واقعے کو کہتے ہیں اور سنت کے معنی ہیں طریقہ اور راستہ' اس لحاظ سے حدیث اور سنت کے معنوں میں اختلاف ہے۔ تاہم محدثین کے ہاں سنت اور حدیث میں فرق صرف یہ ہے کہ:

سنت اس حدیث کو کہتے ہیں جو سرور کائنات علیہ التحیۃ والثناء تک پہنچی ہو (یعنی حدیث مرفوع)

حدیث کا اطلاق تابعین اور تبع تابعین کے اقوال اور تقاریر پر بھی ہوتا ہے جسے محدثین حدیث موقوف اور مقطوع کہتے ہیں۔

حضرت امام ابن ہمام کے نزدیک حدیث، سنت اور اسناد کے مجموعے کا نام ہے۔

حجیت سنت

قرآن مجید کے بعد اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ، سنت ہے۔ قرآنی تعلیمات کی صحیح تفسیر وتشریح صرف سنت ہی کے ذریعے کی جاسکتی ہے جس کی تعلیم حضور ﷺ کے فرائض بعثت میں شامل ہے:

وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (آل عمران ۳: ۱۶۴)

حدیث وسنت کے منکرین کی اصل غلطی یہ ہے کہ وہ رسول کی شرعی حیثیت اور اس کے اصلی مقام ومنصب سے بے خبر ہیں۔ اگر وہ مقام نبوت کو سمجھنے اور رسول کی معرفت حاصل کرنے میں تدبر کرتے تو انہیں معلوم ہوجاتا کہ رسول و نبی کی حیثیت صرف پیغام رساں ہی کی نہیں بلکہ آپ مطاع' مخدوم' امام' ہادی' حاکم' قاضی وحکم بھی ہیں اور آپ کی یہ حیثیات قرآن کریم نے ہی متعین کی ہیں۔

عہد حاضر میں جو لوگ سنت کو حجت شرعی ماننے سے انکار کر رہے ہیں وہ خود بھی

گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ بنا رہے ہیں۔ (والعیاذ باللہ)

حالانکہ دین کی بنیاد حضور ﷺ کی سنت پر استوار ہے۔ سنت کے ذریعے اذان کا طریقہ رائج ہوا، نماز کے اوقات متعین ہوئے، نماز کی رکعات مقرر ہوئیں، زکوٰۃ کا نصاب اور اس کی مقدار معلوم ہوئی، حج کے ارکان واضح ہوئے، روزے کے تفصیلی احکام ثابت ہوئے، حلال وحرام اشیاء کی فہرست معلوم ہوئی۔ علاوہ ازیں عبادات واحوال شخصیہ، حقوق ومعاملات' معاشرے کے باقی احکام، جہاد' صلح وامن' حدود و تعزیرات اور قصاص وغیرہم ہر نوع کے اکثر احکام، امت کے لیے لازم العمل ہوئے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طالب حق کا ذکر کیا ہے جس نے انہیں بتایا کہ مجھے ایک منکر سنت ملا اور غلطی سے میں بھی اس کا ہم خیال ہو گیا تھا، مگر مجھ پر جلدی ہی حق واضح ہو گیا، کیونکہ انکار سنت سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی نے اگر تھوڑی سی زکوٰۃ بھی ادا کر لی تو وہ عہدہ برآء ہو گیا۔ اسی طرح اگر کسی نے تھوڑی سی نماز ہی اگرچہ ایک دن میں بلکہ کئی ایام میں صرف دو رکعتیں ہی پڑھی ہوں کیونکہ منکر سنت کے خیال میں جو بات قرآن مجید میں نہیں وہ کسی پر فرض نہیں جبکہ نمازوں کی رکعات اور مقدار زکوٰۃ قرآن مجید میں نہیں۔ (کتاب الام ۷: ۲۵۲)

حضرت خالد بن اسید نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ قرآن مجید میں عام نماز کا حکم بھی ملتا ہے اور صلوٰۃ خوف کا حکم بھی ملتا ہے مگر صلوٰۃ سفر کا ذکر نہیں ملتا؟

انہوں نے جواب دیا بھتیجے! اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجا تھا تو اس سے پہلے ہم خود کچھ نہ جانتے تھے۔ اب ہم وہی طریقہ اختیار کرتے ہیں جس پر ہم نے حضور ﷺ کو عمل کرتے دیکھا۔

(مسند امام احمد، رقم الحدیث: ۵۳۳۳)

مندرجہ بالا اقوال و بیانات سے ظاہر ہوا کہ

سنت......قرآن کے احکام کی عملی شکل ہے۔
سنت......قرآن کے اجمال کی تفصیل ہے۔
سنت......قرآن کے متن کی تشریح ہے۔
سنت......قرآنی ہدایات کو منشاءالٰہی کے مطابق نافذ اور جاری کرتی ہے۔
یہی معنی قرآن کی درج ذیل آیت سے واضح ہو رہا ہے:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (النحل ۱۶: ۴۴)

ترجمہ: تاکہ (اے محبوب ﷺ) واضح اور روشن کریں آپ لوگوں پر وہ جو کچھ ہم نے (قرآن کی شکل میں) ان پر نازل کیا اور تاکہ وہ خوب غور و فکر کریں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ایک دن ایک حدیث سنائی تو کسی شخص نے درمیان کلام میں کہا کہ کتاب اللہ میں اس کے خلاف ایک بات ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی بات سناؤں اور تم اس میں کتاب اللہ کے نام سے اعتراض پیدا کرو۔ رسول اللہ ﷺ تم سے زیادہ کتاب کے عالم تھے۔ (سنن الدارمی، رقم الحدیث: ۵۹۰)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور اہلسنت

سیدنا حیدر کرار کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

اَمَّا اَهْلُ السُّنَّةِ فَالْمُتَمَسِّكُوْنَ بِمَا سَنَّهُ اللّٰهُ لَهُمْ وَ رَسُوْلُهٗ

(حاشیہ مسند احمد ۶ / ۳۱۵)

ترجمہ: بہرحال اہلسنت وہ ہیں جو تمسک کرنے والے ہیں ان قوانین سے جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے بنایا ہے۔

✿......ایک روایت کے مطابق سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ بصرہ کی جامع مسجد

میں خطبہ دے رہے ہیں کہ ایک شخص اچانک کھڑا ہو کر سوال کرتا ہے:

اَخْبِرْنِیْ مَنْ اَھْلُ الْجَمَاعَةِ وَمَنْ اَھْلُ الْفِرْقَةِ وَمَنْ اَھْلُ الْبِدْعَةِ وَمَنْ اَھْلُ السُّنَّةِ...؟

ترجمہ: یعنی مجھے اہل الجماعۃ' اہل الفرقۃ' اہل البدعۃ اور اہل السنۃ کے متعلق خبر دیجئے؟

چنانچہ آپ نے جواب دیتے ہوئے اعلان فرمایا:

''کہ اہلسنت خدا تعالیٰ ورسول اللہ ﷺ کے تیار کردہ اور منتخب شدہ مذہب سے تمسک کرتے ہیں۔ قریب ہے کہ میرے متعلق دو گروہ ہلاک ہوں گے

1 ...... حد سے زیادہ محبت کرنے والے (یعنی رافضی)

2 ...... مجھ سے بغض رکھنے والے (یعنی خارجی)

پس لوگوں میں بہترین درمیانہ عقیدہ رکھنے والے ہوں گے۔ پس اے لوگو تم اس عقیدے کو لازم پکڑو:

وَالْزَمُوْا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّ یَدَ اللّٰهِ عَلَی الْجَمَاعَةِ (نہج البلاغۃ ۲/۱۱)

ترجمہ: اور سواد اعظم (اہلسنت) کو لازم پکڑو کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے تیسرے گروہ کو حق پرست اور پہلے دو گروہوں کو باطل پرست قرار دے کر اہل سنت وجماعت کی حقانیت اور صداقت پر مہر تصدیق ثبت فرما دی ہے۔ (والحمد للہ علی ذالک)

مسلک اہل السنۃ والجماعۃ ہی معیار حق ہے

سلسلہ نقشبندیہ کے جلیل القدر بزرگ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث کی وضاحت کے سلسلے میں رقم طراز ہیں:

اَلْفِرْقَةُ النَّاجِیَةُ هُمُ الصَّحَابَةُ فَاِنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ لَمَّا قَالَ

اَلنَّاجِیْ مِنْهَا وَاحِدَةٌ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللهِ وَمَنْ هُمْ قَالَ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَقِیْلَ وَمَا اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ قَالَ مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ

(احیاء العلوم ۳: ۲۳۰)

ترجمہ: فرقہ ناجیہ (نجات یافتہ) صحابہ کرام ہیں اس لیے کہ جب حضور ﷺ نے فرمایا فرقہ ناجیہ صرف ایک ہے تو صحابہ کرام نے عرض کی وہ کونسا فرقہ ہے؟...... تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ اہلسنت و جماعت ہے۔ پھر صحابہ نے عرض کیا کہ اہل سنت کون ہیں؟ تو ارشاد فرمایا کہ جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ کرام ہیں۔

❁ ...... سرور کائنات ﷺ کا فرمان ہے

وَاتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ (المستدرک للحاکم، رقم الحدیث: ۳۹۵)

ترجمہ: یعنی سب سے بڑی جماعت کی تابعداری کرو۔

❁ ...... غوث صمدانی حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

کَانَ سُفْیَانُ الثَّوْرِیْ یَقُوْلُ الْمُرَادُ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ هُمْ مَنْ کَانَ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ (المیزان الکبریٰ ۱: ۴۰)

ترجمہ: حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ سواد اعظم سے مراد اہلسنت و جماعت ہیں۔

❁ ...... قیوم اول حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بالجملة طریق النجاة متابعة اهل السنة والجماعة فانهم الفرقة الناجیة اما سواهم من الفرق فهم فی معرض الزوال و شرف الهلاك (مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب: ۶۹)

ترجمہ: حاصل کلام یہ ہے کہ آخرت کی نجات کا دارومدار اہلسنت و جماعت کی تابعداری پر ہے کیونکہ یہی ناجی گروہ ہے ان کے علاوہ جتنے فرقے ہیں سب زوال کے

مقام اور ہلاکت کے کنارے پر ہیں۔

اہلسنت کی تاریخی حیثیت

اہلسنت، مسلمانوں کی سب سے بڑی اور قدیم جماعت ہے جو قرآن حکیم، سنت رسول اور آثار صحابہ کرام پر عمل پیرا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اہلسنت کی ایک صفت یہ ارشاد فرمائی ہے: مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ

ترجمہ: یعنی وہ لوگ جو میرے طریقے (سنت) اور میرے اصحاب کے مسلک پر ہیں۔

ابن تیمیہ کے نزدیک اہل سنت و جماعت سے مراد صحابہ کی جماعت ہے۔

(منہاج ۱:۲۵۶)

❁......تمام جلیل القدر آئمہ مثلاً امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام اوزاعی، امام احمد بن حنبل، امام ثوری وغیرہم رضی اللہ عنہم اسی جماعت میں شامل ہیں۔ (الفرق بین الفرق: ۲۰)

❁......دور خلافت راشدہ بلاشبہ اہلسنت کا دور کہلاتا ہے۔ اس کے بعد تابعین، تبع تابعین بھی اسی مسلک پر گامزن رہے۔ ۱۲۰ھ میں جب حضرت امام ابوحنیفہ مسند اجتہاد پر متمکن ہوئے تو خلیفہ ہارون الرشید نے ۱۷۰ھ کے بعد حضرت امام ابویوسف کو قاضی القضاۃ کے عہدے پر مامور کیا۔ اس پچاس برس میں سنی حنفی مذہب کو قبولیت عامہ کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔

❁......حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کے ذریعے حرمین شریفین، دمشق، مصر، یمن، بحرین، بغداد، ہمدان، نیشاپور، بخارا، سمرقند، بلخ، ہرات، وغیرہا تک مسلک اہلسنت (حنفی) کا دائرہ وسیع تر ہو گیا۔ چوتھی صدی ہجری میں عباسی خلیفہ المتوکل علی اللہ (۲۳۲ھ تا ۲۴۷ھ) کے عہد میں بھی مسلک اہلسنت کو خوب شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اسی لیے المتوکل کو محی السنۃ کا خطاب ملا۔ (مروج الذہب)

۞......تیسری چوتھی صدی ہجری میں اتحاد امت کو برقرار رکھنے اور معتزلہ کے ردعمل کے طور پر اہلسنت کی دو طاقتور تحریکیں میدان عمل میں اتریں۔ ان میں ایک تو اشاعرہ کی تحریک تھی جس کے بانی حضرت امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ دوسری تحریک ماتریدیہ کی تھی جس کے بانی حضرت امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ دونوں تحریکیں اہلسنت کے عقائد کی حفاظت وحمایت کے لیے سرگرم عمل تھیں۔ اگرچہ بعض فروعی مسائل میں اختلاف ہوا مگر وہ معمولی نوعیت کا تھا۔ (ظہر الاسلام)

۞......مصر اور شام میں سلطان صلاح الدین ایوبی (م ۵۸۹ھ) اور ان کے وزیر القاضی الفاضل نے مسلک اہلسنت کو سرکاری مذہب قرار دے کر تائید وتقویت پہنچائی اور بدعات کو یکسر ختم کرنے کا فرمان بھی جاری کیا۔

۞...... اسی طرح مغربی افریقہ اور اندلس میں بھی مسلک اہلسنت کو سرکاری حمایت حاصل ہوئی۔

۞......فاتح سومنات حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے دور حکومت میں مسلک اہلسنت کو سرکاری مذہب قرار دیا۔ اس کے بعد ہندوستان میں خاندان مغلیہ کے دو بادشاہوں شاہجہان اور اورنگزیب عالمگیر نے بھی مسلک اہلسنت کی تابناک اور شاندار خدمات انجام دیں۔

۞...... بالآخر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تجدیدی خدمات نے مسلمانوں کی تقدیر بدل کر رکھ دی اور افغانستان وترکستان، ہندوچین میں آج بھی سنی مذہب کا غلبہ وتفوق آپ کے ہی تجدیدی کارناموں کا ثمرہ ہے کہ اس مسلک حق کے پیروکار پوری دنیا پر چھائے ہوئے ہیں اور یہی مسلمانوں کا سواد اعظم ہیں۔

اہلسنت ...... یا...... اہلحدیث

سنت کے مفہوم سے یہ امر واضح ہوا کہ ایک مسلمان، عامل سنت تو ہو سکتا ہے عامل بالحدیث نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ہر سنت قابل عمل ہے اور ہر حدیث قابل عمل نہیں ہے کیونکہ:

۞ ...... احادیث میں پچھلی امتوں کے اعمال بھی بیان کئے گئے ہیں جن میں سے بعض پر عمل کرنا ہمارے لئے جائز نہیں۔ (**کماھو الظاھر**)

۞ ...... احادیث میں حضور ﷺ کی خصوصیات بھی مذکور ہیں جن پر عمل کرنا ہمارے لئے مشروع نہیں۔ (**فافھم**)

۞ ...... احادیث میں ان اعمال کا بھی ذکر ہے جو بعد میں منسوخ کر دیئے گئے جو اب قابل عمل نہیں رہے۔ (**فتدبر**)

غور فرمائیں! جب تمام احادیث پر عمل کرنا ممکن نہیں تو کوئی شخص اہلحدیث نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے کہیں بھی ہر حدیث پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ احادیث کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا ہے تاکہ تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ جاری رہے۔ جیسا کہ فرمایا:

لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ٦٧)

ترجمہ: یعنی مجھ سے حدیث سننے والا بعد والوں یا دور والوں کو میری حدیثیں پہنچا دے (یا سنا دے)۔

لیکن اس کے برعکس سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا:

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ (مشکوٰۃ: ۳۰)

ترجمہ: یعنی میری سنت پر عمل لازم پکڑو۔

یہ کہیں نہیں فرمایا علیکم بحدیثی کہ میری حدیث پر عمل لازم پکڑو۔
ثابت ہوا کہ ایک مسلمان اہلسنت تو ہوسکتا ہے اہلحدیث کبھی نہیں ہوسکتا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض کتب احادیث وغیرہا میں اہلحدیث کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے یہ غلط فہمی ہوئی کہ اہلحدیث کسی مسلک یا فرقے کا نام یا عنوان ہے حالانکہ بمطابق تصریحات علماء اصول، ان کتابوں میں اہلحدیث کے الفاظ سے مراد عاملین حدیث نہیں بلکہ حاملین حدیث ہیں اور یہ کسی مخصوص فرقے کا نام نہیں ہے۔(کمافی کتب الاصول)
لہٰذا عوام مسلمین کو اہلحدیث کہلانے کی بجائے اہلسنت کہلانا چاہیے۔(واللہ الموفق)

بدعت کا مفہوم

رسول کریم ﷺ نے اپنی امت کو تاکید فرمائی ہے کہ فتنوں کے زمانے میں بدعات سے بچیں اور سنت کو اپنائیں۔ سنت پر عمل کرنے سے ہی مسلمانوں کی مرکزیت قائم اور شیرازہ مجتمع رہ سکتا ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فَإِنَّهُ مَن يَّعِيشُ مِنكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

(سنن ابی ابوداؤد، رقم الحدیث:۴۶۰۹)

ترجمہ: پس جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ امت میں بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ لہٰذا تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، اسی کو

تھامے رہو اور دانتوں میں سختی سے دبائے رہو اور اپنے آپ کو بدعتوں (نو پیدا امور) سے بچائے رکھو کیونکہ دین میں نئی پیدا کی ہوئی باتیں بدعت ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

بدعت کا لغوی و اصطلاحی معنیٰ

لغت میں بدعت اس چیز کو کہتے ہیں جسکی پہلے سے مثال نہ ملتی ہو۔

(کما قال نووی شارح مسلم)

✿ ...... بدعت کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے حافظ ابن رجب حنبلی رقمطراز ہیں:

وَالْمُرَادُ بِالْبِدْعَةِ مَا اُحْدِثَ مِمَّا لَا اَصْلَ لَهٗ فِی الشَّرِیْعَةِ یَدُلُّ عَلَیْهِ (جامع العلوم والحکم ۲:۱۲۷)

ترجمہ: یعنی بدعت سے مراد وہ نئی چیزیں ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو جو ان پر دلالت کرے۔

حدیث مذکور میں ان محدثات امور (نئی باتوں) سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے جو خلاف شرع ہوں اور وہ نئے امور جو خلاف شرع نہ ہوں جائز و مباح ہیں۔ یہ موقف اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۵۵۰)

ترجمہ: یعنی جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جو دین سے نہیں تو وہ مردود ہے۔

اس حدیث میں ہر نئی چیز سے منع نہیں فرمایا بلکہ "مالیس منه" کی قید لگادی کہ جو چیز دین سے نہ ہو، خلاف دین ہو وہ مردود ہے۔

✿ ... حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ "فیصلہ ہفت مسئلہ" میں فرماتے ہیں:

"انصاف یہ ہے کہ بدعت اس کو کہتے ہیں کہ غیر دین کو دین میں داخل کر لیا جائے۔"

❁......امام عسقلانی شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بیہقی نے امام شافعی سے نقل کیا ہے:

"اَلْمُحْدَثَاتُ ضَرْبَانِ مَا اُحْدِثَ مُخَالِفًا کِتَابًا اَوْ سُنَّةً اَوْ اَثَرًا اَوْ اِجْمَاعًا فَهٰذِهٖ بِدْعَةٌ ضَلَالَةٌ وَ مَا اُحْدِثَ مِنَ الْخَيْرِ لَا يُخَالِفُ شَيْئًا مِنْ ذَالِكَ فَهٰذِهٖ مُحْدَثَةٌ غَيْرُ مَذْمُوْمَةٍ" (فتح الباری الجز ۱۳: ۲۵۳)

ترجمہ: وہ نئے امور جو کتاب یا سنت یا اثر یا اجماع کے منافی ومخالف ہوں بدعت ضلالت ہیں اور جو اچھے امور کتاب وسنت کے مخالف نہ ہوں بدعت ضلالت نہیں بلکہ محدثات محمودہ (اچھے امور) ہیں۔

حضرت امام ربانی اور امور بدعت

محدثات کی اسی تقسیم کو عارف اکمل حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا ہے۔ آپ بدعت کی تقسیم کو پسند نہیں فرماتے اور کسی بدعت کے حسنہ ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ آپ "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" کی تخصیص مناسب نہیں جانتے۔ آپ کے نزدیک "كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ" عام مخصوص البعض قرار پاتا ہے اسی لیے آپ احداث فی الدین (خلاف کتاب وسنت) کو بدعت فرماتے ہیں اور ہر بدعت کو گمراہی کا سرچشمہ خیال کرتے ہیں۔

❁......خواجہ مفتی عبدالرحمن کابلی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں

"گفتہ اند کہ بدعت بر دو نوع است حسنہ وسیئہ"

ترجمہ: کہتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں حسنہ وسیئہ..........

"ایں فقیر درہیچ بدعت ازیں بدعتہا حسن و نورانیت مشاہدہ نمی کندو جز ظلمت و کدورت احساس نمی نماید ...... سیدالبشرمی فرمایند علیہ و علی الہ الصلوت و التسلیمات مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَيْسَ مِنْهُ فَهُوَرَدٌّ چیزے کہ مردود باشد حسن از کجا پیدا کند" (دفتر اول مکتوب:۱۸۶)

ترجمہ: یہ فقیران بدعات میں سے کسی بدعت میں بھی حسن ونورانیت نہیں دیکھتا اور بجز ظلمت وکدورت کے ان میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔ سیدالبشر ﷺ نے فرمایا جو ہمارے دین میں ایسی نئی بات نکالے جو دین میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے پس جو شئے مردود ہوگئی اس میں حسن کیسا؟

آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

نورسنت سنیہ را علی صاحبہا الصلوۃ و السلام و التحیۃ ظلمات بدعتہا مستور ساختہ اند و رونق ملت مصطفویہ را علی مصدرہا الصلوۃ و السلام و التحیۃ کدورتِ امور محدثہ ضائع گردانیدہ عجب تر آنکہ جمعے آں محدثات را امور مستحسنہ میدانند و آں بدعتہا را حسنات می انگارند و تکمیل دین و تتمیم ملت ازاں حسنات می جویند و در اتیان آں امور ترغیب می نمایند ھداھم اللہ سبحانہ سواء الصراط مگر نمی دانند کہ دین پیش ازیں محدثات کامل شدہ بود و نعمت تمام گشتہ و رضاءِ حضرت حق سبحانہ و تعالی بحصول پیوستہ کما قال اللہ تعالی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ...... (الخ)

پس کمال دین ازیں محدثات جستن فی الحقیقت انکار نمودن است بمقتضائے ایں آیہ کریمہ (دفتر اول مکتوب:۲۶۰)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کے نور کو بدعات کی اندھیریوں نے چھپادیا ہے اور ملت مصطفوی علیٰ مصدرھا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی رونق کو ان نوایجاد باتوں کی کدورتوں نے برباد کردیا ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک جماعت، ان بدعات کو مستحسن جانتی ہے اوران کو نیکیاں سمجھتی ہے اوران کے ذریعے سے دین وملت کی تکمیل کرنا چاہتی ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دے۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ دین ان بدعات سے پہلے کامل ومکمل ہوچکا ہے اور اللہ کی نعمتیں پوری ہوچکی ہیں اوراس کی رضاان کے حصول کیساتھ ملی ہوئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کردیااورتم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کرلیا۔ پس دین کا کمال ان بدعات میں سمجھنا درحقیقت اس آیہ کریمہ کے مضمون سے انکار کرنا ہے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

گزشتگان در بدعت حسنے دیدہ باشند کہ بعض افراد آنرا مستحن داشتہ اند اما ایں فقیر دریں مسئلہ بایشاں موافقت ندارد وہیچ فرد بدعت را حسنہ نمی داند و جز ظلمت و کدورت دراں احساس نمی نماید قال علیہ و علی اٰلہ الصلوٰۃ والسلام کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ و می یابد کہ دریں غربت وضعف اسلام سلامتی منوط باتیانِ سنت است و خرابی مربوط بہ تحصیل بدعت ہر بدعت کہ باشد بدعت را در رنگِ کلند میداند کہ ہدم بنیاد اسلام می نماید وسنت را در رنگ کوکب درخشاں می نماید کہ درشب دیجور ضلالت ہدایت می فرماید علماء وقت را حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ توفیق دہاد کہ بحن ہیچ بدعت لب

نکشایند و باتیان ہیچ بدعت فتوی ندہند اگرچہ آں بدعت در نظر شاں در رنگ فلق صبح روشن در آید چہ تسویلات شیطان را در ماورائے سنت سلطان عظیم است

ترجمہ: بعض اگلے لوگوں نے بدعات میں کوئی حسن دیکھا ہوگا کہ اس کے بعض افراد کوانہوں نے مستحسن قرار دیا۔ یہ فقیر ان سے اس مسئلہ میں اتفاق نہیں رکھتا اور کسی فرد بدعت کو''حسنہ'' نہیں سمجھتا اور سوائے ظلمت و کدورت کے ان میں کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ فقیر کے نزدیک اسلام کی اس غربت کے زمانے میں سلامتی، سنت سے اور خرابی، بدعت سے وابستہ ہے۔ خواہ کوئی بدعت ہو، بدعت اس فقیر کو کدال کی صورت میں نظر آتی ہے جو اسلام کی بنیاد کو ڈھارہی ہے اور سنت ایک درخشاں ستارے کے رنگ میں دکھائی دیتی ہے جو گمراہی کی شب تاریک میں رہنمائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علماء وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کے حسنہ ہونے کے متعلق زبان نہ کھولیں اور کسی بدعت کے کرنے کا فتویٰ نہ دیں اگرچہ وہ بدعت ان کی نظر میں''فلق صبح'' کی طرح روشن ہو کیونکہ شیطانی مکر کو ماورائے سنت (بدعت) میں بڑا تسلط ہے۔ (دفتر دوم مکتوب: ۲۳)

سطور بالا سے یہ امر بخوبی واضح ہو چکا ہے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز بدعت کی قسم اول (بدعت حسنہ) پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے بلکہ آپ بدعت کا اطلاق صرف دوسری قسم (بدعت سیئہ) پر ہی کرتے ہیں اور ہر بدعت کو ''كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ'' (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۶۰۷) کے تحت رکھتے ہیں۔

آپ کے اس موقف پر جن لوگوں نے اعتراض و انکار کیا ہے وہ لوگ حضرت امام ربانی کے مرتبہ وعلوشان سے بے خبر ہیں۔ اگر دیانت داری سے اس مسئلے پر غور کیا

جائے تو مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

تقسیم بدعت سے انکار کی توجیہات

۱...... حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ سنت کی ترویج اور بدعت کے خاتمے پر مامور تھے۔ یہ دور بدعات کے سیلاب کا دور تھا۔ آپ بدعت سے سخت متنفر تھے۔ فقہاء نے بدعات کی تقسیم کر کے بعض بدعتوں کو جائز، مستحب، واجب وغیرہا قرار دیا اور علمی موشگافیوں کی طرف مائل ہو گئے جبکہ حضرت امام ربانی فکری اور علمی انقلاب لانے اور دین اسلام کی تجدید و تعمیر میں مصروف تھے۔ آپ کی نظر آئندہ ہزار سال کی طرف لگی ہوئی تھی اور ملت اسلامیہ کی ڈوبتی کشتی کو بچانے کی فکر میں تھے۔

۲...... آپ مشاہدہ و یقین کی آخری منزل پر فائز تھے۔ آپ کا علم، لدنی اور حضوری تھا۔ آپ مقام فقاہت سے نہیں بلکہ مقام امامت و ولایت سے اس تقسیم کی نفی فرما رہے تھے۔ آپ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اس قدر فنا ہو چکے تھے کہ جس قول و فعل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت نہ ہوتی اس میں آپ کو کوئی حسن و جمال نظر نہ آتا۔ عشق و محبت کی دنیا میں نسبت اور رابطے کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اہل دل سے پوشیدہ نہیں۔

۳...... جن علمائے امت نے بدعت کی تقسیم فرمائی ہے وہ ''كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ'' میں لفظ بدعۃ کو عام مخصوص البعض قرار دیتے ہیں اور حضرت امام ربانی ''كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ'' میں لفظ ''محدثۃ'' کو عام مخصوص البعض قرار دیتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر ''محدثۃ'' کی تخصیص کر دی جائے تو بدعت کی تقسیم کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

۴...... حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ اس امت کے مجدد اعظم ہیں۔ آپ کا بدعت حسنہ کی

مطلق نفی فرمانا سد الباب کے قبیل سے ہے تاکہ عوام بدعت حسنہ کا سہارا لے کر بدعت ضلالہ میں نہ پھنس جائیں لہٰذا آپ نے تجدیدی حکمتوں کے پیش نظر یہی مناسب جانا کہ سرے سے بدعت کا دروازہ ہی بند کر دیا جائے۔

۵..... بدعت حسنہ اور بدعت ضلالہ میں فرق کرنا علمائے محققین کی ذمہ داری ہے۔ آپ نے احتیاطی تدبیر کے طور پر بدعت کی تقسیم‘ تفریق اور تعیین کا حق عوام کے سپرد نہیں فرمایا‘ تاکہ اس کی آڑ میں اہل ہوس‘ دین میں فتنہ وفساد کا دروازہ نہ کھول دیں جیسا کہ علماء سوء نے اس تقسیم سے ناجائز فائدہ اٹھایا‘ جن کے بارے میں آپ نے یوں نشاندہی فرمائی۔

"اکثر علماء ایں وقت رواج دہند ہائے بدعت اند ومحو کنند ہائے سنت ـــ بجواز بلکہ باستحسان آں فتویٰ می دہند و مردم را بہ بدعت دلالت می نمایند" (دفتر دوم مکتوب: ۵۴)

ترجمہ: اس زمانہ کے اکثر علماء خود ہی بدعت کے رواج دینے والے اور سنت کے مٹانے والے ہیں..... یہ علمائے دین بدعت کو شرعاً جائز بلکہ مستحسن قرار دے کر فتویٰ دیتے ہیں اور آدمیوں کو بدعت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔

۶..... آپ مجتہد ہیں اور آپ کا یہ قول اجتہاد کے قبیل سے ہے جیسا کہ آپ نے تشہد میں رفع سبابہ کا انکار فرمایا ہے۔ جس کی توجیہہ کرتے ہوئے حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''حضور مجدد رضی اللہ عنہ کا ترک رفع سبابہ بناء بر اجتہاد ست'' (کلمات طیبات فارسی: ۲۹)

۷..... آپ کے نزدیک سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس قول ''نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ'' (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۰۱۰) میں بدعت کا لغوی حقیقی معنیٰ مراد ہے کیونکہ

دور فاروقی میں بدعت کی تقسیم اور اس جیسی دیگر مصطلحات کا نام ونشان تک نہ تھا۔
نیز خلیفہ دوم کا عمل از روئے حدیث سنت ہے نہ کہ بدعت حسنہ، لہٰذا حدیث کے ان الفاظ کو بدعت کی تقسیم پر محمول کرنا تکلف سے خالی نہیں۔ (فافہم)

۸...... حضرت امام ربانی نے میر محب اللہ کی طرف ایک مکتوب میں لکھا کہ

بدعت دو حال سے خالی نہیں ہے یا وہ سنت کی رافع ہوگی یا رفع سنت سے ساکت ہوگی۔ساکت ہونے کی صورت میں وہ بالضرور سنت پر زائد ہوگی جو درحقیقت اس کو منسوخ کرنے والی ہے کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے۔پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو سنت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی ہے۔نہ اس میں خیر ہے نہ حسن۔ہائے افسوس انہوں نے بدعت کے حسنہ ہونے کا کس طرح حکم دے دیا؟

بدعت حسنہ......رافع سنت ہے

۹...... قیوم زمانی حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ عبدالرحمن کابلی کی طرف ایک مکتوب تحریر فرمایا جس کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے:

''جاننا چاہیے کہ بعض بدعتیں جن کو علماء ومشائخ نے حسن سمجھا ہے جب ان کو اچھی طرح ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنت کو رفع کرنے والی ہیں مثلاً میت کے کفن دینے میں عمامہ کو بدعت حسنہ کہتے ہیں حالانکہ یہی بدعت' رافع سنت ہے کیونکہ عدد مسنون (تین کپڑوں) پر زیادتی نسخ ہے اور نسخ عین رفع ہے اور ایسے ہی مشائخ نے شملہ دستار کو بائیں طرف چھوڑنا پسند کیا ہے' حالانکہ شملہ کا دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑنا سنت ہے۔ظاہر ہے کہ یہ بدعت' رافع سنت ہے اور ایسے ہی وہ امر ہے جو علماء نے نماز کی نیت میں مستحسن جانا ہے کہ باوجود دل کے ارادہ کے زبان سے بھی

نیت کرنی چاہیے حالانکہ آنحضرت ﷺ سے کسی صحیح یا ضعیف روایت سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی صحابہ کرام و تابعین عظام رضی اللہ عنہم سے کہ انہوں نے زبان سے نیت کی ہو بلکہ جب اقامت کہتے تھے تو فقط تکبیر تحریمہ ہی فرماتے تھے۔ پس زبان سے نیت کرنا بدعت ہے اور علماء نے اس بدعت کو حسنہ کہا ہے اور یہ فقیر جانتا ہے کہ رفع سنت تو اپنی جگہ رہا یہ بدعت فرض کو بھی رفع کرتی ہے کیونکہ اس تجویز میں اکثر لوگ زبانی نیت پر ہی کفایت کرتے ہیں اور دل کی غفلت کا کچھ خوف نہیں کرتے۔ پس اس ضمن میں نماز کے فرضوں میں سے ایک فرض جو کہ نیت قلبی ہے متروک ہو جاتا ہے اور نماز کے فاسد ہونے تک پہنچا دیتا ہے۔ (دفتر اول مکتوب: ۱۸۶)

۱۰...... آپ کے نزدیک جو کام، مقصود شرع کے مطابق ہو اور صدر اول میں اس کی کوئی مثال یا اصل ثابت ہو تو اس کو بدعت حسنہ کی بجائے سنت کہا جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے: ''مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا''... (الخ)

(مشکوٰۃ: ۳۳)

لہٰذا حدیث سے ثابت شدہ تقسیم سنت میں لفظ سنت حسنہ کا اطلاق بدعت حسنہ کے اطلاق سے بدرجہا اولیٰ معلوم ہوتا ہے۔ (فتدبر)

چنانچہ قطب شام امام عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''إِنَّ الْبِدْعَةَ الْحَسَنَةَ الْمُوَافِقَةَ لِمَقْصُودِ الشَّرْعِ تُسَمّٰى سُنَّةً''

ترجمہ: جو بدعت حسنہ مقصود شرع کے مطابق ہو اس کو بھی سنت ہی کہا جائے گا۔

۱۱...... اس مفہوم کے پیش نظر حضرت امام ربانی اور بعض علماء کے درمیان لفظ بدعت کے بارے میں اختلاف محض لفظی ہے اور وہ یہ کہ قسم اول پر بدعت کا اطلاق کرنا چاہیے یا نہیں؟

❁...... اس لفظی نزاع کی وضاحت کے لیے حضرت شاہ محمد مظہر رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت شاہ

احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"می فرمودند کہ بدعت حسنہ نزد امام ربانی قدس سرہ داخل سنت است اطلاق بدعت بر آں نمی فرمایند بموجب كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ونزاع درمیان ایشاں وعلماء کہ بوجود حسن در بدعت قائل اند لفظی است"

(مقامات سعیدیہ: ۱۲۵)

ترجمہ: حضرت شاہ احمد سعید دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ بدعت حسنہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک داخلِ سنت ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کے مطابق اس پر بدعت کا لفظ نہیں بولتے اور آپ کے اور ان علماء کے درمیان جو بدعت حسنہ کے قائل ہیں صرف لفظی نزاع ہے۔

❁......اسی طرح معرّب مکتوبات حضرت علامہ محمد مراد مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مفصل مضمون کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جو قارئین کے لیے بے حد مفید ثابت ہوگا۔

معرّب مکتوبات امام ربانی (محمد مراد مکی عفی عنہ) کہتا ہے کہ حضرت امام ربانی نے اپنے مکتوبات میں سے بہت سے مقامات پر بدعت کے متعلق بہت سخت رویہ اختیار فرمایا ہے اور آپ اس کے حقدار بھی تھے۔ کیونکہ اگر آپ بدعت کے معاملہ میں شدت نہ فرماتے تو سارا ہندوستان اور ماوراء النہر کا علاقہ بدعت کے اندھیروں میں ڈوب جاتا۔ بدعت کے بارے میں آپ کا یہ رویہ دوسرے علماء اسلاف کے اس قول کے خلاف نہیں کہ بدعت دو قسم پر ہے "حسنہ اور سیئہ" کیونکہ حسنہ سے ان کی مراد ہر ایسی چیز ہے جس کے لیے صدر اول میں اصل موجود ہو، اگرچہ اشارۃً ہی ہو جیسے مساجد کے منارے بنانا' مدارس اسلامیہ قائم کرنا' مسافر خانے تعمیر کرنا' کتابوں کی تدوین اور دلائل کی ترتیب اور اسی طرح اور بھی کئی مثالیں ہیں اور بدعت سیئہ وہ ہے کہ

صدر اول میں اس کی کوئی اصل اور بنیاد نہ ہو۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی قسم اول پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ اس کی اصل صدر اول میں موجود ہوتی ہے لہٰذا ایسا شخص مُبتدِع اور مُحدث بھی نہیں کہلائے گا بلکہ آپ بدعت کا اطلاق صرف دوسری قسم پر ہی کرتے ہیں۔ دراصل اس دوسری قسم کا مرتکب ہی مبتدع اور محدث کہلانے کا سزاوار ہے اور اس بناء پر بھی کہ حضور ﷺ نے مطلقاً فرمایا ''کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ''

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بدعت حسنہ اور سیئہ کے مسئلہ میں حضرت امام ربانی قدس سرہ' اور دوسرے علماء کرام کے درمیان محض نزاع لفظی ہے کہ قسم اول پر بدعت کا اطلاق کرنا چاہیے یا نہیں۔ الغرض علماء جسے بدعت حسنہ کہتے ہیں امام ربانی کے نزدیک وہ سنت میں داخل ہے۔

(حاشیہ مکتوبات شریف' دفتر اول مکتوب:۱۸۶ از مولانا نور احمد مرحوم امرتسری)

۞......حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سنن ابن ماجہ کے حاشیہ انجاح الحاجہ میں حدیث ''من احدث فی امرنا ھذا'' (الخ) کے تحت فرماتے ہیں۔

وَ لِهٰذَا قَالَ الشَّيْخُ الْمُجَدِّدُ رضی اللہ عنہ اِنَّ الْعُلُوْمَ الَّتِیْ وَسَائِلُ لِاَمْرِ الدِّيْنِ كَالصَّرْفِ وَالنَّحْوِ دَاخِلَةٌ فِي السُّنَّةِ وَلَا يُطْلَقُ عَلَيْهِمْ اِسْمُ الْبِدْعَةِ فَاِنَّ الْبِدْعَةَ عِنْدَهٗ رضی اللہ عنہ لَيْسَ فِيْهَا حُسْنٌ اَلْبَتَّةَ۔

ترجمہ: اسی بناء پر حضرت شیخ مجدد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ایسے علوم جو حصول دین کے ذرائع اور وسائل ہیں جیسے علم صرف ونحو، وہ سنت میں داخل ہیں اور حضرت شیخ مجدد ان پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ آپ کے نزدیک بدعت میں بالکل کوئی حسن نہیں ہے۔

مذکورہ بالا بحث وتحقیق سے یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا ہے کہ مسئلہ

بدعت میں حضرت امام ربانی اور دوسرے علماء اہلسنت کے درمیان ہرگز کوئی بنیادی و حقیقی اختلاف نہیں بلکہ صرف لفظی نزاع ہے۔ مفہوم و مراد سب کے نزدیک ایک ہی ہے صرف انداز بیان اور اطلاق الفاظ میں فرق ہے۔

حضرت علامہ محمد مراد مکی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مسئلہ بدعت کے متعلق علمائے متقدمین اور آپ کے درمیان نزاع لفظی ہے مگر وہ علمائے متاخرین (ہم عصر اور ہم وطن علماء) جنہوں نے بدعت حسنہ کے دامن کو اتنا وسیع کر دیا ہے کہ بہت سی بدعات سیئہ کو بدعات حسنہ میں داخل کر دیا ہے (کفن میت میں عمامہ اور شملہ دستار کو بائیں طرف لٹکانا وغیرہا) جن کی اصل صدر اول میں نہیں پائی جاتی اور نہ ہی علمائے متقدمین نے ان کو بدعت حسنہ میں شمار کیا ہے۔ ان علمائے متاخرین اور آپ کے درمیان مسئلہ بدعت میں اختلاف لفظی نہیں بلکہ معنوی اور حقیقی اختلاف ہے۔

حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ اور معمولات اہلسنت

اس حقیقت کی وضاحت اس لیے بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ آج کل بعض لوگ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے اقوال کو خوب اچھالتے ہیں اور علماء اہلسنت کے معمولات پر تنقید کر کے ان کو بدعتی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

حالانکہ مخالفین اہلسنت، جن امور کے پیش نظر علماء اہلسنت کو بدعتی کہتے ہیں وہ تمام امور حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے عقیدہ و عمل اور قول و فعل سے ثابت ہیں۔ قدرے تفصیل ملاحظہ ہو۔

محفل میلاد

بعض حضرات اپنی تقریر و تحریر کے ذریعے یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ حضرت امام

ربانی محفل میلاد کا انکار فرماتے ہیں (نعوذ باللہ) حالانکہ یہ صریح بہتان ہے۔ اصل صورت حال یہ ہے کہ آپ کے قرب و جوار میں محفل میلاد بطریق سماع (قوالی) کا رواج چل نکلا تھا جس کا آپ نے اپنی طریقت نقشبندیہ کی مخالفت کی وجہ سے انکار فرمایا ہے۔

محفل میلاد کے بارے میں تو آپ نے خواجہ حسام الدین احمد عليه الرحمه کے نام یوں تحریر فرمایا تھا:

"دیگر در باب مولودخوانی اندراج یافتہ بود در نفس قرآن خواندن بصوت حسن درقصائد نعت ومنقبت خواندن چہ مضائقہ است ممنوع تحریف وتغییر حروف قرآن است" (دفتر سوم مکتوب:۷۲)

ترجمہ: محفل میلاد میں اگر اچھی آواز کے ساتھ قرآن کی تلاوت کی جائے اور حضور ﷺ کی نعت شریف اور بزرگان دین کی منقبت کے قصیدے پڑھے جائیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ ممنوع تو یہ ہے کہ قرآن کے حروف میں تبدیلی اور تحریف کردی جائے اور قصیدے پڑھنے میں راگنی، سر، تال اور موسیقی کے قواعد کی رعایت اور پابندی کی جائے اور تالیاں بجائی جائیں وغیرہا۔

عرس منعقد کرنا

تبلیغی مقاصد اور ایصال ثواب کے پیش نظر اولیاء کرام رحمہم اللہ کے مزارات کی حاضری اور بزرگان دین کے عرس منعقد کرنا اہلسنت کے معمولات میں سے ہے جس کی اصل حدیث سے ثابت ہے۔

❁ ...... "رُوِيَ عَنِ ابْنِ شَيْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْتِيْ قُبُوْرَ الشُّهَدَاءِ بِأُحُدَ

عَلیٰ رَأْسِ کُلِّ حَوْلٍ"

(ارشاد السارى مناسک ملا على القارى: ۳۴۷، التفسير الكبير ۱۹ / ۴۵)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ ہر سال کے شروع میں احد شریف میں شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لایا کرتے تھے۔

۞......امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

"وَالْخُلَفَاءُ الْاَرْبَعَةُ هٰكَذَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ" (التفسير الكبير ۱۹ / ۴۵)

ترجمہ: چاروں خلفائے راشدین بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

۞......حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ باقاعدہ محافل عرس میں شرکت فرماتے اور اولیاء کرام کے مزارات پر حاضری دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ فرید کے نام آپ نے یوں تحریر فرمایا:

"در ایام عرس حضرت خواجہ جیو قدس سرہ بحضرت دہلی رسید بخاطر داشت کہ در ملازمت علیہ نیز برسد" (دفتر اول مکتوب: ۲۴۳)

ترجمہ: حضرت خواجہ جیو قدس سرہٗ کے عرس مبارک کے دنوں فقیر دہلی آیا۔ ارادہ تھا کہ حضرت کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو۔

۞......آپ نے مکتوبات شریفہ میں کسی بھی مقام پر عرس کی ممانعت نہیں فرمائی حالانکہ آپ کے دور میں عرسوں کا رواج تھا جیسا کہ مذکورہ عبارت سے واضح ہوا۔

نیز آپ کے جانشین، قیوم ثانی، عروۃ الوثقٰی حضرت خواجہ محمد معصوم فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے عرس مبارک میں شرکت کے بارے میں خود اپنا حال یوں تحریر فرماتے ہیں:

"چند روز است کہ ایں مسکین را درد خفیف است چنانچہ در مجلس عرس

پیر دستگیر در ڈولی نشستہ چند ساعتہ حاضر شدہ بود" (مکتوبات معصومیہ)
ترجمہ: چند دنوں سے اس مسکین کو درد کا قدرے آرام ہے چنانچہ ڈولی میں بیٹھ کر تھوڑی دیر کے لیے اپنے پیر دستگیر (حضرت مجدد) رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس عرس میں شرکت کی۔

ایصال ثواب

اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ بدنی اور مالی نفلی عبادات کا ثواب' ارواح کو بخشا درست ہے اور یہ ثواب ان کو پہنچتا ہے۔ اس کی اصل قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور آئمہ اربعہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ (تیجا' دسواں، چالیسواں بھی ایصال ثواب ہی کی مختلف صورتیں ہیں اور فوت شدگان کے لیے اجتماعی دعاؤں کا ذریعہ ہیں) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک مبارک بھی یہی ہے۔
چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"پیش ازیں بچند سال داب فقیر آب بودہ کہ اگر طعام می پخت مخصوص بروحانیات مطہرہ آل عبا می ساخت ۔۔۔ شبے درخواب می بیند کہ آن سرور حاضر است علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام فقیر بر ایشاں عرض سلام می کند متوجہ فقیر نمی شوند و رو بجانب دیگر دارند دریں اثنا بفقیر فرمودند کہ من طعام در خانہ عائشہ میخورم ہرکہ مرا طعام فرستد بخانہ عائشہ فرستد ایں زماں فقیر دریافت کہ سبب عدم توجہ شریف ایشاں آں بودہ"

(دفتر دوم مکتوب: ۳۶)

ترجمہ: آج سے چند سال قبل (فاتحہ و ایصال ثواب کے سلسلے میں) فقیر کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کوئی کھانا پکاتا تو اس کا ثواب صرف آل عبا کی روحوں کو پیش کرتا .... ایک رات

فقیر نے خواب دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہیں۔ فقیر نے سلام عرض کیا مگر حضور ﷺ نے اپنا چہرہ اقدس دوسری طرف کیا ہوا ہے۔ اس دوران میں آپ نے ارشاد فرمایا ''میں کھانا عائشہ کے گھر کھاتا ہوں مجھے جو بھی کھانا بھیجے عائشہ کے گھر بھیجے''۔ فقیر اس وقت جان گیا کہ چہرہ مبارک دوسری طرف پھیرے رکھنے کی وجہ یہی ہے کہ فقیر اس ایصال ثواب میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو شریک نہیں کرتا تھا۔ اس واقعہ کے بعد ایصال ثواب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بلکہ تمام ازواج مطہرات کو شامل کرتا ہے۔

✿...... حضرت شیخ مجدد اپنے ایک عقیدت مند کو لکھتے ہیں:

''نیازیکہ بدرویشاں فرستادہ بودند نیز وصول یافت فاتحہ سلامت خواندہ شد'' (دفتر اول مکتوب: ۱۴۲)

ترجمہ: آپ نے جو نیاز درویشوں کے لئے روانہ کی تھی وہ مل گئی ہے اور اس پر سلامتی کیلئے فاتحہ بھی پڑھ دی گئی ہے۔

قبروں پر غلاف ڈالنا

اولیاء کبار کی قبروں پر غلاف ڈالنا اور ان کو متبرک جاننا اہلسنت کے نزدیک جائز ہے اور یہ امر بدعت سیئہ میں داخل نہیں ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے عمل سے یہ امر ثابت ہے۔ چنانچہ آپ کے خلیفہ رشید علامہ بدرالدین سرہندی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

✿...... ایک دفعہ حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ روضہ شریفہ قطب الاقطاب حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے اجمیر شریف تشریف لے گئے تھے۔ بہت دیر تک اس بدر الاولیاء کے مزار پر انوار پر مراقب رہے۔ جب باہر نکلے تو محرمان اسرار

خاصہ سے فرمایا کہ

''حضرت خواجہ نے بے حد الطاف واکرام فرمایا اور اپنے برکات خاصہ کی ضیافت کی اور اسرار کی باتیں ارشاد فرمائیں اور ہم کو جو یہ کوشش تھی کہ لشکر سلطانی کی ہمراہی سے علیحدگی ہوجائے آپ نے اس سے منع فرمایا اور اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر سونپنے کے لیے حکم دیا ہے''۔

اتنے میں روضہ عالیہ کے مجاور غلاف قبر شریف کی چادر لائے جو ہر سال تازہ آپ کی قبر پر ڈالی جاتی ہے اور سلاطین وقت اس کو تبرکاً لے جاتے ہیں اور لعل وزمرد کی طرح (کمال تعظیم کے ساتھ) صندوق میں محفوظ رکھتے ہیں۔ جب مجاورین روضہ مقدسہ نے وہ چادر مبارک آپ کو بطور تحفہ پیش کی اور کہا کہ آپ سے بڑھ کر اس تبرک کا سزاوار اور کوئی نہیں ہے تو آپ (امام ربانی) نے اس کو بڑے ادب کے ساتھ قبول کرلیا اور فرمایا کہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ کا یہ تبرک ہمارے کفن کے لیے رکھا جائے۔

(حضرات القدس حضرت ششم مترجم: ۱۱۴)

تصور شیخ

اہل باطن کے نزدیک شیخ کی صورت کا نقشہ دل میں حاضر کرنا اور اس کے توسل سے فیض ربانی کا انتظار کرنا طریقت کا معمول بہ عمل ہے جبکہ بعض لوگ اس کو بدعت اور شرک قرار دیتے ہیں۔ (نعوذباللہ منہا) حالانکہ

❁ ...... حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات شریفہ میں تصور شیخ کے جواز وصحت کی تصریح فرمائی ہے اور اس کی برکات بیان فرمائی ہیں۔ ملاحظہ ہو!

''پس در ابتداء و در توسط مطلوب را بے آئینہ پیر نمی تواں دید''

(دفتر اول مکتوب: ۱۶۹)

ترجمہ: پس ابتداء اور درمیان میں مطلوب کو پیر کے آئینہ (تصور شیخ) کے بغیر نہیں دیکھا جاسکتا۔

✿......نیز فرمایا:

"و ہیچ طریقے اقرب بوصول از طریق رابطہ نیست"

(دفتر اول مکتوب: ۱۸۷)

ترجمہ: اور کوئی راستہ بھی وصول کیلئے طریق رابطہ (تصور شیخ) سے زیادہ قریب نہیں۔

✿......حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ نے خواجہ محمد اشرف کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

"محبت اطوارا ایں دولت متمنائے طلاب است از ہزاراں یکے را مگر بدہند صاحب ایں معاملہ مستعد تام المناسبت است۔۔۔رابطہ را چرا نفی کنند کہ او مسجود الیہ است نہ مسجود لہ چرا محاریب و مساجد را نفی نکنند" (دفتر دوم مکتوب: ۳۰)

ترجمہ: اے محبت کے اطوار والے! یہ دولت (تصور شیخ) طالبان حق کی آرزو ہے جو ہزاروں میں سے کسی ایک کو نصیب ہوتی ہے۔اس کیفیت والا مرید، صاحب استعداد اور تام المناسبت ہے۔نماز میں تصور شیخ کی نفی کی کیا ضرورت ہے کیونکہ شیخ مسجود الیہ ہے نہ کہ مسجود لہ محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے؟ (حالانکہ ان کی طرف بھی سجدہ کیا جاتا ہے)

استمداد و تصرفات اولیاء

اہلسنت کے نزدیک انبیاء و اولیاء کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنا'

مصائب اور مشکلات کے وقت ان کو ذریعہ اور واسطہ سمجھ کر مدد طلب کرنا بلاشبہ جائز اور درست ہے نیز ارواح طیبہ کا تصرف فرمانا اور امداد کرنا بھی عقلاً ثابت ہے۔

❁.....حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے ملا احمد برکی کے ایک استفسار کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا:

"مخدوما۔۔۔ازیں قبیل است مدد ہائے کہ از روحانیت اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کہ مناسب افعال اجسام است کَاِھْلَاکِ الْاَعْدَاءِ وَ نُصْرَۃِ الْاَحِبَّاءِ بِوُجُوْہٍ مُخْتَلِفَۃٍ وَاَنْحَاءٍ شَتّٰی" (دفتر اول مکتوب:۲۳۹)

ترجمہ: میرے مخدوم! اسی قبیل سے اولیاء کبار کی روحانیت مقدسہ کی امداد و اعانت ہے جو جسمانی امداد کی طرح اثر دکھاتی ہے جیسے دشمنوں کو ہلاک کرنا اور دوستوں کی مدد کرنا مختلف طریقوں سے۔

"حضرت قبلہ گاہی ام (خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) مے فرمودند کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ در بعضے رسائل خود نوشتہ اند کہ در قضائے مبرم ہیچ کس را مجال نیست کہ تبدیل بدہد مگر مرا"

(دفتر اول مکتوب :۲۱۷)

ترجمہ: میرے قبلہ گاہی حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت سید محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض تصنیفات میں فرمایا ہے کہ تقدیر مبرم تبدیل کرنے کی طاقت و مجال کسی کو نہیں مگر میں اس کو بھی تبدیل کر سکتا ہوں۔ (قضائے معلق فی علم اللہ مراد ہے)

ناظرین! غور فرمائیں کہ کیا ایسے کاملین امت' شرک یا بدعت والے دعوے و

عقیدے کے حامل ہو سکتے ہیں؟ (استغفر اللہ العظیم)

✿......اسی طرح حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے سیادت مآب میر محمد نعمان کی طرف ایک مکتوب گرامی میں شان مجددیت کے بارے میں یوں لکھا:

"مجدد آنست کہ ہر چہ دراں مدت از فیوض باُمتاں برسد بتوسط او برسد اگرچہ اقطاب و اوتاد آں وقت بودند و بدلاء و نجباء باشند" (دفتر دوم مکتوب: ۴)

ترجمہ: مجدد وہ ہوتا ہے کہ اس کے زمانہ میں جو کچھ فیوض و برکات امتیوں کو پہنچتے ہیں اسی کے وسیلے سے پہنچتے ہیں اگرچہ وہ فیض حاصل کرنے والے اپنے وقت کے قطب اور اوتاد ہوں یا ابدال و نجباء ہوں۔

ناجی گروہ اور بدعتی فرقے

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا مکتوبات شریفہ میں اس امر کو واضح فرمایا ہے کہ ناجی گروہ صرف اہلسنت و جماعت ہے۔ اس راستے سے سرمو انحراف کرنا دنیا و آخرت کی خرابی کا سبب ہے اور اہلسنت کے علاوہ تمام فرقے معرضِ خطر و زوال میں ہیں۔ فرمان رسالت مآب (علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات) سے ثابت ہے کہ اس امت کے تہتر فرقوں میں سے ایک فرقہ جنتی ہے جس کو اہل سنت و جماعت کہا جاتا ہے۔ بقول ابن حزم اہل اسلام کے پانچ فرقے ہیں ایک اہلسنت، دوسرے معتزلہ' تیسرے مرجیہ' چوتھے شیعہ' پانچویں خوارج باقی تمام فرقے انہی کی شاخیں ہیں۔

(الملل والنحل للامام شہرستانی)

فقہ کے اعتبار سے اہلسنت میں چار مذاہب ہیں حنفی' مالکی' شافعی' حنبلی۔ اعتقادات کے لحاظ سے تین گروہ ہیں اشعری' ماتریدی' حنبلی۔ طریقت میں چار بڑے گروہ ہیں

نقشبندی، قادری، چشتی، سہروردی وغیرہا۔ لیکن یہ تمام گروہ اہل حق ہیں۔ ان میں کوئی بنیادی، اعتقادی تفاوت نہیں اور یہ سارے اہلسنت و جماعت کہلاتے ہیں۔

غنیۃ الطالبین میں ہے کہ خوارج کے پندرہ فرقے ہیں، شیعہ کے بتیس، معتزلہ کے چھ، مرجیہ کے بارہ، جہمیہ ایک، ضراریہ ایک، نجاریہ ایک، کلابیہ ایک اور مشبہ کے تین فرقے ہیں۔ اس حساب سے اہلسنت سمیت کل تہتر فرقے ہو گئے۔ اس دور میں نئے پیدا ہونیوالے بدعتی فرقوں نے بھی پہلے (بیان کردہ) فرقوں سے جنم لیا ہے اور ان کے عقائد و نظریات بھی انہی کا چربہ ہیں جیسا کہ اہل بصیرت سے مخفی نہیں۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ فرید کی طرف ایک مکتوب میں فرمایا:

''اس بات پر یقین رکھیں کہ بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے فساد سے بڑھا ہوا ہے اور تمام بدعتی فرقوں میں بدترین وہ گروہ ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض و عناد رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں اس گروہ کو کفار کے نام سے یاد فرماتا ہے۔ ''لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ'' (الفتح ۴۸: ۲۹، دفتر اول مکتوب: ۵۴)

بدعات کے خلاف جہاد

یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ الحاد اکبری کے دور میں خلاف اسلام فتنوں اور بدعات نے جنم لیا ان میں علماء سوء اور صوفیائے خام کا بھی پورا پورا دخل تھا۔ چنانچہ امام ربانی قدس سرہٗ نے حکومت وقت کے علاوہ ایسے علماء و صوفیاء کے خلاف بھی بہت زیادہ عملی، لسانی اور قلمی جہاد فرما کر بے شمار بدعات کا خاتمہ فرمایا اور شریعت، طریقت کے حقیقی خدوخال کو بے نقاب کیا۔

غرضیکہ آپ کے شاندار تجدیدی کارناموں کے سبب اسلام پر پھر سے بہار

آ گئی۔ آج بھی پوری دنیا میں ترویج اسلام کی جو تحریکات پائی جاتی ہیں ان میں آپ کے باطنی فیوض و برکات اور تصرفات کار فرما ہیں۔ آپ نے دو قومی نظریہ پیش کیا جو بالآخر قیام پاکستان پر منتج ہوا۔ بلاشبہ مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان آپ کی نگاہ فیض و تجدید کا ثمرہ ہے۔

والحمد للہ علیٰ ذالک

مسئلہ نیت

اور

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ
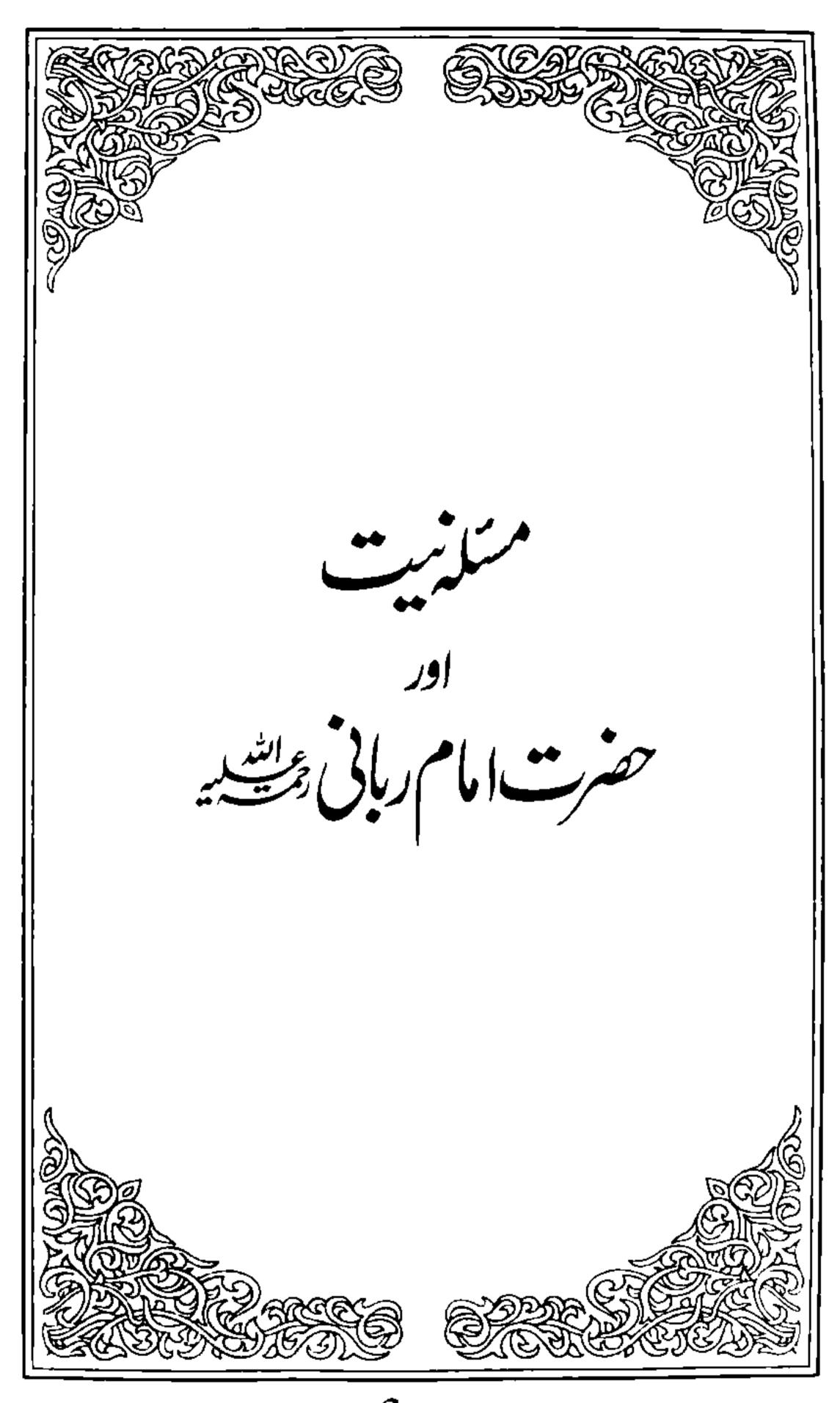
حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز حقائق الٰہیہ سے متحقق اور کمالاتِ نبوت سے متصف ہونے کی بناء پر علمائے راسخین اور عرفائے کاملین کے سرخیل ہیں۔آپ کی مجددانہ تحقیقات، انفرادی شان اور عارفانہ تخلیقات، امتیازی مقام رکھتی ہیں۔مقام مشاہدہ وامامت اور مرتبہ یقین ومجددیت پر فائز المرام ہونے کی بدولت آپ پر حقائق شریعت اور اسرار نیت آشکارا ہوئے۔مسئلہ نیت پر آپ نے اپنی مجددانہ تحقیق یوں بیان فرمائی۔

علماء در نیت نماز مستحسن داشتہ اند کہ با وجود ارادۂ قلب بزبان نیز باید گفت و حال آنکہ ازان سرور علیہ و علی آلہ الصلوۃ و السلام ثابت نشدہ است نہ بروایت صحیح و نہ بروایت ضعیف و نہ از اصحاب کرام و تابعین عظام کہ بزبان نیت کردہ باشند بلکہ چون اقامت می گفتند تکبیر تحریمہ میفرمودند پس نیت بزبان بدعت باشد و این بدعت را حسنہ گفتہ اند و این فقیر میداند کہ این بدعت چہ جائے رفع سنت کہ رفع فرض می نماید چہ در تجویز آن اکثر مردم بزبان اکتفا می نمایند و از غفلت قلبی باک ندارند پس درین ضمن فرضی از فرائض نماز کہ نیت قلبی باشد متروک میگردد و بفسادِ

نماز میرساند (دفتر اول مکتوب:۱۸۶)
ترجمہ: بعض علماء نے نماز کی نیت میں مستحسن جانا ہے کہ باوجود قلب کے ارادہ کے زبان سے بھی نیت کہنی چاہئے حالانکہ آنحضرت ﷺ سے کسی صحیح حدیث یا ضعیف روایت سے ثابت نہیں ہوا اور نہ ہی اصحاب کرام و تابعین عظام سے، کہ انہوں نے زبان سے نیت کی ہو، بلکہ جب اقامت ہوتی تھی تو وہ ساتھ ہی تکبیر تحریمہ کہتے تھے۔ لہٰذا زبان سے نیت کرنا بدعت ہے اور اس بدعت کو حسنہ کہا گیا ہے حالانکہ یہ فقیر جانتا ہے کہ یہ بدعت رفع سنت تو بجائے خود رہا یہ تو فرض کو بھی رفع کرتی ہے کیونکہ اس تجویز میں اکثر لوگ زبانی نیت پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور دل کی غفلت پر کچھ نہیں ڈرتے کہ اس ضمن میں نماز کے فرضوں میں سے ایک فرض جو نیت قلبی ہے متروک ہو جاتا ہے اور نماز کے فاسد ہونے تک پہنچا دیتا ہے۔

سطور بالا میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائے نماز میں تکبیر تحریمہ سے قبل زبان کے ساتھ نیت کرنے کو بدعت قرار دیا ہے کیونکہ اس سے رفع فرض لازم آتا ہے جو فسادِ نماز کا باعث ہے۔ آپ کے اس مؤقف کی تائید علمائے اعلام اور فقہائے کرام کی درج ذیل تحقیقات سے بھی ہوتی ہے۔

نیت کا شرعی معنی

لغتِ عرب میں نیت کا معنی قصد کرنا ہے جیسا کہ قاموس میں ہے نَوَی الشَّیْئَ اس نے کسی چیز کا قصد کیا۔

محدث کبیر حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نیت کی شرعی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:
تَوَجُّهُ الْقَلْبِ نَحْوَ الْفِعْلِ اِبْتِغَاءً لِوَجْهِ اللّٰهِ وَالْقَصْدُ بِهَا تَمْيِيْزُ الْعِبَادَةِ عَنِ الْعَادَةِ (مرقاۃ المفاتیح جز اول:۹۸) یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کسی فعل کی طرف

قلب کا متوجہ کرنا نیت کہلاتا ہے تاکہ عبادت، عادت سے متمیز ہو جائے۔

نیت کی تعریف یوں بھی کی گئی ہے:

فَاَمَّا مَعْنَی النِّیَّةِ فَهِیَ عَزْمُ الْقَلْبِ عَلٰی فِعْلِ الْعِبَادَةِ تَقَرُّبًا اِلَی اللّٰهِ وَحْدَهٗ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ۲۰۹) یعنی نیت کا معنی اللہ وحدہٗ کا قرب حاصل کرنے کی خاطر ادائے عبادت کیلئے قلب کا عزم کرنا ہے۔

حکم نیت کے متعلق اختلافِ فقہاء

اِنَّ النِّیَّةَ لَازِمَةٌ فِی الصَّلٰوةِ فَلَوْ تُرِکَتْ بَطَلَتِ الصَّلٰوةُ بِاتِّفَاقِ الْمَذَاهِبِ اِنَّ الْمَالِکِیَّةَ وَالشَّافِعِیَّةَ اِتَّفَقُوْا عَلٰی اَنَّ النِّیَّةَ رُکْنٌ مِنْ اَرْکَانِ الصَّلٰوةِ فَلَوْ لَمْ یَنْوِ الصَّلٰوةَ فَاِنَّهٗ لَا یُقَالُ لَهٗ قَدْ صَلّٰی اَصْلًا وَالْحَنَفِیَّةُ وَالْحَنَابِلَةُ اِتَّفَقُوْا عَلٰی اَنَّهَا شَرْطٌ بِمَعْنٰی اَنَّهٗ اِنْ لَمْ یَأْتِ بِهَا فَاِنَّهٗ یَکُوْنُ قَدْ صَلّٰی صَلَاةً بَاطِلَةً وَبِذَالِکَ تَعْلَمُ اَنَّ النِّیَّةَ بِالْمَعْنَی الْمُتَقَدِّمِ فَرْضٌ اَوْ شَرْطٌ لَا بُدَّ مِنْهُ عَلٰی کُلِّ حَالٍ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ مطبوعہ مصر: ۲۱۰)

یعنی بے شک نیت نماز میں لازم ہے۔ اگر نیت چھوڑ دی گئی تو تمام مذاہب کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی..... حضرات مالکیہ اور شافعیہ رحمۃ اللہ علیہم اس امر پر متفق ہیں کہ نیت ارکان نماز میں سے ایک رکن ہے۔ پس اگر کسی نے نماز کی نیت نہیں کی تو اس کی نماز ہرگز نہیں ہوگی۔ جبکہ فقہائے حنفیہ وحنابلہ کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ نیت نماز کیلئے شرط ہے بایں معنی کہ اگر شرط مفقود ہوئی تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اس سے یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ نیت سابقہ معنی کے اعتبار سے فرض ہو یا شرط بہر حال یہ نماز کیلئے ضروری ہے۔

لسانی نیت سنت سے ثابت نہیں

فقہائے احناف کے نزدیک نیت شرائط نماز میں سے ہے جو قلب کا فعل ہے۔ اس لئے تکبیر تحریمہ سے پہلے لسانی نیت کرنے سے شرط مفقود ہو جاتی ہے جو مشروط (نماز) کے فاقد و فاسد ہونے کا باعث ہوتی ہے۔ چونکہ لسانی نیت حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت نہیں ہے اور نہ ہی تابعین عظام اور فقہائے اربعہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اقوال سے ثابت ہے اس لئے یہ بدعت ہے:

امت کے دیگر فقہائے کرام اور علمائے اعلام کے فرمودات بھی حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی تائید کرتے ہیں ملاحظہ ہوں۔

۞......حضرت امام ابن ہمام ارقام پذیر ہیں:

قَالَ بَعْضُ الْحُفَّاظِ لَمْ يَثْبُتْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِطَرِيْقٍ صَحِيْحٍ وَلَا ضَعِيْفٍ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ عِنْدَ الْاِفْتِتَاحِ اُصَلِّيْ كَذَا وَلَا عَنْ اَحَدٍ مِّنَ الصِّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ بَلِ الْمَنْقُوْلُ اَنَّهٗ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَهٰذِهٖ بِدْعَةٌ

یعنی بعض حفاظ حدیث نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح یا ضعیف، کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نماز شروع کرتے وقت یہ الفاظ فرماتے ہوں اُصَلِّيْ كَذَا (کہ میں فلاں نماز ادا کرنے لگا ہوں) اور نہ ہی کسی صحابی یا تابعی (رضی اللہ عنہم) سے زبان کے ساتھ نیت کرنا ثابت ہے بلکہ احادیث مبارکہ میں یہی منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ادائے نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو تکبیر تحریمہ کہتے تھے۔ اس لئے زبان کے ساتھ نیت کرنا بدعت ہے۔

(فتح القدیر مع الکفایہ جلد اول: ۲۳۲ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

✿......حضرت علامہ احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ ارقام پذیر ہیں:

لَمْ يَنْقُلْ اَحَدٌ اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَفَّظَ بِالنِّيَّةِ وَلَا عَلَّمَ اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِهِ التَّلَفُّظَ بِهَا وَلَا اَقَرَّهُ عَلٰى ذَالِكَ بَلِ الْمَنْقُوْلُ عَنْهُ فِى السُّنَنِ اَنَّهُ قَالَ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ وَتَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ

(المواہب اللدنیہ جلد چہارم:۷۲)

یعنی نبی اکرم ﷺ کا زبان کے ساتھ لفظاً نیت کرنا منقول نہیں اور نہ ہی آپ نے صحابہ کرام میں سے کسی کو تلفظ بالنیۃ کی تعلیم دی اور نہ ہی آپ نے اس کی تلقین فرمائی۔ بلکہ کتب سنن میں آپ کا ارشاد گرامی منقول ہے کہ نماز کی کلید طہارت ہے، اس کی تحریم تکبیر تحریمہ ہے اور اس کی تحلیل، تسلیم ہے۔

✿......صاحب کبیری تحریر فرماتے ہیں:

وَفِى الْكِفَايَةِ عَنْ شَرْحِ الطَّحَاوِىْ اَلْاَفْضَلُ اَنْ يَّشْتَغِلَ قَلْبُهٗ بِالنِّيَّةِ وَلِسَانُهٗ بِالذِّكْرِ يَعْنِى التَّكْبِيْرِ وَيَدُهٗ بِالرَّفْعِ (کبیری شرح منیہ:۲۹۶، فتح القدیر مع الکفایہ:۲۳۲) یعنی کفایہ میں شرح طحاوی کے حوالہ سے نقل ہے افضل یہ ہے کہ نمازی کا قلب نیت میں، زبان ذکر یعنی تکبیر تحریمہ میں اور ہاتھ اٹھنے میں مشغول ہوں۔

✿......حضرت حافظ ابن قیم رقمطراز ہیں:

كَانَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا قَبْلَهَا وَلَا تَلَفَّظَ بِالنِّيَّةِ اَلْبَتَّةَ وَلَا قَالَ اُصَلِّىْ لِلّٰهِ صَلٰوةً كَذَا مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ اِمَامًا اَوْ مَأْمُوْمًا وَلَا قَالَ اَدَاءً وَلَا قَضَاءً وَلَا فَرْضَ الْوَقْتِ وَهٰذِهٖ عَشْرُ بِدَعٍ لَمْ يَنْقُلْ عَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَحَدٌ قَطُّ بِاَسْنَادٍ صَحِيْحٍ وَلَا ضَعِيْفٍ وَلَا مُسْنَدٍ وَلَا مُرْسَلٍ لَفْظَةً وَاحِدَةً مِّنْهَا اَلْبَتَّةَ بَلْ وَلَا عَنْ اَحَدٍ مِّنْ

اَصْحَابِہٖ وَلَا اِسْتَحْسَنَہٗ اَحَدٌ مِنَ التَّابِعِیْنَ وَلَا الْاَئِمَّۃِ الْاَرْبَعَۃِ وَاِنَّمَا غَرَّ بَعْضُ الْمُتَأَخِّرِیْنَ قَوْلَ الشَّافِعِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فِی الصَّلٰوۃِ اِنَّھَا لَیْسَتْ کَالصِّیَامِ لَا یَدْخُلُ فِیْھَا اَحَدٌ اِلَّا بِذِکْرٍ فَظَنَّ اَنَّ الذِّکْرَ تَلَفُّظُ الْمُصَلِّیْ بِالنِّیَّۃِ وَاَنَّ مُرَادَ الشَّافِعِیِّ بِالذِّکْرِ تَکْبِیْرَۃُ الْاِحْرَامِ لَیْسَ اِلَّا وَکَیْفَ یَسْتَحِبُّ الشَّافِعِیُّ اَمْرًا لَمْ یَفْعَلْہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ صَلَاۃٍ وَاحِدَۃٍ وَلَا اَحَدٌ مِنْ خُلَفَائِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَھٰذَا ھَدْیُھُمْ وَسِیْرَتُھُمْ فَاِنْ اَوْجَدَنَا اَحَدٌ حَرْفًا وَاحِدًا عَنْھُمْ فِیْ ذَالِکَ قَبِلْنَاہُ ...... وَلَا سُنَّۃَ اِلَّا مَا تَلَقَّوْہُ عَنْ صَاحِبِ الشَّرْعِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (زادالمعاد فی ہدی خیر العباد جلد اول: ۱۹۴)

یعنی حضور اکرم ﷺ جب ادائے نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع فرمادیتے اور اس سے قبل کچھ نہ کہتے اور نہ زبان کے ساتھ نیت فرماتے اور نہ یوں کہتے کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے فلاں نماز پڑھنے لگا ہوں میرا رخ بجانب قبلہ چار رکعات بحیثیت امام یا مقتدی اور نہ ہی آپ ﷺ ادا یا قضا اور وقت فرض کے الفاظ فرماتے۔

اس طرح تکبیر تحریمہ سے پہلے ان الفاظ کے ساتھ نیت کرنے والا نمازی دس بدعتوں کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ آپ ﷺ سے ان الفاظ میں سے کوئی لفظ سند صحیح یا ضعیف یا مسند اور مرسل کے ساتھ کسی نے قطعاً نقل نہیں کیا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی سے بھی منقول نہیں ہے اور نہ ہی تابعین کرام اور ائمہ اربعہ میں سے کسی نے اسے مستحب کہا ہے۔

البتہ بعض متاخرین کو حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے مغالطہ ہوا کہ نماز روزوں کی طرح نہیں ہے کہ جس میں کوئی نمازی ذکر کے بغیر داخل نہیں ہوتا۔ پس

ان متاخرین فقہاء کو لفظ ذکر سے نمازی کا زبان کے ساتھ نیت کرنے کا گمان ہوا ہے حالانکہ ذکر سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد تکبیر تحریمہ کے سوا کچھ بھی نہیں اور امام شافعی کسی ایسے کام کو کیسے مستحب قرار دے سکتے ہیں جسے رسول اللہ ﷺ نے کسی ایک نماز میں بھی نہیں کیا اور نہ ہی آپ کے خلفائے عظام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے کیا ہے اور یہی ان کا راستہ اور سیرت ہے۔ اگر ہم ان سے ایک حرف بھی کتب احادیث میں پاتے تو اسے بسروچشم قبول کرتے۔

✿ ......حضرت ملا علی قاری کے نزدیک بھی تَلَفُّظْ بِالنِّيَّةِ کرنے والا بدعتی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

لَا يَجُوْزُ التَّلَفُّظُ بِالنِّيَّةِ فَاِنَّهٗ بِدْعَةٌ وَالْمُتَابَعَةُ كَمَا تَكُوْنُ فِي الْفِعْلِ تَكُوْنُ فِي التَّرْكِ اَيْضًا فَمَنْ وَاظَبَ عَلٰى فِعْلٍ لَمْ يَفْعَلْهُ الشَّارِعُ فَهُوَ مُبْتَدِعٌ (مرقاۃ المفاتیح: ۴۴) یعنی زبان کے ساتھ نیت کرنا جائز نہیں بلکہ یہ بدعت ہے۔ متابعت جیسے کسبِ فعل میں ہوتی ہے ایسے ہی ترکِ فعل میں بھی ہوتی ہے لہٰذا جس شخص نے ایسے فعل پر مواظبت کی جسے حضرت شارع ﷺ نے نہیں کیا وہ بدعتی ہے۔

واضح رہے کہ نیت قلب کا فعل ہے اور اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُرِيْدُ الْحَجَّ ...الخ کے الفاظ دعا ہیں جو حضور اکرم ﷺ نے ابتدائے احرام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھائے۔

چنانچہ علامہ احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ والسلام اَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثِيْنَ اَلْفَ صَلٰوةٍ فَلَمْ يُنْقَلْ عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ نَوَيْتُ اُصَلِّيْ صَلَاةً كَذَا وَكَذَا وَتَرْكُهٗ سُنَّةٌ كَمَا اَنَّ فِعْلَهٗ سُنَّةٌ (مرقاۃ المفاتیح جلد اول: ۳۰۷، المواہب اللدنیہ جلد چہارم: ۷۳)

یعنی حضور اکرم ﷺ نے اپنی ظاہری حیاتِ طیبہ میں تیس ہزار سے زائد نمازیں

ادا فرمائیں مگر آپ سے کہیں بھی یہ منقول نہیں کہ آپ نے بایں الفاظ زبان کے ساتھ نیت فرمائی ہو نَوَیْتُ اُصَلِّیْ صَلَاۃَ کَذَا وَ کَذَا اور آپ ﷺ کا کسی فعل کو ترک کرنا بھی سنت ہے جیسا کہ آپ کا کسی فعل کو کرنا سنت ہے۔

۞...... یہ امر ذہن نشین رہے کہ لسانی نیت چونکہ نبی اکرم ﷺ، صحابہ و تابعین کرام اور آئمہ مجتہدین رحمہم اللہ سے ثابت نہیں ہے اس لئے یہ سنت نبوی ﷺ نہیں بلکہ بعض مشائخ کی سنت ہے جو لائق اعتبار نہیں۔ چنانچہ حضرت امام حسن بن عمار حنفی ارقام پذیر ہیں:

فَمَنْ قَالَ مِنْ مَشَائِخِنَا اَنَّ التَّلَفُّظَ بِالنِّيَّةِ سُنَّةٌ لَمْ يُرِدْ بِهٖ سُنَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ سُنَّةُ بَعْضِ الْمَشَائِخِ (مراقی الفلاح: ۸۳)

اسی طرح حضرت ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں:

وَالنِّيَّةُ بِالْقَلْبِ لِاَ نَّهٗ عَمَلُهٗ وَالتَّكَلُّمُ لَا مُعْتَبَرَ بِهٖ (مرقات: ۳۶)

حقیقتِ نیت

کاشف اسرار طریقت خواجہ محمد موسیٰ بن خواجہ عیسیٰ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اے عزیز حقیقت صلوٰۃ شنیدی اکنوں سرِ نیت بشنو اہل ظاہر چہ دانند کہ چہ نیت باشد و نیت برائے صلوٰۃ شرط است نماز وقتی درست باشد کہ نیت درست شود كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ و عبداللہ سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ می گوید النیۃ النور و محمد بن

جعفر مکی رحمۃ اللہ علیہ می گوید در حروفات نیت فرمودہ نیت آنست کہ آن حرف النون اشارۃ الی النور وحرف الیاء اشارۃ الی ید اللہ وحرف التاء اشارۃ الی ھدایت اللہ فان النیۃ نسیم الروح وریحان وجنت نعیم پس ہمہ علمہا موقوف بہ نیت است ونیت از عالم کسب نباشد اما از عالم عطاء وخلعت الٰہی باشد ازیں جا بود کہ بشر حافی بر جنازہ حسن بصری نماز نگذارد وگفت نیت را نیافتم ایں چنیں نیت در نماز باید (نوادر المعارف: ۵۶ قلمی)

یعنی اے عزیز! حقیقت نماز کے متعلق تو سماعت کرلیا اب نیت کا راز سنیے۔ اہل ظاہر کو کیا معلوم کہ نیت کیا ہے۔ نیت نماز کے لئے شرط ہے، نماز تب ہی درست ہوگی جب نیت درست ہوگی جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ حضرت عبداللہ سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نیت ایک نور ہے اور شیخ محمد بن جعفر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ نیت تین حروف کا مجموعہ ہے اس کا حرف نون نور کی طرف اشارہ ہے، حرف یاء یدُاللہ کی طرف اشارہ ہے اور حرف تاء ہدایتُ اللہ کی طرف اشارہ ہے۔ پس نیت خوشبوئے روح، پھول اور جنت نعیم ہے اس لئے تمام اعمال نیت پر ہی موقوف ہیں اور نیت عالم کسب سے نہیں بلکہ یہ عطائے ربانی اور خلعت الٰہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت شیخ بشر حافی، حضرت خواجہ حسن بصری (رحمۃ اللہ علیہما) کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہوئے تو استفسار پر فرمایا کہ مجھے حضورِ نیت میسر نہ تھا۔ اس طرح کی نیت نماز میں ہونی چاہئے۔ **(من شاء التفصیلات فلیراجع الی مذاق العارفین المجلد الرابع)**

❁ ... یہ امر بھی مستحضر رہے کہ حقیقت نیت چونکہ عالم کسب سے نہ ہونے کی بناء پر غیر اختیاری ہے اس لئے اگر سالکین طریقت بعض اعمال صالحہ میں یوں نیت کرلیں کہ جو

نیت ہمارے شیخ مکرم کی ہے وہی نیت ہماری ہے تو اس طرح شیخ کے صدق نیت کی بدولت مریدین کے اعمال بھی شرف قبولیت پا جائیں گے جیسا کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ اور حضرت سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے عمل سے ثابت ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ کو مخاطب ہو کر فرمایا بِمَا اَهْلَلْتَ يَا عَلِيُّ قَالَ بِمَا اَهَلَّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری جلد اول: ۲۱۱) یعنی اے علی! احرام باندھتے وقت کیا نیت کی تھی انہوں نے عرض کیا جو نیت میرے نبی مکرم نے کی ہے وہی میری نیت ہے۔

یونہی آپ ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو فرمایا: بِمَا اَهْلَلْتَ فَقُلْتُ اَهْلَلْتُ كَاِهْلَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری جلد اول: ۲۱۱) یعنی اے ابوموسیٰ! کس نیت سے احرام باندھا ہے انہوں نے عرض کیا میں نے اسی نیت سے احرام باندھا ہے جس نیت سے میرے نبی اکرم ﷺ نے باندھا ہے۔

عصرِ حاضر میں شیخ مجدّد رحمۃ اللہ علیہ کے کردار کی ضرورت
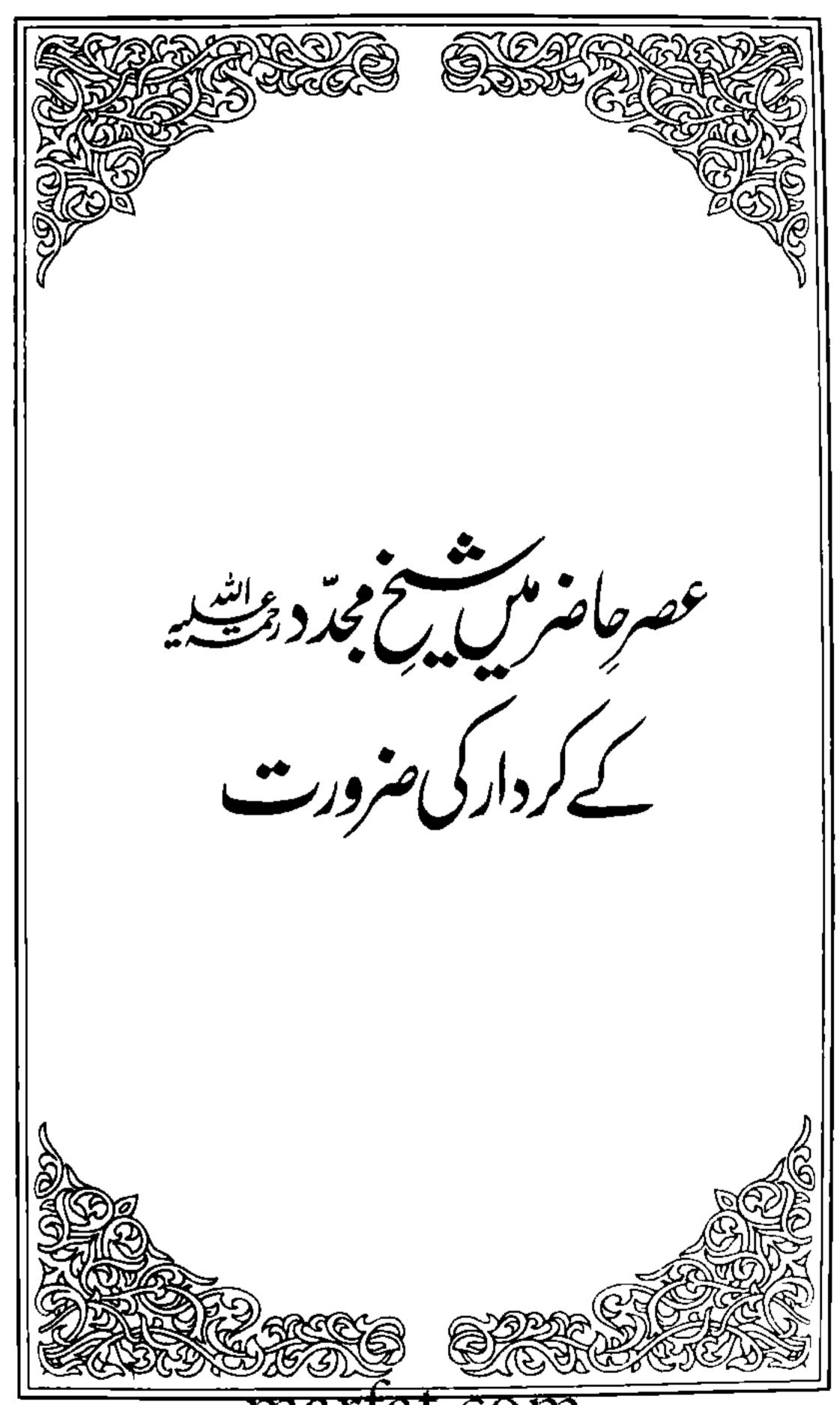
برصغیر پاک وہند کی تاریخ کا اگر بنظر غائر مطالعہ وجائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی تقریباً ہر قوم نے بوجوہ کثیرہ اس طرف مراجعت کی۔ برصغیر ہر لحاظ سے دنیا کا مرکز رہا اور پھر یہ کہ مذاہب عالم میں ہر ایک نے یہاں اپنی اپنی قسمت آزمائی کی لیکن ہندو مذہب، ہر مذہب کو مختلف انداز سے ہضم کرجاتا رہا۔ اس طرح دیگر مذاہب اس کا مقابلہ نہ کر سکے لیکن دین اسلام کا معاملہ اس سے بالکل مختلف رہا۔ اسلام نے برصغیر کے مذہبی، تمدنی' اقتصادی' معاشرتی اور سماجی وسیاسی حالات پر گہرا اثر ڈالا جس کی وجہ سے ہندو قوم میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی اور اس نے مختلف طریقوں سے (خاکم بدہن) اسلام کے انہدام کے لئے کاروائیاں شروع کر دیں۔ ان انتقامی کاروائیوں میں ایک طرف اسلام کے سیاسی زور کو توڑنے کے لئے معاشرے میں تخریب کاری' قتل وغارت گری' سیاسی بے چینی اور امن وامان کا مسئلہ پیدا کیا گیا تو دوسری طرف مذہبی سطح پر مسلمانوں کو تبدیل کرنے کے لئے ایسی تحریکیں اٹھائی گئیں جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے تشکیک کا راستہ اختیار کیا گیا۔ ہندو راجاؤں وغیرہم نے سیاسی طور پر برصغیر کے تقریباً تمام حکمرانوں کے ساتھ پنجہ آزمائی کی لیکن ہر دفعہ منہ کی کھانی پڑی اور شکست فاش ہوئی۔

اس کے بعد ان کے نام نہاد دانشوروں نے سوچا کہ اب سیاسی میدان کو چھوڑ کر کوئی ایسا کھیل کھیلا جائے کہ مسلمان (حقیقی) مسلمان نہ رہے اس کی زبان پر اسلام کا کلمہ تو ہو مگر دل ودماغ سے روح اسلام نکل جائے۔ اس کام کے لیے انہوں نے ہندوؤں کی فلسفیانہ تنظیمیں بنائیں اور تحریکیں چلائیں۔ ان کے اس فلسفے کا مقصد مساوات اور رواداری کے پردے میں اسلامی تعلیمات کو کھوکھلا کرنا تھا۔ ان تحریکوں نے اپنا کام یوں تو بہت پہلے سے شروع کیا ہوا تھا لیکن بدقسمتی سے اکبر بادشاہ (جلال الدین اکبر) کے زمانے میں ان تحریکوں نے زور پکڑا اور حکومت تک رسائی حاصل کر کے اپنے مکارانہ اور عیارانہ ''فلسفہ رواداری مذاہب'' کے نام پر اسلامی تعلیمات میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوششیں شروع کر دی گئیں۔

یہاں پر یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیے کہ براہ راست قوت اور تشدد کے ذریعے لوگوں کے دلوں سے مذہبی وفاداری کو نہیں نکالا جا سکتا لیکن اگر کسی مذہب میں دوسرے مذہب کی اس طرح ملاوٹ کردی جائے کہ وہ اپنی بنیادی خصوصیات کھو بیٹھے تو وقت گزرنے پر اس مذہب کا مٹ جانا یقینی ہو جاتا ہے۔

چنانچہ اکبر کے ساتھ اس کی محفلوں میں صرف ہندو راجے اور ہندو فلسفی ہی نہ رہتے تھے بلکہ اکبر کے ساتھ عبادت خانے میں ہندو پروہت' کیتھولک مبلغ' زرتشتی موحد اور عقلیت پسند ملحد سبھی کا خیر مقدم کیا جاتا تھا اور ہر اس نظریئے کو پسند کیا جاتا تھا جو بادشاہ کی دلچسپی کا موجب ہو۔ ان مختلف الانواع فلسفیانہ خیالات نے اکبر کے ذہن پر جو اثرات چھوڑے، ظاہر ہے کہ ان کا نتیجہ ارتداد والحاد کے سوا اور کیا نکل سکتا تھا؟ اکبر نے ان خیالات کو قبول کر کے نہ صرف تشکیک کے لیے راستہ ہموار کیا بلکہ ارتداد والحاد تک نوبت جا پہنچی۔

اس میں کوئی بوالعجبی نہیں کہ ہمیشہ ارتداد والحاد کی بنیاد، رواداری کے نرم و

دلکش دعوؤں پر قائم کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس دور میں اسلام کے علاوہ ہر مذہب کی ہر نامعقول بات کو نص قطعی سمجھا گیا اور علمائے اسلام کے علاوہ ہر مذہبی لیڈر کی بات کو برہان قاطع سمجھا گیا اور اس کو رازی وغزالی سے زیادہ اہمیت دی گئی اور اسلام کی ہر نشانی (شعائر اسلام) کا مذاق اڑایا گیا۔ بادشاہ کی ضد کا یہ عالم تھا کہ ہر وہ کام جس کو اسلام نے پسند کیا ہے اسے ناپسند کرتا اور ہر اس کام کو پسند کرتا جو اسلام میں ناپسندیدہ ہے۔

اختصار کے ساتھ اکبری دور کی چند ترجیحات پیش کی جاتی ہیں تاکہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ اسوقت اسلام کے ساتھ کس قدر گھناؤنی سازش کی جارہی تھی۔

۱...... اصلی نبوت پر شک وشبہ پیدا کر کے اکبری نبوت کے لیے راہیں ہموار کی جانے لگیں اور یہ خدمات ابوالفضل کے سپرد ہوئیں۔

۲...... شریعت کی پیروی کرنے والوں اور اسلام پر یقین رکھنے والوں کو سخت ایذائیں دی گئیں اور بہت سے علماء کو قتل کیا گیا۔

۳...... اکبر کی مجلس میں حضور انور ﷺ کے نام پاک کی تصریح ترک کر دی گئی اور اہل قلم کو اپنی کتابوں سے نعت کا باب خارج کرنے کا جبری حکم دیا گیا۔

۴...... جس شخص کا نام حضور اکرم ﷺ کے نام پر رکھا گیا تھا وہ بدل دیا گیا۔

۵...... گائے کا ذبح کرنا قانوناً ممنوع قرار دیا گیا۔

۶...... مسجدوں کو منہدم اور ویران کیا گیا۔

۷......مقبروں کو مسمار کیا گیا۔

۸...... کافروں کی عبادت گاہوں اور ان کی عبادت کے طریقوں اور ان کے تہواروں کی تعظیم کی جانے لگی۔

۹...... کفار کی دینی کتابوں کو فارسی میں منتقل کیا گیا تاکہ اسلام کے آثار مٹادیئے

جائیں۔

۱۰ حضرت شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ توحید وجودی کی غلط تعبیرات کے ذریعے وحدت ادیان کا نظریہ تراشا گیا۔

اس دور میں اسلام کی اس بے چارگی کو دیکھ کر علماء و مشائخ 'اسلام کے مجاہد بن کر اٹھے اور اکبر کے خلاف کفر وارتداد کا فتویٰ دیکر اعلان جہاد کیا۔ باقاعدہ بغاوت ہوئی ،لڑائیاں ہوئیں ،باغی امراء قتل کر دیئے گئے ،قاضی بنگال کو ہاتھ پاؤں باندھ کر دریائے جمنا میں پھینک دیا گیا ،قاضی برنی کو ذبح کر دیا گیا ،قاضی محمد یزدی کو جمنا میں غرق کرا دیا ،لاہور کے علماء کو قتل کر دیا گیا ،کسی کو جلا وطن اور کسی کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ الغرض اس قدر ظلم وتشدد روا رکھا گیا کہ بڑوں بڑوں کے حوصلے پست ہو گئے اور اکبر کے مقابلے میں میدان چھوڑ گئے۔

دور اکبری میں اسلام کی حالت زار کیا تھی اس حوالے سے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز سے بڑھ کر اور کسی کی شہادت کیا وقعت رکھتی ہے جنہوں نے اس دور کی ایک ایک بات کا گہری نظر سے جائزہ لیا تھا۔ حضرت امام ربانی ،اکبری دربار کے ایک اہم رکن خان اعظم کے نام ایک مکتوب میں اسلام کی زبوں حالی اور انحطاط و بے چارگی کے متعلق یوں فرماتے ہیں۔

اسلام کی غربت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کفار کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور ہر کوچہ و بازار میں نڈر ہو کر احکام جاری کرتے ہیں اور اہل کفر کی تعریف کرتے ہیں اور مسلمان ،اسلام کے احکام جاری کرنے سے رکے ہوئے ہیں۔

آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی حالت زار پر یوں چیخ و پکار فرمائی

''واویلا وا مصیبتا وا حسرتا وا حزنا! محمد رسول اللہ ﷺ کہ محبوب رب العالمین است مصدقانِ او ذلیل و خوار و منکران او را بہ عزت و اعتبار''

(دفتر اول مکتوب: ۴۷)

آپ اس امت بے کس کی ذلت وخواری کے نظارے کی تاب نہ لا کر کبھی یوں گویا ہوئے

آنچہ من گم کردہ ام گر از سلیمان گم شدے
ہم سلیمان ہم پری ہم اہرمن بگریستے

اور کبھی آپ کا دل دیوانہ سرمست بادۂ الست بے چین ہو کر تلملا اٹھتا ہے تو یوں پکارتے ہیں

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا
صُبَّتْ عَلَى الْاَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَهَا

قارئین کرام! دسویں صدی ہجری کے دور اختتام پر اکبر کے الحادی کارناموں، علمائے سوء اور صوفیائے خام کی عاقبت نااندیشیوں اور منافقانہ پالیسیوں کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کی قوت وشوکت کا استیصال ہو چکا تھا' تصور امت دھندلا گیا تھا، رسومات شرکیہ اور محدثات شنیعہ نے اسلام کے اصلی رنگ وروپ کو متغیر کر دیا تھا۔ گویا کوئی ظاہری وباطنی مرض ایسا نہ تھا جس کی تخم ریزی، امت کے اذہان وقلوب میں راسخ نہ ہو چکی ہو۔ سب سے گہرا اور بنیادی مرض فتنہ ابتداع تھا جس نے عمل و اعتقاد دونوں کو کھوکھلا اور بے مغز کر دیا تھا۔

ان تفصیلات کے بعد ہمیں خود ہی یہ رائے قائم کر لینی چاہیے کہ حضرت شیخ مجدد کا جذبۂ ایمان وعرفان کس قدر عظیم تھا اور آپ کی طرز تعلیم وتلقین کس درجہ مؤثر اور ہمہ

گیر تھی کہ جس نے امت مسلمہ کو ظاہری و باطنی آفات کے تھپیڑوں سے بچا کر کشتی اسلام کو کنارے لگا دیا۔

ع این کار از تو آید مرداں چنیں کنند

آپ کی روح اقدس پر اللہ تعالیٰ کی لاکھوں رحمتیں نازل ہوں کہ آپ نے مجاہدانہ ہمت اور مجددانہ عزیمت کے ساتھ پورے ہندوستان کی تقدیر کو بدل کر رکھ دیا اور ایسا علمی، ایمانی، روحانی، انقلاب برپا کیا جو زبردست مسلح، انقلابی تنظیموں سے بھی ممکن نہیں۔ اگر آپ کے انداز تجدید اور نظریہ اصلاح پر گہری نظر دوڑائی جائے تو مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں جو آج بھی امت کی اصلاح کا کام کرنے والوں کے لیے حرز جاں ہیں۔

خاموش تبلیغ

دور اکبری کے اواخر میں علماء اسلام کے ساتھ حکومت کا رویہ بالکل سخت ہو گیا تھا اور علماء کا قتل عام شروع ہو گیا تھا۔ ایسے حالات میں آپ نے ''اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ'' (النحل ۱۶: ۱۲۵) کے پیش نظر حکمت و دانائی اور راز داری کے ساتھ خاموش تبلیغ کی حکمت عملی اپنائی تا کہ یہ غلط فہمی پیدا نہ ہو کہ یہ اصلاحی تحریک، سیاسی مقاصد حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت شیخ مجدد علیہ الرحمہ نے رسول اکرم ﷺ کے مکی اسوۂ حسنہ کو اپناتے ہوئے خاموش تبلیغ کی حکمت عملی وضع فرمائی۔ اس خاموش تبلیغ میں علماء وصوفیاء اور مبلغین کی عملی، روحانی تربیت اور باطنی توجہات و تصرفات کا عنصر بھی شامل تھا جس کی وجہ سے جام تبلیغ دو آتشہ ہو گیا تھا۔

خلفاء کے ذریعے دعوت کو عام کرنا

خلفاء ومریدین کے اطراف واکناف میں پھیلا دینے سے آپ کی اصلاحی تحریک بے حد مؤثر ثابت ہوئی اور ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی آپ کی دعوت عام ہوگئی۔

مکتوبات وتصانیف کا سلسلہ

مکتوبات شریفہ اور دیگر تصانیف لطیفہ کے ذریعے ارباب حکومت اور اصحاب دانش کی ذہنی، فکری اور علمی تربیت فرمائی اور روحانی وباطنی تقویت پہنچائی۔

ارباب حکومت کی اصلاح

''اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ'' کے مطابق آپ نے ان لوگوں کی اصلاح پر خاص توجہ فرمائی جو حکومت کے اعلیٰ مناصب پر فائز تھے اور انہیں ''جرگہ مُمدانِ دولت اسلام'' کے خطاب سے نوازا۔

امور سلطنت میں علماء کو شامل کرنا

صالح اور باکردار علماء کو حکومت کے اہم عہدوں تک پہنچا کر آپ نے امور سلطنت کو اسلام کا جامہ پہنا کر تنفیذ اسلام کی راہیں ہموار فرمائیں۔

علماء وصوفیاء کی اصلاح

اسی طرح آپ نے علماء کے غلط کردار اور صوفیاء کے غلط افکار کی اصلاح کے لیے انقلابی اقدامات فرمائے۔

کتاب وسنت سے تمسک کی تحریک

آپ نے کتاب وسنت سے کامل تمسک کی تحریک پیدا کر کے مسلمانوں میں راسخ الاعتقادی اور راست بازی کا رجحان پیدا کر دیا اور تمام بدعات باطلہ وعقائد فاسدہ کی بیخ کنی کر کے اسلامی تعلیمات کا چہرہ نکھار کر رکھ دیا۔

اور سچ تو یہ ہے کہ بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

''آج جو مساجد میں اذانیں سنائی دے رہی ہیں اور مدارس سے قَالَ اللہُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی اور قَالَ الرَّسُوْلُ ﷺ کی دلنواز صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور خانقاہوں میں جو ذکر وفکر کے حلقے قائم ہیں، آستانوں میں جو لا الٰہ اِلَّا اللہ کی ضربیں لگائی جا رہی ہیں، یہ اہل حق کے چہروں پر جو سنت کا نور ہے اور آنکھوں میں جو محبت کا سرور ہے، یہ امام ربانی مجدد الف ثانی کی تجدید کا جام طہور ہے۔

اور بقول علامہ اقبال مرحوم

''مغربی دنیا کے افکار ونفسیات جدیدہ ابھی تو افکار مجدد کی گرد تک بھی نہیں پہنچ سکے''۔

قارئین ذی وقار! دنیا کو آج پھر ضرورت ہے مجدد الف ثانی کی...... آج فتنہ ہائے عرب وعجم کی یلغار کے دور میں ضرورت ہے امام ربانی کے افکار کی...... آج یورش ہائے عصر حاضر کے مقابلے میں ضرورت ہے شیخ مجدد کے کردار کی...... ان کے انفاس قدسیہ کی بو باس کی...... ان کی توجہات عالیہ کے اثرات کی۔

ہمیں ضرورت ہے آج پھر کسی سرشار بادۂ مجددیت کے نعرۂ مستانہ کی کہ

جس کا پیکر خاکی ہو مگر پرواز افلاکی ہو...... وہ گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان ہو...... قاری نظر آئے مگر حقیقت میں قرآن ہو...... گو بے زر ہو مگر بالغ نظر

ہو...... وہ کارِ آشیاں بندی سے دور مگر احساس وخوئے وفا میں مخمور ہو...... وہ موت سے نہیں موت اس سے ڈرتی ہو...... زمانہ اس کو نہیں وہ زمانے کو مسخر کرتا ہو...... وقت اس کو نہیں وہ وقت کو بدلتا ہو...... وہ خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جائے مگر مقام رنگ و بو کا راز پا جائے......

ہاں ہاں! ضرورت ہے کسی ایسے مردِ حق آگاہ کی کہ علم اس کا زیور ہو اور حلم اس کی چادر ہو...... وفا اس کی ادا ہو اور رضا اس کی جزا ہو...... صداقت اس کا محمل ہو اور شہادت اس کی منزل ہو...... دانش اس کی بستی ہو اور عشق اس کی مستی ہو...... بخت اس کا رسا ہو اور نظر اس کی کیمیا ہو...... باہوش ایسا کہ شام و سحر کو سمجھے...... پرجوش ایسا کہ شمس و قمر کو لپکے...... وہ تخت کا سکندر بھی ہو اور وقت کا قلندر بھی...... اور وہ مجدد الف ثانی کے کردار کا فیضِ مجسم بن کر

دوڑتا ہو شعلہ خو بجلی کا دامن تھامنے
مسکراتا ہو گرجتے بادلوں کے سامنے

قارئین کرام! ہم مایوس نہیں ہیں...... یہ دین زندہ نبی کا دین ہے...... یہ زندہ رہے گا...... تابندہ رہے گا...... مجدد ین آتے رہیں گے...... زمانے فیض پاتے رہیں گے۔

ذرا کان لگا کر غور سے سنو تو سہی...... آواز آ رہی ہے

''اپنے وقت کا امام آ رہا ہے''

اور سنو! عصر حاضر کی ہر کروٹ یہ بانگ دہل دہائی دے رہی ہے کہ عصر حاضر کے مجدد کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی ہے۔

ہاں ہاں نظریں اٹھاؤ!...... وہ دیکھو!

مدینے کی گلی سے...... بغداد کے نگر سے...... بخارا کی محفل سے...... اجمیر کی بستی سے...... سرہند کے چمن سے ہوتا ہوا ایک مردِ مجاہد خراماں خراماں میرے دیس کی بستی

میں داخل ہو رہا ہے ...... جس کے ساتھ اسلام کی غنیم فوجیں ہیں ...... وہ بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے جانے کے عہد و عزم کے ساتھ آ رہا ہے ...... ہمارا اسلام ہو اس امام وقت کو کہ اس کے قدموں کی ہر آہٹ ہمارے دلوں پہ دستک دے رہی ہے اور ہماری آنکھیں اس کے استقبال کے لیے بے تاب ہیں۔

زمانہ منتظر تیری یلغار کا
تری شوخئ فکر و کردار کا